تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (13)

سورہ یونس (مکمل)

سورہ ھود (مکمل)

سورہ یوسف (مکمل)

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (13)

سورہ یونس (مکمل)
سورہ ہود (مکمل)
سورہ یوسف (مکمل)

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف========= محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر ========= (۱۳)

صفحات ========= ۵۰۰

قیمت ========= 0

ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahir1175528@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات
13	سورہ یونس
13	وجہ تسمیہ
13	سورہ یونس کا مقام نزول
14	مضامین کا خلاصہ
16	شان نزول: (آیت) "اکان للناس عجبا"۔ (الخ)
21	سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال
22	منکرین آخرت کے احوال
24	آخرت پر ایمان لانے والوں کا احوال
25	اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتے ہیں
31	مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی
34	شان نزول: (آیت) "ویعبدون من دون اللہ

شرک کے آغاز کی روداد	34
اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا	44
اللہ کی الوہیت کے منکر	50
کفار کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا	59
عذاب کی وعید کا برحق ہونا	66
خالق کل عالم کل ہے	69
حلال وحرام قرآن بتلاتا ہے	73
رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے	73
عزت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے	80
عیسائیت کا رد	83
نوح (علیہ السلام) کی قوم کا کردار	86
فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب	89
آل فرعون کے بیان کردہ دو عذر	91
جادو کا حکم دینے کی وجہ	92

ربط آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی ﷺ کو تسلی دینا	94
قوم فرعون سے بنی اسرائی کی نجات	96
بنی اسرائیل کو سمندر سے پار جاتے دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے تعاقب کیا	100
عذاب دیکھ کر حضرت یونس (علیہ السلام) کی قوم کا ایمان لانا	108
عقیدہ توحید کی وضاحت	115
نافرمان کا اپنا نقصان ہے	119
سورہ ہود	120
وجہ تسمیہ	120
زمانہ نزول	120
سورہ ہود کی فضیلت	122
مضامین کا خلاصہ	122
شان نزول: (آیت) "الا انھم یثنون"۔(الخ)	128
کافروں کی تنقید کی پرواہ نہ کریں	138

نوح (علیہ السلام) کا کشتی تیار کرنا اور قوم کا استہزا کرنا	160
نوح (علیہ السلام) کا ایک بیٹا موج کی لپیٹ میں	165
نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب	169
طوفان کا خاتمہ	171
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف التفات	172
قوم عاد پر آندھی کا عذاب	179
حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری	190
حضرت سارہ علیہ السلام کی ہنسی کی وجہ	191
ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت میں شامل ہیں	192
لوطؑ کے پاس فرشتوں کی آمد	196
قوم لوط کی بستی الٹنے کے متعلق روایات	202
شعیب (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا تعارف	205
حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت	207
ناپ تول میں انصاف کرو	208

حضرت شعیب کا قوم نے مذاق اڑایا	212
شعیب علیہ السلام کو سنگسار کردینے کی دھمکی	217
حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت	236
شان نزول: (آیت) "واقم الصلوۃ"۔(الخ)	238
سورہ یوسف	253
وجہ تسمیہ	254
شان نزول	254
تاریخی وجغرافی حالات	255
مضامین کا خلاصہ	258
لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء	274
لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء	276
برادران یوسف کے جھوٹے عذر	284
اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محامل	298
قصہ یوسفؑ میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں	299

پختگی کی عمر میں متعدد اقوال	301
حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال	301
عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسفؑ پر الزام لگانا	312
عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا عزیز مصر نے کہا یا عورت کے عم زاد نے	328
حسن یوسف (علیہ السلام) حدیث کی روشنی میں	325
یوسف (علیہ السلام) کو قید کرنے کا سبب	330
یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت	332
ایک اللہ کے در کو مضبوطی سے تھام لو	341
دعوت میں حکمت	342
شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں	350
حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قید کی مدت	353
مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا	355
بادشاہ کے خواب کی تعبیر	360
بادشاہ کی دعوت اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا جواب	364

بیگماتِ مصر کے واقعہ کی تحقیق	369
حضرت یوسف (علیہ السلام) کی عاجزی کی انتہا	373
نفس انسانی کی اقسام	374
بادشاہ کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے پاس بلانا	377
یوسف (علیہ السلام) سے بادشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات	378
یوسف (علیہ السلام) کا رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانا	380
ایام قحط میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حسن انتظام	387
حضرت یوسف (علیہ السلام) کا کلی اقتدار	390
حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کی مصر آمد	391
بھائیوں کے تھیلوں میں رقم کی تھیلی رکھنے کی وجوہات	398
تقدیر اور تدبیر کا باہمی تعلق	410
حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین کی ملاقات	412
بے قصور قافلہ والوں کو چور کہنے کی توجیہ	415
بھائیوں کی ایک اور شرارت	421

بھائیوں کی باہمی مشاورت	426
حضرت یوسف (علیہ السلام) کے غم میں شدت کی وجہ	433
یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو سہ بارہ مصر جانے کی ہدایت کی	436
بھائیوں کا تیسری مرتبہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس جانا	439
حضرت یوسفؑ کی قمیص سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا روشن ہونا	448
حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پالینا	452
تفندون کے معانی	454
حضرت یعقوبؑ کی بینائی کا لوٹ آنا	455
برادران یوسف کا اپنے والد سے گناہ بخشوانے کی درخواست	457
تعظیمی سجدہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی نظر میں	466
نبی کریم (علیہ السلام) کی نبوت کی دلیل	471
مشرکین کے ایمان نہ لانے کا حقیقی سبب	473
ایمان لانے کے باوجود اکثر لوگ مشرک	476

482	آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں
484	آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب انسان ہی تھے

سورہ یونس

سورہ یونس مکی ہے اس میں گیارہ رکوع اور ایک سونو آیتیں ہیں ایک ہزار آٹھ سو بتیس کلمے اور نو ہزار ننانوے حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام "یونس" ہے کیونکہ اس کی آیت نمبر ۹۸ میں قوم یونس کی نجات کا ذکر ہے۔

سورہ یونس کا مقام نزول

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: امام النحاس، امام ابوالشیخ اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی اور امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ سورہ یونس مکہ میں نازل کی گئی۔ [۱]

نیز لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے امام ابن مردویہ نے مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ مکی ہے اور عطا کی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ مدنی ہے۔ [۲]

بعض علماء نے سورہ یونس کے مکی ہونے سے تین آیتوں کا استثناء کیا ہے، اور ابن الفرس اور علامہ سخاوی

۱۔(الدر المنثور ج ٤ جلد ٣٣٩ دار الفکر بیروت:١٤١٤ھ)

۲۔(الاتقان ج ١ ص ٦٣، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ١٤١٩ھ)

نے کہا ہے کہ سورہ یونس کے شروع سے لے کر چالیس آیتوں تک مکی آتیں ہیں اور باقی آیتیں مدنی ہیں، اس کی ایک سو نو آیتیں اور شامی کے نزدیک اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں۔ [۱]

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و جلالت شان بیان کی گئی ہے پھر رسالت محمدیہ اور توحید کا اثبات اور آخرت کی زندگی اور عجائبات قدرت کا بیان ہے آخر میں منکرین آخرت کا انجام اور مومن صالحین کا انعام مذکور ہے۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کا لطف وحلم، سابقہ کافروں کی ہلاکت اور مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی کا بیان ہے پھر شرک کا ابطال اور مشرکین کی ہٹ دھرمی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: توحید کا مزید اثبات اور حیات دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دار السلام یعنی جنت کی طرف بلانا، آخر میں اعمال کا بدلہ اور قیامت کے روز کافروں کی ذلت ورسوائی کا بیان ہے

۔

رکوع ۴: توحید کے کچھ اور دلائل اور کفار کو قرآن کا چیلنج کہ تم بھی اہل زبان ہو، فصاحت وبلاغت میں کمال رکھنے کے دعویدار ہو، غیر عرب کو عجمی کہتے ہیں اگر تمہارے خیال میں یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بنایا ہوا ہے جو محض امی ہیں، تو تم اس قرآن جیسی صرف ایک سورت ہی بنالاؤ۔

رکوع ۵: آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو، معاندین کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم۔ پھر قیامت کے روز مکذبین کی حسرت وندامت اور انجام کا بیان ہے آخر میں کفار کا تکذیب وتمسخر کے طور پر

۱۔(روح المعانی ج ۷ ص ۸٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۷ھ)

بے خوفی کے ساتھ عذاب طلب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ٦: عذاب قیامت کا یقینی طور پر آنا، پھر قرآن کے محاسن وصفات کا بیان اور آخر میں مشرکین کے قبیح اعمال کا بیان ہے۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے پھر اولیاء اللہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نہ تو قیامت کے روز ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر ہوگا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج وملال ہوگا، آخر میں آپ کو تسلی وبشارت اور توحید کے کچھ دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۸: شروع میں حضرت نوح (علیہ السلام) کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعہ کا بیان ہے اور فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت موسیٰ کی توکل اور کثرت صلوۃ کی تاکید اور حضرت موسیٰ کی دعا کا بیان ہے آخر میں فرعونی لشکر کی غرقابی کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانا اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے پھر قوم یونس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے آخر میں مکذبین کو قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۱۱۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ دین اسلام کی حقانیت اور توحید کی تعلیم وتاکید بیان کی گئی ہے آخر میں آپ کو تسلی وتشفی دی گئی ہے۔

﴿ الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝١ ﴾

الف لام را، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

یعنی میں اللہ تعالیٰ ہوں سب کو دیکھ رہا ہوں یا یہ کہ یہ قسم ہے یہ سورت قرآن کریم کی محکم آیات ہیں جو

حلال وحرام کو بیان کر رہی ہیں۔

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ ﴾

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پہ وحی نازل کی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو خبر دار کر دیجیے اور اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت اونچا مرتبہ ہے۔ (اس پر) کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا جادوگر ہے۔

شان نزول: (آیت) "اکان للناس عجبا"۔ (الخ)

حروف مقطعات پر بحث سورہ بقرہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابن جریرؒ نے ضحاکؒ کے ذریعہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا تو تمام عرب نے یا عرب میں سے کچھ لوگوں نے اس بات کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے یہ خلاف ہے کہ کوئی انسان اس کا رسول ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "اکان للناس"۔ یعنی کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم

نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی اور یہ آیت نازل فرمائی (آیت) ”ومارسلنا من قبلک الارجالا“۔(الخ) چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے کئی دلیلیں پیش کیں تو کہنے لگے کہ اگر انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا تو معاذ اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علاوہ دوسرا اس کا زیادہ مستحق تھا اس کا خیال تھا کہ مکہ والوں میں سے ولید بن مغیرہ اور طائف والوں میں سے مسعود بن عمر و ثقفی ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی“۔اھم یقسمون رحمۃ ربک“۔(الخ)

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾

بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد، وہی اللہ تعالیٰ تمہارا (حقیقی) رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

(آیت) ”ان ربکم اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش“۔اس کی تفسیر سورہ الاعراف میں گزر چکی ہے۔(آیت) ”یدبر الامر“۔حضرت مجاہدؒ نے کہا ہے: وہ اکیلے ہر کام کا فیصلہ کرتا

ہے اور اس کو مقرر کرتا ہے۔ [1]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اپنی خلق کی تدبیر میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ امر کے ساتھ بھیجتا ہے۔ یہ قول بھی ہے وہ امر کے سات نازل کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ ہر کام کے بارے حکم دیتا ہے اور اسے کر گزرتا ہے۔ یہ تمام معانی باہم متقارب ہیں، پس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) وحی کے لیے حضرت میکائیل (علیہ السلام) بارش کیلیے، حضرت اسرافیل (علیہ السلام) صور پھونکنے کے لیے اور حضرت عزرائیل (علیہ السلام) (روح) قبض کرنے کے لیے مقرر ہیں۔ اور (آیت) "یدبر الامر"۔ کا حقیقی معنی امور کو ان کے انجام کے احکام کی بنا پر ان کے مراتب پر رکھنا ہے اور یہ الدبر سے مشتق ہے اور الامر جنس امور کا اسم ہے، (آیت) "ما من شفیع" یہ محل فعل میں ہے رفع میں ہے اس کا معنی ماشفیع (کوئی شفاعت کرنے والا نہیں) ہے۔ (آیت) "الا من بعد اذنہ"۔ شفاعت کا معنی سورہ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ فلا یشفع احد نبی ولا غیرہ الا باذنہ سبحانہ۔ (پس کوئی نبی شفاعت نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی اور مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت کے ساتھ) یہ کفار کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے ان کے بارے کہا جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے: (آیت) "ھؤلآء شفعآؤنا عنداللہ"۔ (یونس: ۱۸) (یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہوں گے) پس اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمادیا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا پس بتوں کی شفاعت کیسے ممکن ہوسکتی ہے جو عقل ہی نہیں رکھتے؟ قولہ تعالیٰ: (آیت) "ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ"۔ یعنی یہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں سے یہ کام کیے ہیں یہی تمہارا رب ہے اس کے سوا تمہارا کوئی

۱۔ المحرر الوجیز، سورہ یونس، جلد ۳، صفحہ ۱۰۴)

رب نہیں۔(آیت)"فاعبدوہ"۔پس تم اسے وحدہ لاشریک مانو اور اسی کے لیے عبادت کو خالص کرو۔ (آیت)"افلا تذکرون"۔تو کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہ یہ اس کی مخلوقات ہیں پس تم ان سے اس کی ذات پر استدلال کرو۔

﴿ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۝۴ ﴾

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، بیشک وہی پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر (قیامت کے دن) اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں انصاف کے ساتھ جزا دے، اور اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بہ سبب اس کے کہ کفر کرتے رہتے تھے۔

قیامت کے روز تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جس نے سب کو پیدا کیا یہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اگر تمہارے خیال میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال ہے، تو یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے بلاشبہ اسی نے

مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا اور وہی قدرت کاملہ سے اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے روز ان کو ان کے کفر کے سبب مختلف عذاب دے۔ مثلاً بادِ سموم اور آبِ حمیم۔ یہ لوگ دن رات اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ آخرت کی زندگی کے لیے کچھ تیاری کر لے۔ ①

﴿ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّ الۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ⑤ اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ⑥ ﴾

وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم جان لو سالوں کا شمار اور حساب۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا۔ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو جاننا چاہیں۔ (۵) بیشک رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور ان تمام چیزوں

۱۔ (ابن کثیر ۲۔۴۰۷)

میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو متقی ہیں۔(٦)

سورج سے الوہیت اور توحید پر استدلال

اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس کی الوہیت وربوبیت کے دلائل تم سن چکے ہو۔اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو پرنور بنایا۔سورج کی روشنی الگ قسم کی ہے اور چاند کی روشنی علیحدہ نوعیت کی ہے، دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی۔ پھر چاند کے لیے منزلیں مقرر کردیں، پہلی تاریخ کو جب چاند افق پر نمودار ہوتا ہے تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے پھر اس کی روشنی اور سائز بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک کامل دائرہ بن جاتا ہے اس کے بعد پھر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے اور ایک مہینہ پورا ہونے پر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔یسن ٣٩)۔اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح (باریک، زرد اور خمدار) ہوجاتا ہے۔

نہ توسوج چاند کو جا پکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھتی ہے ہر ایک اپنے اپنے ضابطے اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہا ہے پھر سورج کے ذریعہ دن پہچانے جاتے ہیں اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے، والشّمس والقمر حسبانا۔سورہ انعام ٩٦)۔اور سورج اور چاند کا اپنا اپنا حساب ہے۔

سورہ البقرہ میں اس کا معنی ومفہوم گزرچکا ہے تحقیق کہا گیا ہے: بیشک اس کا سبب نزول یہ ہے کہ اہل مکہ

نے علامت ونشانی کے بارے سوال کیا تو انہیں جواب یہ دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تامل اور نظر وفکر کریں۔ یہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے (آیت) "لقوم یتقون"۔ یعنی اس قوم کے لیے جو شرک سے بچتے ہیں، پس جس نے شرک کا ارتکاب کیا اور راہنمائی حاصل نہ کی تو پھر یہ نشانی (آیت) اس کے لیے نشانی نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ ﴾

بیشک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور اس دنیا کی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔(۷) یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بسبب اس کے جو وہ کماتے رہے ہیں۔(۸)

منکرین آخرت کے احوال

ان آیتوں سے اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کے احوال شروع کیے ہیں جو آخرت (مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے) پر ایمان نہیں لاتے اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں، اور ان لوگوں کا پہلے ذکر کیا جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ اس سورت میں ان لوگوں کے ساتھ خطاب ہے، جو ان باتوں پر تعجب کرتے ہیں جن پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتے جن میں غور وفکر کرنا

چاہیے۔ مذکورہ الصدر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان شقی القلب لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو قیامت کے دن اللہ سبحانہ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، وہ اس دنیا کی زندگی پر راضی تھے اور ان کے دل اس سے مطمئن تھے۔ حسن بصریؒ نے کہا یہ لوگ کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر نہیں کرتے تھے اور اللہ عزوجل کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے، سو آخرت کے دن ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا کیونکہ انہوں نے دنیا میں جرائم اور گناہ کیے اور اس کے علاوہ وہ اللہ، رسول اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا یرجون لقاءنا، رجاء کے معنی یہاں خوف ہیں۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ رجاء کے معنی یہاں طمع ہیں یعنی وہ اللہ سبحانہ کے اجر و ثواب کی طمع نہیں رکھتے تھے یا اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طمع نہیں رکھتے تھے تاہم مناسب یہ ہے کہ یہاں رجاء کا معنی توقع لیا جائے جو حقیقت کے قریب ہے یعنی وہ ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ آخرت کے منکر تھے لہٰذا وہ عذاب سے ڈرتے تھے نہ ثواب کی طمع رکھتے تھے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ ﴾

بیشک جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیےان کا رب ان کوان کے ایمان کی وجہ سے ان کی رہنمائی کرے گا ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔(۹) وہاں (جنت میں پہنچنے کے بعد) ان کی پکار یہ ہوگی کہ اے اللہ! ساری پاکیزگیاں تیرے ہی لیے ہیں! اوران کی آخری بات یہ ہوگی کہ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔(۱۰)

آخرت پر ایمان لانے والوں کا احوال

اس رکوع کی آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے ہیں جو اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مانا اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کے سبب انہیں قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دے گا بایں طور کہ ان کو سلامتی کے ساتھ پل صراط سے گزار دے گا اور وہ جنت تک پہنچ جائیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بایمانھم میں با استعانت کے لیے ہو، کیونکہ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مومن کے اعمال کو حسین صورتوں میں متمثل کردیا جائے گا جن سے خوشبو آرہی ہوگی، جب وہ قبر سے اٹھے گا تو وہ حسین صورت سے ملاقات کر کے اس کو جنت کی بشارت دے گی۔ مومن پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ صورت کہے گی میں تمہارا عمل ہوں، پھر اس کے سامنے نور بچھا دیا جائے گا حتی کہ وہ جنت میں داخل ہوجائے گا اور یہی اس آیت کا معنی ہے کہ ان کا رب ان کو دائمی جنتوں کی طرف ہدایت دے گا، اور کافر کے اعمال کو بھیانک اور ڈراؤنی شکل میں متشکل کردیا جائے گا جس سے بدبو آرہی ہوگی۔ وہ ڈراؤنی شکل کافر سے

چمٹ جائے گی اور اس کو دوزخ میں ڈال کر آئے گی۔ [1]

چونکہ جنت میں اہل جنت کو ہر چیز خود بخود حاصل ہو جائے گی اور کسی کو مانگنے کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس لیے ان کی دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ دعا کے بدلے میں ان کی زبان پر صرف اللہ کی تسبیح ہوگی اسی میں ان کو لذت آئے گی اور کوئی لغو اور بے ہودہ بات ان کی زبانوں سے نہیں نکلے گی۔

امام ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے ابوالشیخ نے ابن جریج کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اہل جنت کے پاس سے کوئی ایسا پرندہ اڑتا ہوا گزرے گا جس کی انہیں خواہش پیدا ہوگی تو وہ سبحانک اللھم کہیں گے اور یہی ان کا پکارنا ہوگا پس اسی وقت ایک فرشتہ ان کی خواہش کی چیز ان کے پاس لے آئے اور ان کو سلام کرے گا۔ پھر وہ فرشتے کے سلام کا جواب دیں گے پھر وہ کھا چکیں گے تو الحمد للہ رب العالمین کہیں گے۔

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ ﴾

اگر اللہ لوگوں کے لیے عذاب اسی طرح جلد پہنچا دے جس طرح وہ ان کے ساتھ

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۶۱۶،تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۰۲۳۷)

رحمت میں جلدی کرتا ہے تو ان کی مدت ختم کردی گئی ہوتی۔ سو ہم ان کو جو ہماری ملاقات سے ناامید ہیں چھوڑ دیتے ہیں اپنی گمراہی میں سرگردان ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتے ہیں

فرمان ہے کہ میرے الطاف اور میری مہربانیوں کو دیکھو، کہ بندے کبھی کبھی تنگ آ کر، گھبرا کر اپنے لیے، اپنے بال بچوں کے لیے اپنے مالک کے لیے، بددعائیں کر بیٹھتے ہیں لیکن میں انہیں قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ ورنہ وہ کسی گھر کے نہ رہیں جیسے کہ میں انہی چیزوں کی برکت کی دعائیں قبول فرمالیا کرتا ہوں۔ ورنہ یہ تباہ ہو جاتے۔ پس بندوں کو ایسی بددعاؤں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ چنانچہ مسند بزار کی حدیث میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں۔ اپنی جان و مال پر بددعا نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قبولیت کی ساعت موافقت کر جائے اور وہ بددعا قبول ہو جائے۔ اسی مضمون کا بیان (وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا 11؁) 17۔ الاسراء:11) میں ہے۔ غرض یہ ہے کہ انسان کا کسی وقت اپنی اولاد مال وغیرہ کے لیے بددعا کرنا کہ اللہ اسے غارت کرے وغیرہ۔ ایک نیک دعاؤں کی طرح قبولیت میں ہی آ جا کرے تو لوگ برباد ہو جائیں۔

﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ ﴾

جب انسان کو کوئی سخت تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے جیسے اس نے کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کو بھلا کر دکھایا وہ کام جو وہ کرتے تھے۔

اور جن کو یعنی ہشام بن مغیرہ مخزومی کو کوئی تکلیف یا بیماری پہنچتی ہے تو بستر پر بھی ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس سے اس کی وہ تکلیف دور کر دیتے ہیں تو پھر دعا کر چھوڑ کر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے، گویا جو تکلیف اس کو پہنچتی تھی اس کے ہٹانے کے لیے کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا، ان مشرکین کو ان کے اعمال شرکیہ اسی طرح اچھے معلوم ہوتے ہیں کہ سختی اور تکلیف میں ہمیں پکارتے ہیں اور فراخی و خوشحالی میں ہمیں بھول جاتے ہیں۔

اسی آیت جیسی (وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۗءٍ عَرِيْضٍ 51؀) 41۔فصلت:51) ہے یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بڑی لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھے لیٹتے اللہ سے اپنی تکلیف کے دور ہونے کی التجائیں کرتا ہے۔لیکن جہاں دعا قبول ہوئی تکلیف دور ہوئی اور ایسا ہو گیا جیسے کہ نہ اسے کبھی تکلیف پہنچی تھی نہ اس نے کبھی دعا کی تھی۔ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور وہ انہیں اپنے ایسے ہی گناہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ہاں ایماندار، نیک اعمال، ہدایت و رشد والے ایسے نہیں ہوتے۔حدیث شریف میں ہے مومن کی حالت پر تعجب ہے۔اس کے لیے ہر الٰہی فیصلہ اچھا ہی ہوتا ہے۔اسے تکلیف پہنچی اس نے صبر و استقامت اختیار کی اور اسے نیکیاں ملیں۔اسے راحت پہنچی،

اس نے شکر کیا، اس پر بھی نیکیاں ملیں، یہ بات مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

سیدنا صہیب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مومن کا معاملہ بھی کتنا باعث تعجب ہے کہ یقیناً اس کے ہر معاملہ میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور یہ فضیلت مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے (وہ اس طرح) کہ اگر اسے کوئی راحت وخوشی نصیب ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، تو یہ اس کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف وغم پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ (صبر کرنا) بھی اس کے لیے باعث خیر ہی ہے۔“ ①

﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ ﴾

اور یقیناً تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کو تہس نہس کر دیا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے جس پر وہ ایمان نہ لائے اس طرح ہم مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں۔ (۱۳) پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر

۱۔ [مسلم، کتاب الزهد، باب المؤمن أمره کله خیر: ۲۹۹۹]

جانشین کیا تا کہ ہم دیکھیں گے تم کیسے کام کرتے ہو؟۔(۱۴)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے جرم میں سابقہ کافروں کی ہلاکت وتباہی کا ذکر کیا ہے تا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے کے لوگ ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور آپ کی تکذیب ومخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ انبیاء کرام کے واضح دلائل اور نشانیاں دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیتا ہے اے اہل مکہ، اگر تم بھی نبی کی تکذیب سے باز نہ آئے اور ان پر ایمان نہ لائے تو تم بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہو سکتے ہو، ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

پھر منکرین ومکذبین کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمہیں آباد کیا اور تمہارے پاس بھی اپنا رسول بھیجا ہے تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اپنے رسول پر ایمان لاتے ہو یا اس کی تکذیب کرتے ہو پھر ہم تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے۔

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”یقیناً دنیا میٹھی، مزے دار اور سبز ہے (جیسے تازہ میوہ) اور اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال سر انجام دیتے ہو، دنیا سے ہوشیار رہو اور عورتوں سے ہوشیار رہو، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا آیا تھا۔“ (۱)

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

۱۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب أکثر أہل الجنۃ الفقراء۔۔۔الخ:۲۷۴۲]

لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَآ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ
اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ
اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ قُلۡ لَّوۡ شَآءَ
اللّٰهُ مَا تَلَوۡتُهٗ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِهٖ ۫ۖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ
عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی
اللّٰهِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۱۷﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہیں ہم سے ملنے کی توقع نہیں ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اس کو بدل دو۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کروں بلکہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (۱۵) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو یہ قرآن میں تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر نہ کرتا۔ کیونکہ

میں نے تمہارے اندر (رہ کر) اس سے پہلے ایک عمر گذاری ہے۔ کیا تم پھر بھی عقل نہیں رکھتے۔ (۱۶) سو اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے۔ بلاشبہ ایسے مجرموں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی۔ (۱۷)

مشرکین مکہ کی ہرزہ سرائی

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

قتادہؒ نے کہا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے مشرکین مکہ تھے، اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ پانچ شخص تھے: عبداللہ بن امیہ المخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبید اللہ بن ابی قیس العامری اور العاص بن عامر بن ہشام، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہا تھا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں جس میں لات، عزیٰ اور مناۃ کی عبادت سے ممانعت نہ ہو، اور نہ ان کی مذمت کی گئی ہو اور اگر اللہ ایسی آیتیں نازل نہ کرے تو آپ ایسی آیتیں بنالیں، یا اس قرآن کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں بنادیں یا حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! آپ کہئے کہ اس قرآن کو بدلنا میرے اختیار میں نہیں ہے، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی کی جاتی ہے، اس کے مطابق میں حکم دیتا ہوں یا کسی چیز سے منع کرتا ہوں۔ (۱)

۱۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ : سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”خبردار! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ حقوق اللہ کی نگہداشت کرنے والا ہوں۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات دریافت کرتے ہوئے پوچھا، کیا دعوائے نبوت سے پہلے کبھی (کسی موقع پر) اس نے جھوٹ بولا ہے؟ تو اس نے باوجود دشمن اور کافر ہونے کے کہا کہ نہیں، تو ہرقل نے (نتیجہ بیان کرتے ہوئے) کہا تھا کہ میں کیسے مان لوں کہ ایک شخص لوگوں کے معاملات میں تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے اور بہتان باندھے۔ [۲]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ نے ترجمان کسریٰ سے کہا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایک نبی بھیجا ہے، جو ہم میں سب سے زیادہ شرف والا، حسب نسب میں ہم سب سے ممتاز اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچا ہے، اس کے والدین کو ہم جانتے ہیں۔ [۳]

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی کے نزول کا آغاز ہوا اور آپ کی عمر چالیس سال تھی، تو آپ مکہ میں تیرہ سال رہے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا، تو آپ نے مدینہ میں دس سال گزارے اور جب آپ فوت ہوئے تو آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ [۴]

---

[۱]۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰۶۳]

[۲]۔ [بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۷]

[۳]۔ [مصنف ابن أبی شیبۃ: ۱۶/۷، ح: ۳۳۷۸۲۔ بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب الجزیۃ والموادعۃ۔۔ الخ: ۳۱۵۹]

[۴]۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۹۰۲، ۳۸۵۱]

یہ بھی مشرکین کی گزشتہ استہزا آمیز بات کی تردید کا ایک حصہ ہے کہ اس آدمی سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے؟ جیسا کہ مسیلمہ کذاب، سجاح اور اسود عنسی وغیرہ نے کیا تھا۔

ظالم اور سرکش کون وہ ہوسکتا ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے اس کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی اترتی ہے ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گناہ گار نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے بلکہ عذاب ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

سیدنا عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں آئے تو لوگ آپ کی زیارت کے لیے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا، آپ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا، پاس گیا تو سب سے پہلے آپ کی زبان مبارک سے یہ سنا: "لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور راتوں کو لوگوں کی نیند کے وقت تہجد کی نماز پڑھا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔"[۱]

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا

۱۔[ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث أفشوا السلام: ۲۴۸۵۔ ابن ماجہ، کتاب الأطعمۃ، باب إطعام الطعام: ۳۲۵۱]

يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ فرما دیجیے کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اس کو آسمانوں اور زمین میں معلوم نہیں۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں۔

شان نزول: (آیت) "ویعبدون من دون اللہ

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ نضر بن حرث کہا کرتا تھا کہ قیامت کے روز لات اور عزی میں سفارش کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ محض نضر بن حرچ ہی کا نہیں تھا بلکہ اول تو تمام مشرکین یہی کہتے تھے کہ اور یہ بات فرض محال کے طور پر تھی کہ ایسا ہوگا نہیں، اگر بالفرض قیامت کے روز ہمیں زندہ کر کے اٹھایا بھی گیا تو یہ بت ہماری سفارش کریں گے۔ [١]

شرک کے آغاز کی روداد

مشرکوں کا خیال تھا کہ جن کو ہم پوجتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے اس غلط عقیدے کی قرآن کریم تردید فرماتا ہے کہ وہ کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے ان کی شفاعت تمہارے کچھ کام نہ

١۔ (روح المعانی ١٨٨۔١١)

آئے گی۔ تم تو اللہ کو بھی سکھانا چاہتے ہو گویا جو چیز زمین آسمان میں وہ نہیں جانتا تم اس کی خبر اسے دینا چاہتے ہو۔ یعنی یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک و کفر سے پاک ہے وہ برتر و بری ہے۔ سنو پہلے سب کے سب لوگ اسلام پر تھے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر حضرت نوح (علیہ السلام) تک دس صدیاں وہ سب لوگ مسلمان تھے۔ پھر اختلاف رونما ہوا اور لوگوں نے تیری میری پرستش شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے سلسلوں کو جاری کیا تاکہ ثبوت و دلیل کے بعد جس کا جی چاہے زندہ رہے جس کا جی چاہے مر جائے۔ چونکہ اللہ کی طرف سے فیصلے کا دن مقرر ہے۔ حجت تمام کرنے سے پہلے عذاب نہیں ہوتا اس لیے موت موخر ہے۔ ورنہ ابھی ہی حساب چکا دیا جاتا۔ مومن کامیاب رہتے اور کافر ناکام۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹

اور سب لوگ پہلے ایک ہی امت تھے پھر جدا جدا ہو گئے اور اگر ایک بات جو تمہارے رب کی طرف سے طے ہو چکی ہے، نہ ہوتی، تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔

اس کا معنی سورہ البقرہ میں پہلے گزر چکا ہے اور اعادہ کی ضرورت نہیں، اور زجاج نے کہا ہے: وہ عرب شرک پر تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر وہ بالغ ہونے کے وقت مختلف ہو جاتے ہیں۔ (آیت) ”ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون“۔ یہ قضاء وقدر کی طرف

اشارہ ہے، یعنی اگر اس کے حکم میں پہلے سے نہ ہوتا کہ وہ ان کے درمیان ان امور میں قیامت سے فیصلہ نہیں کرے گا جن ثواب وعقاب کے اعتبار سے وہ اختلاف کرتے ہیں تو ان کے درمیان دنیا میں فیصلہ کردیا جاتا، پس وہ مومنوں کو ان کے اعمال کے عوض جنت میں اور کافروں کو ان کے اعمال کے بدلے جہنم میں داخل کردیتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے کرتوتوں کا علم رکھنے کے باوجود پہلے ایک مدت مقرر ہے اور اس نے ان کے لیے جائے وعدہ قیامت کو بنا رکھا ہے۔ (۱)

امام عبدالرحمن ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح (علیہما السلام) کے درمیان دس صدیاں ہیں۔ یہ سب ہدایت پر تھے اور برحق شریعت پر تھے۔ پھر حضرت نوح (علیہ السلام) کی بعثت کے بعد ان کے درمیان اختلاف ہوا اور وہ پہلے رسول تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا ان کو اس وقت بھیجا گیا جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور انہوں نے حق کو ترک کردیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی جس سے حق پر استدلال کیا گیا۔ (۲)

﴿ وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ ۖ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی

۱۔(معالم التنزیل، سورہ یونس، جلد ۳، صفحہ ۱۴۶)

۲۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۷۲، رقم الحدیث: ۱۹۸۹، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

گئی، سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

مراد اہل مکہ ہیں، یعنی کیوں نہ نازل کی گئی ان پر کوئی آیت یعنی معجزہ جو اس معجزہ کے سوا ہوتا کہ وہ ہمارے پہاڑوں کو سونا بنا دے اور اس کے لیے انتہائی خوبصورت (سونے کا) گھر ہو اور ہمارے لیے انہیں زندہ کرے جو ہمارے آباء و اجداد میں سے مر چکے ہیں، اور ضحاکؒ نے کہا ہے: مراد عصا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا عصا تھا (یعنی ایسا معجزہ کیوں نہ نازل کیا گیا) (آیت) "فقل انما الغیب للہ"۔ یعنی آپ فرما دیجئے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیشک آیت کا نازل ہونا غیب ہے، (آیت) "فانتظروا"۔ پس تم انتظار کرو۔ (آیت) "انی معکم من المنتظرین"۔ بیشک میں بھی اس کے نازل ہونے کا تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں، اور یہ بھی کہا گیا ہے: حق کو باطل پر غالب کرنے کے بارے ہمارے درمیان تم اللہ تعالیٰ کا فیصلے کا انتظار کرو۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دور میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا نیچے آ گیا۔ آپ نے (ان لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے) فرمایا: "دیکھو! گواہ رہنا۔"[۱]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے آپ سے کہا کہ کوئی نشانی دکھاؤ تو آپ نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔[۲]

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وانشق القمر۔۔۔الخ):٤٨٦٤]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وانشق القمر۔۔۔الخ):٤٨٦٧]

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِيٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں، اے پیغمبران سے کہہ دیجیے کہ اللہ اپنی تدبیر میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ بیشک ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں جو چالیں تم چل رہے ہو۔

ایک دفعہ مکہ میں ایسا قحط پڑا کہ سات سالوں تک کوئی بارش نہ ہوئی۔ اشیائے خوردنوش نایاب ہوگئیں اور جب لوگ سخت مجبور ہو گئے تو انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دعا کے لیے عرض کی اور وعدہ کیا کہ اگر قحط سالی ختم ہوگئی تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا سے جب بارشیں ہونے لگیں اور قحط سالی دور ہوگئی، تو اب وعدہ کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ مسلمان ہو جاتے لیکن وہ اپنے کفر سے باز نہ آئے اور پھر پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں مکروفریب کرنے لگے۔ اس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیر کرنے میں زیادہ تیز ہے اگر وہ چاہتا تو تمہیں تمہارے مکروفریب کی فوراً سزا دے دیتا مگر وہ تمہیں غوروفکر کی مزید مہلت دیتا ہے تاکہ تم توبہ کرلو وگرنہ یادرکھو تمہارے ہر مکروفریب کو فرشتے نوٹ کر رہے ہیں اور قیامت کے دن تم اس کی سزا

سے نہ بچ سکو گے۔

سیدنا زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی۔ صبح کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز پڑھائی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور سوال کیا: "جانتے ہو رات کو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟" صحابہ نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے صبح اس حال میں کی ہے کہ کچھ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کچھ میرے منکر، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہمارے لیے بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستارے کا منکر اور جس نے کہا کہ فلاں ستارے کے فلاں جگہ آنے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرا منکر ہے اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے۔" (1)

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ۬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰى

1۔ [بخاری، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۸٤٦۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء: ۷۱]

اَنۡفُسِكُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

وہی اللہ ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں لے کر عمدہ ہوا کے ساتھ چل پڑتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں تو ان (کشتیوں) پر سخت تیز ہوا آجاتی ہے اور ان پر ہر جگہ سے موج آجاتی ہے اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ بیشک ان کو گھیر لیا گیا ہے، تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ہر عبادت کو اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں، یقیناً اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ہی شکر کرنے والوں سے ہونگے۔ (۲۲) پھر جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو پھر اچانک وہی لوگ بغیر کسی حق کے زمین میں سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے ہی نفسوں پر پڑنے والی ہے۔ تم دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتلادیں گے۔ (۲۳)

اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے تمہارے بری اور بحری سفر کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں اور اس نے پانی کے اندر بھی تمہیں اپنی حفاظت میں رکھا، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں اور جہازوں میں ہوتے ہو اور

ہوائیں ان کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی خوشی رفتاری پر تم خوش ہوتے ہو عین اس خوشی کے وقت ان کشتیوں کو تیز وتند طوفان گھیر لیتا ہے۔ اور ہر طرف سے موجیں ان کشتیوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور تمہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہوجاتا ہے تو اس وقت تم خالصا اعتقاد اور خلوص دل کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہو۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی صنم یاد آتا ہے اور نہ کوئی بت۔ اور کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے بچالیا تو ہم تیرے شکرگزار بن جائیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرلیتا ہے اور تمہیں اس شدید طوفان سے بچا کر صحیح وسلام کنارے پر پہنچادیتا ہے تو تم فوراً ہی زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہو گویا تم پر کبھی مصیبت آئی ہی نہ تھی، اے لوگو! تمہاری بغاوت وسرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ آخرکار تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتادیں گے کہ یہ تمہارے فلاں فلاں اعمال کا بدلہ ہے۔ (۱)

﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

۱۔(مظہری ۱۹، ۲۰۔ ۵۔ابن کثیر ۴۱۲، ۴۱۳۔ ۲)۔

لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ
مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۵﴾

دنیا کی زندگی کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے سبب سے زمین سے اگنے والی چیزیں سب گھنی ہو کر نکلیں کہ جن کو انسان اور چار پائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی آرائش کر لی اور ہری بھری ہو گئی اور زمین والوں نے گمان کر لیا کہ اب یہ ہمارے قابو میں ہے تو اچانک اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ گیا، پھر ہم نے اس کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔ (۲۵) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے۔ (۲۵)

دنیاوی زندگی کی بقا اور فنا کی حالت تو اسی طرح ہے جس طرح کہ ہم نے بارش برسائی جس سے زمین پر پھل اور دانے اور گھاس پھوس خوب گنجان ہو کر نکلے، یہاں تک جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور وہ نباتات سبز، سرخ اور پیلے ہو گئے اور کاشتکاروں نے سمجھ لیا کہ اب نباتات ان کے قبضہ میں آ گئی تو ایسی حالت میں ہماری طرف سے عذاب آ گیا جس طرح بکریاں اپنے پیروں سے روند کر

کاشتکاروں کی کھیتوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں تو ہم نے ایسا صاف کر دیا جیسا کہ وہ کل یہاں موجود ہی نہ تھی، جیسا کہ گرمیوں میں کھیتی کٹ جاتی ہے۔

ہم اسی طرح قرآن میں دنیا کے فانی ہونے کو واضح طور بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے جو امور دنیا و آخرت میں سوچتے ہیں۔

پہلی آیت میں ان لوگوں کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی جو دنیا کے چاہنے والے ہیں اور آخرت کی طرف سے بے پرواہ ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں مثال سبزہ کی دے کر ذہن نشین کیا کہ دنیوی زندگی ایک سبز باغ ہے اس کے حاصل کرنے کی فکر میں جب انسان اپنی عمر ضائع کر دیتا ہے اور اسے اتنا حاصل کر لیتا ہے کہ مطمئن ہو کر نشہ کامیابی میں بدمست ہو جاتا ہے تو مفاجتاً اسے موت آ کر گھیر لیتی ہے اور وہ حاصل شدہ فانی نعمتوں سے بے معنی لذتوں سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کف افسوس ملنے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مضامین اہل فکر کو اس لیے بتائے جاتے ہیں تا کہ وہ نفع حاصل کریں اور ظلمت شکوک و اوہام سے نجات پا کر اخروی مقام کی طرف رجوع ہوں اور اللہ تعالیٰ تو تمہیں دارالسلام کی طرف ہمیشہ دعوت دیتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی تمہارے ذہن نشین کر کے اس طرف کی راہنمائی کرتا ہے جو دوامی اور ابدی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں دارالاسلام سے مراد جنت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم خاص ہے کہ اپنے فضل سے تمہیں اس کی دعوت دے رہا ہے اور چونکہ ہدایت و ضلالت اس کے قبضہ میں ہے اس لیے فرمایا: "اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے"۔

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٦﴾

جن لوگوں نے بھلائی کی، ان کے لیے بھلائی بھی ہے اور مزید (کرم واحسان) بھی، ان کے چہروں پر نہ کسی سیاہی کا کوئی اثر ہوگا، اور نہ ہی کسی ذلت کا کوئی سوال، یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا

الطیالسی واحمد ومسلم والترمذی وابن ماجہ وابن خزیمہ وابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ والدارقطنی نے وابن مردویہ والبیہقی نے الاسماء والصفات میں صہیبؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (یہ آیت) ”للذین احسنوا الحسنی وزیادہ“ تلاوت فرمائی اور فرمایا جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہوجائیں گے اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا اے جنت والو! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے ایک وعدہ ہے کہ وہ ارادہ فرماتے ہیں کہ اس وعدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے جنت والے عرض کریں گے وہ کیا ہے؟ کیا آپ نے ہمارے نیک اعمال کے وزنوں کو بھاری نہیں کردیا ہمارے چہروں کو روشن نہیں کردیا ہم کو جنت میں داخل نہیں فرمادیا۔ اور ہم کو آگ سے دور نہیں ہٹادیا پھر ان کے لیے پردے کو ہٹادیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ کی طرف دیکھیں گے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی چیز عطا نہیں فرمائی جو ان کے نزدیک اس کے دیدار سے زیادہ محبوب ہو اور نہ ہی کوئی شے جو اس سے بڑھ کر ان کی آنکھوں کے لیے باعث ٹھنڈک ہو۔

الدارقطنی وابن مردویہ رحمہا اللہ نے صہیبؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ (آیت) ”وزیادۃ“ سے مراد ہے اللہ کی ذات کی طرف دیکھنا۔

ابن جریر وابن ابی حاتم والدارقطنی نے الرویۃ میں وابن مردویہ نے ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک آواز لگانے والے کو بھیجیں گے (وہ آواز دے گا) اے جنت والو! اور اس کی یہ آواز اتنی بلند ہوگی کہ جس کو ان کے اگلے اور پچھلے سب لوگ سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے الحسنی اور زیادہ کا وعدہ کیا ہے پس الحسنی تو جنت ہے اور زیادہ رحمن کے چہرہ کی طرف دیکھنا ہے۔

ابن جریر وابن مردویہ واللالکائی نے السنۃ میں بیہقی نے کتاب الرویہ میں کعب بن عجرہ ؓ سے روایت کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (آیت) ”للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ“ کے بارے میں فرمایا کہ الزیادۃ سے مراد ہے رحمن کے چہرہ کی طرف دیکھنا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷ ﴾

”اور جن لوگوں نے برے کام کیے، ہر برائی کا بدلہ اس جیسا ہی ہوگا اور ان پر ذلت

چھائی ہوگی، گویا ان کے چہروں پر رات کی تاریکیاں اوڑھا دی گئی ہیں، جو بہت سیاہ ہے انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز ان کے چہرے بے رونق نہ ہوں گے نہ ان پر پھٹکار ہوگی اور نہ سیاہی بلکہ ان کے چہرے روشن ہوں گے جن لوگوں نے کفر و شرک کیا، ان کے ساتھ عدل کیا جائے گا، کہ ان کے گناہوں کی سزا دوگنی، چوگنی نہیں کی جائے گی بلکہ برابر ہوگی۔ ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی، کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے مشرکوں کا گمان ہے کہ ان کے بت ان کو چھڑا لیں گے، نصاری کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ان کے گناہوں کا کفارہ ہوں گے سب ان کے باطل خیالات میں جن کا کوئی وجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر و شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا، جب تک کہ دنیا سے ایمان توحید نہ لے جائیں، ان کے چہرے اس قدر کالے ہوں گے گویا کہ ایک کالی چادر ان کے چہروں پر ڈھانک دی گئی ہے یہی لوگ اہل دوزخ ہیں، یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۱)

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

۱۔ (روح المعانی ۱۰۳۔۱۱)

شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ
تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم انہیں الگ الگ کردیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔(۲۸)(آج کے دن) ہمارے اور تمہارے درمیان بس اللہ ہی گواہ ہے،(وہ جانتا ہے کہ) ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔(۲۹) وہاں ہر شخص اپنے پہلے کیے ہوئے کاموں کو آزمائے گا اور سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور ان سے گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ باندھتے تھے۔ (۳۰)

قیامت کے روز جن وانس اور نیک و بد سب کو لا حاضر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہے گا کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور دیکھو کہ ہم تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ پھر ہم انکے اور ان کے شرکائی کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم ان کی پرستش کیوں

کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ان بتوں نے ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا فرمادے گا، اور ان سے ان کی عبادت کے بارے میں سوال کرے گا۔ وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ ہمیں تو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جمع کرے گا، پھر فرمائے گا کہ تم میں سے جو جس چیز کی پوجا کیا کرتا تھا وہ اس کے پیچھے لگ جائے، چنانچہ جو سورج کی پوجا کیا کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے ہو جائے گا، جو چاند کی پوجا کیا کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے ہو جائے گا اور جو بتوں کی پوجا کیا کرتا تھا وہ بتوں کے پیچھے لگ جائے گا۔"[1]

سو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ہمارے درمیان کافی گواہ ہے۔ وہاں ہر شخص اپنے کیے ہوئے اعمال کا نفع ونقصان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا سو جیسے اس کے اعمال ہوں گے وہ اس کو ویسے ہی مقام پر لے جائیں گے اچھے اعمال جنت میں لے جائیں گے اور بداعمال دوزخ میں لے جائیں گے اس وقت کافروں کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کفر وشرک کر کے انہوں نے بڑی غلطی کی کیونکہ اللہ تو وحدہ لاشریک ہے پھر سب مالک حقیقی کے فیصلے کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے حقیقت میں اللہ ہی ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے وہ باطل معبود مالک نہیں جن کو کافروں نے دنیا میں اپنے معبود بنا رکھا تھا، اس وقت وہ سب باطل معبودان کو ان کے حال پر چھوڑ کر غائب ہو جائیں گے۔

ا۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (وجوہ یومئذ ناظرۃ): ۷۴۳۷۔ مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ: ۱۸۲]

اس وقت ہر شخص اپنے بھیجے ہوئے اعمال (کے نتیجہ) میں مبتلا ہوگا۔ وہ سب اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو ان کا مالک حقیقی ہے اور وہ جو کچھ بہتان باندھتے رہے تھے وہ ان سے گم ہوجائیں گے (یونس:۳۰)

اس آیت کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے نتیجہ کی پیروی کرے گا، اگر اس کے نیک اعمال تھے تو وہ جنت کی طرف جائے گا اور اگر اس کے برے اعمال تھے تو دوزخ کی طرف جائے گا، دوسرا معنی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور اس کے مطابق اپنی جزا اور سزا کو جان لے گا۔ امام ابن جریرؒ نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ہر وہ قوم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پرستش کرتی تھی ان کے لیے ان کے معبودوں کو متمثل کر دیا جائے گا، وہ ان کے پیچھے جائیں گے حتی کہ وہ ان کو دوزخ میں داخل کر دیں گے۔ [۱]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

۱۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾

اے پیغمبران سے پوچھئے کہ تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کان اور آنکھوں کا مالک ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے، تو وہ جواب دیں گے، اللہ۔ تو ان سے کہئے کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں۔ (۳۱) پھر بھی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور ہے کیا؟ پس کدھر پھرے چلے جارہے ہو۔ (۳۲) اسی طرح ان نافرمانوں کے حق میں تیرے رب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۳۳)

اللہ کی الوہیت کے منکر

اللہ کی ربوبیت کو مانتے ہوئے اس کی الوہیت کا انکار کرنے والے قریشیوں پر اللہ کی حجت پوری ہو رہی ہے کہ ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں سے بارش کون برساتا ہے؟ پھر اپنی قدرت سے زمین کو پھاڑ کر کھیتی وباغ کون اگاتا ہے؟ دانے اور پھل کون پیدا کرتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ سب کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی۔ اس کے ہاتھ میں ہے چاہے روزی دے چاہے روک لے۔ کان آنکھیں بھی اس کے قبضے میں ہیں۔ دیکھنے کی سننے کی حالت بھی اسی کی دی ہوئی ہے اگر وہ چاہے اندھا بہرا بنا دے۔ پیدا کرنے والا وہی، اعضا کا دینے والا وہی ہے۔ وہ اسی قوت کو چھین لے تو کوئی نہیں دے سکتا۔ اس کی قدرت وعظمت

کو دیکھو کہ مردے سے زندے کو پیدا کر دے، زندے سے مردے کو نکالے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ ہر چیز کی بادشاہت اسی کے ہاتھ ہے۔ سب کو وہی پناہ دیتا ہے اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی متصرف و حاکم ہے کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا وہ سب پر حاکم ہے آسمان و زمین اس کے قبضے میں ہر تر و خشک کا مالک وہی ہے عالم بالا اور سفلی اسی کا ہے۔ کل انس و جن فرشتے اور مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے کس ہیں۔ ہر ایک پست و لاچار ہے۔ ان سب باتوں کا ان مشرکین کو بھی اقرار ہے۔ پھر کیا بات ہے جو یہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے۔ جہالت و غباوت سے دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ فاعل خود مختار اللہ کو جانتے ہوئے رب و مالک مانتے ہوئے معبود سمجھتے ہوئے پھر بھی دوسروں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہی ہے تم سب کا سچا معبود اللہ تعالیٰ وکیل ہے اس کے سوا تمام معبود باطل ہیں وہ اکیلا ہے بے شریک ہے۔ مستحق عبادت صرف وہی ہے۔ حق ایک ہی ہے۔ اس کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ پس تمہیں اس کی عبادت سے ہٹ کر اوروں کی عبادت کی طرف نہ جانا چاہیے یاد رکھو وہی رب العلمین ہے وہی ہر چیز میں متصرف ہے۔ کافروں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے، ان کی عقل ماری گئی ہے۔ خالق رازق متصرف مالک صرف اللہ کو مانتے ہوئے اس کے رسولوں کا خلاف کر کے اس کی توحید کو نہیں مانتے۔ اپنی بدبختی سے جہنم کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ (۱)

سیدنا عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا جنت کے لوگ جہنمیوں میں سے پہچانے جا چکے ہیں؟ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں!“ اس نے کہا کہ پھر

۱۔ تفسیر ابن کثیر

عمل کرنے والے عمل کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہر شخص اس کے واسطے عمل کرتا ہے جس کے واسطے وہ پیدا کیا گیا ہے، یا جس کے لیے اسے سہولت دی گئی ہے۔"[۱]

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان سے پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتدأ پیدا کرے اور پھر اس کو دوبارہ بنائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ تو تم کہاں پلٹے جا رہے ہو۔ (۳۴) آپ (ان مشرکین سے

۱۔ [بخاری، کتاب القدر، باب جف القلم علی علم اللہ: ۶۵۹۶]

پوچھیئے ! کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا جو رہنمائی نہیں کرتا ہے بلکہ محتاج ہے کہ اس کی رہنمائی کی جائے، تمہیں کیا ہو گیا ہے، کس طرح تم فیصلہ کرتے ہو۔ (۳۵) حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس وگمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں، حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ (۳۶)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان مکذبین سے پوچھیے کہ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے آسمانون اور زمین کو پیدا کیا ہو اور ان میں جو مخلوقات ہیں ان کو وجود میں لایا ہو یا وہ اجرام فلکی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے۔ یا ان کو بدل دے یا انہیں فنا کر دے پھر از سر نو دوسری مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم کسی کو پیش نہیں کر سکتے جو مذکورہ بالا امور کو انجام دے سکے، ان امور پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے پھر تم اس خالق عزوجل سے منہ موڑ کر مخلوق کو اس کی عبادت کا مستحق کیوں ٹھہراتے ہو۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے اور اسے زیبا نہیں کہ وہ مجھے گالی دے اور وہ میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ اس کے لیے یہ بھی زیبا نہیں۔ اس کا گالی دینا، اس کا یہ قول ہے کہ اللہ کی اولاد ہے اور اس کی

تکذیب، اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ مجھے پھر زندہ نہیں کرے گا، جیسے اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا۔“[۱]

آپ ان سے پوچھیے کہ تمہارے شرکاء میں سے کون ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی گمراہ کو راہ راست پر لانے پر قادر نہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کے قابل ہے یا وہ شخص جو خود دوسروں سے رہنمائی لینے کا محتاج ہو وہ اتباع کے قابل ہے۔ تمہارے عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم نے تو اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر بنا دیا۔ تم اللہ کو بھی مانتے ہو اور بتوں کو بھی اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ان میں سے اکثر اٹکل اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ بلا دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں پس جو بات حق ہے اس کے حاصل ہو جانے میں گمان ذرا بھی کار آمد نہیں اس لیے ان کا یہ گمان کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا، بلا شبہ اللہ ان کے اعمال و افعال سے خوب واقف ہے۔[۲]

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

۱۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ: (وھو الذی یبدأ الخلق ثم یعیدہ۔۔ الخ): ۳۱۹۳]

۲۔(ابن کثیر ۲، ۴۱۷۔ مواہب الرحمن ۱۳۹، ۱۴۳۔ ۱۱)

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ
تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا
يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کی (کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ (الہٰیہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے (نازل شدہ) ہے۔(۳۷) کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم سچے ہو۔(۳۸) بلکہ جس چیز کو وہ سمجھ نہ سکے اس کو جھٹلانے لگے اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں، اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے ہیں، پس دیکھو

کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا۔(۳۹) اور ان میں سے بعض اسے مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ اور تمہارا پروردگار ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔(۴۰)

قرآن مجید کی تعلیمات اور اس میں بیان کردہ احکام ایسے نہیں جن کو کوئی انسان گھڑ سکے کیونکہ یہ پہلی آسمانی کتابوں یعنی تورات وانجیل کی تصدیق کرتا ہے اور حلال وحرام کی تفصیل بیان کرتا ہے، لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب کائنات کی طرف سے نازل ہوا ہے لیکن پھر بھی اگر تمہیں اصرار ہے کہ قرآن کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود گھڑا ہے تو تم بھی اہل زبان ہو۔ وہ تو ایک ہے، تم ساری دنیا کے اہل زبان جمع کرلو اور اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھادو اور اگر تم سارے مل کر اس جیسی ایک سورت نہیں بنا سکتے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تنہا سارا قرآن کیسے بنا سکتے ہیں۔ بہر حال جس طرح ساری دنیا مل کر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے سورج اور چاند کے مقابلہ میں دوسرا سورج اور چاند نہیں بنا سکتی اسی طرح ساری دنیا مل کر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن جیسا کلام بھی نہیں بنا سکتی۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جتنے پیغمبر گزرے ہیں ان میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا ہے، جس کی مثل لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی (یعنی قرآن) ہے جس کو اللہ نے مجھ پر وحی (کے ذریعے نازل) کیا ہے، (اور یہ تمام معجزوں سے بڑا معجزہ ہے) پس مجھے امید ہے کہ میری امت کے لوگ قیامت کے روز تمام انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہونگے۔" [1]

بلکہ یہ کافر ایک ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ابھی تک انکو اس

۱۔[بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی:۴۹۸۱]

قرآن حکیم کی تکذیب کا جس سے انکو قرآن حکیم میں ڈرایا گیا ہے، آخری نتیجہ نہیں پہنچا جو کا فران سے پہلے ہوئے انہوں نے بھی اسی طرح آسمانی کتب اور رسولوں کو جھٹلایا تھا، جیسا کہ آپ کی قوم، آپ اور قرآن کریم کو جھٹلا رہے ہیں سو دیکھ لیجیے کہ ان مشرکین کا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا، کیسا برا انجام ہوا یا یہ کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی گئی ہے تا کہ کفار کی ایذا رسانی پر آپ صبر کریں اور اس کی وجہ سے غم گین اور پریشان نہ ہوں۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ: ارشاد فرمایا: (كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۔ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۔ وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ) [ق:١٢ تا ١٤] "ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنویں والوں نے اور ثمود نے۔ اور عاد اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے۔ اور درختوں کے جھنڈ والوں نے اور تبع کی قوم نے، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہوگیا۔" اور فرمایا: (وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۔ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۔ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا) [الفرقان: ٣٧ تا ٤٠] "اور نوح کی قوم کو بھی جب انھوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور انھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی (ہلاک کر دیا)۔ اور ہر ایک، ہم نے اس کے لیے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے تباہ کر دیا، بری طرح تباہ کرنا۔ اور بلاشبہ یقیناً یہ لوگ اس بستی پر آ چکے، جس پر بارش برسائی گئی، بری بارش، تو کیا وہ اسے دیکھا نہ کرتے تھے؟ بلکہ وہ کسی طرح اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے۔"

﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَـيْـــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٤﴾ ﴾

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ کہیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل، تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔ (۴۱) اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، جو سمجھ نہ رکھتے ہوں۔ (۴۲) اور بعض

ان میں سے وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو کیا بھلا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں گو وہ بصیرت بھی نہ رکھتے ہوں۔(۴۳) بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔(۴۴)

یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں، مطلب یہ ہے کہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے، سو وہ میں کر چکا ہوں، نہ تم میرے عمل کے ذمہ دار ہو اور نہ میں تمہارے عمل کا سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔ یہ وہی بات ہے جو "قل یا ایھا الکافروں لا اعبد ما تعبدون" میں ہے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ان الفاظ میں کہی تھی "انا برآء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم" بیشک ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے عقائد سے منکر ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کے بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔" (۱)

کفار کے ایمان نہ لانے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا

یونس: ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو قسمیں کی تھیں: بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض آپ پر

۱۔[مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ (علیہما السلام): ۲۶۵۳]

ایمان نہیں لائیں گے اور ان آیتوں میں ایمان نہ لانے والوں کی دو قسمیں کی ہیں: بعض وہ ہیں جو بغض وعناد کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس طرح نہیں ہیں، جو بغض وعناد کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں ان کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک وہ ہیں جو بہروں کی مانند ہیں کیونکہ جب انسان دوسرے انسان سے حد سے زیادہ بغض اور عناد رکھے تو وہ ہر اعتبار سے اس کی برائی کا طالب ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اس کی اچھائی سے اعراض کرتا ہے اور بہرا شخص کسی کی بات سن نہیں سکتا، اسی طرح سے یہ مشرکین بھی آپ کے کلام کے محاسن اور فضائل کا ادراک نہیں کرتے گویا کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا ہی نہیں، اور دوسری مثال یہ دی کہ یہ اندھوں کی مانند ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کمالات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں یہ ان کا ادراک نہیں کرتے گویا کہ یہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں اور جو لوگ بغض اور عداوت میں اس حد کو پہنچ چکے ہوں ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی اتباع کریں گے، سو اس آیت سے بھی مقصود یہی ہے کہ آپ کو تسلی دی جائے کہ اگر آپ کی تبلیغ سے یہ مشرکین اسلام قبول نہیں کرتے تو آپ غم اور فکر نہ کریں، آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے، کمی تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں میں ہے، بغض اور عداوت نے ان کو بہرا اور اندھا کر دیا ہے، یہ توجہ سے آپ کی بات سنتے نہیں، بصیرت سے آپ کو دیکھتے نہیں پھر اگر آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے تو اس میں کیا تعجب ہے! اس کے بعد فرمایا: اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو کفر، شرک اور بدکاریوں پر مجبور نہیں کیا، لوگ کود اپنے اختیار سے برے کام کرتے ہیں۔

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے

میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کر دیا ہے، (خبردار!) ایک دوسرے پر ہرگز ظلم نہ کرنا۔" اور اس حدیث قدسی کے آخر میں فرمایا: "اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جو میں تمہارے لیے شمار کر رہا ہوں، پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ عطا کروں گا، جو شخص خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو کسی اور صورت حال سے دو چار ہو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔" ①

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

اور جس دن وہ ان کو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی بھر دن آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بیشک سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور وہ راہ راست پر نہ آئے۔ (۴۵) اور اگر ہم اس میں سے

ا۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

کچھ حصہ آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں پس انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔(۴۶)

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ یہ دنیا نہایت سرعت سے ختم ہوجانے والی ہے اور اللہ تعالیٰ جس روز تمام لوگوں کو اکٹھا کرے گا' جس میں کوئی شک نہیں' تو ان کو یوں لگے گا گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی ٹھہرے ہیں اور ان پر کسی نعمت یا تکلیف کے دن نہیں گزرے۔ وہ ایک دوسرے سے اس طرح متعارف ہوں گے جس طرح وہ دنیا میں متعارف تھے۔اس روز متقی لوگ فائدے میں رہیں گے اور وہ لوگ نقصان اٹھائی گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا' وہ راہ راست پر گامزن ہوئے نہ دین قویم پر چلے' کیونکہ وہ نعمتوں سے محروم ہوں گے اور جہنم کے مستحق ہونگے۔

اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ان جھٹلانے والوں کے بارے میں غمزدہ نہ ہوں اور نہ ان کے بارے میں عجلت سے کام لیں' کیونکہ وہ عذاب ان پر ضرور نازل ہوگا جس کا ہم ان کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں' تو یہ عذاب دنیا میں نازل ہوگا اور آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور آپ کا دل ٹھنڈا ہوگا یا ان کے مرنے کے بعد انہیں آخرت میں اس عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا' انہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ فرمائے گا اس نے ان کے اعمال کو محفوظ کر رکھا ہے جبکہ انہوں نے فراموش کر دیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔اس آیت کریمہ میں کفار کے لیے سخت وعید ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے تسلی ہے جن کو ان کو قوم نے جھٹلایا اور ان سے عناد رکھا۔

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ ﴾

اور ہر ایک امت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ (۴۷) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ (۴۸)

یعنی گزشتہ زمانہ میں جتنی امتیں گزریں ان میں سے ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی رسول ضرور بھیجا گیا۔ لہذا روز قیامت جب ہر امت کے سامنے اسکا رسول آئے گا تو آمد اور رسول کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا چنانچہ سورہ بقرہ آیت 143 میں اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلی امتیں کہیں گی کہ ہمارے پاس تو کوئی رسول دین پہنچانے نہیں آیا تھا تب امت محمدیہ رسولوں کے حق میں گواہی دے گی کہ رسولوں نے اپنی اپنی امت تک اللہ کا دین پہنچایا تھا اور حضور فنن علیہ وسلم اپنی امت کی صداقت پر گواہی دیں گے، یوں امتوں اور ان کے رسولوں کے مابین فیصلہ کر دیا جائے گا۔

معلوم ہوا ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور بھیجا گیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن میں ہے: وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر "ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور گزرا ہے"۔ (فاطر: 24) ایک اور جگہ ارشاد ہوا: ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا۔ "اور ہم نے امت میں ایک رسول ضرورت بھیجا ہے"۔ (نمل۔ 36)

اگر کہا جائے کہ زمانہ فطرت میں کوئی رسول نہ ہوتا تھا جیسے قرآن میں: لتنذر قوما ما انذر آبائہم فھم غافلون (یس: ۶) تو اسکا جواب یہ ہے کہ زمانہ فطرت کے لئے اس سے پہلے والے رسول ہی کی رسالت جاری ہوتی ہے مگر جب اس کی تعلیمات مرور زمانہ کے ساتھ ختم ہو جائیں تو لوگوں کا صرف توحید پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور رسول کی رسالت کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے یہی تحقیق فرمائی ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ میں تو اپنے لیے بھی کسی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے ہاں ہر قوم کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آتا ہے تو ایک گھڑی

بھی دیر نہیں کر سکتے ہیں اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔(۴۹) آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے تو یا دن کے وقت آ جائے تو وہ کیا چیز ہے کہ مجرم لوگ اس سے جلدی چاہتے ہیں؟۔(۵۰) کیا جب عذاب نازل ہو جائے گا، تب اس پر ایمان لاؤ گے (فرشتے انھیں کہیں گے) اب مانے؟ حالانکہ تم ہی (اس کا انکار کر کے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ (۵۱) پھر ان ظالم لوگوں سے کہا جائے گا اب مزا چکھو دائمی عذاب کا، نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کماتے رہے۔(۵۲)

یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر عذاب آنے سے پہلے ہی تکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ مومن اس عذاب سے ڈرتے ہیں اور انہیں اس کے آنے کا یقین ہے اگرچہ ان کو اس کا مقررہ وقت معلوم نہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی طرح انسان ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنے لیے کسی قسم کا نفع حاصل کر سکوں یا کسی نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکوں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔اس لیے میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں میں تو اس کا بندہ ہوں اور تمہارے لیے اس کا قاصد ہوں میں صرف وہی کہتا ہوں جو مجھے بتایا جاتا ہے لہٰذا میں نے تمہیں خبر دی ہے کہ قیامت ضرور واقع ہو گی مگر اسکا وقت مجھے نہیں بتایا گیا، اللہ کے علم میں ہر امت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے تمہاری ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر ہے، پھر تم

جلدی کیوں کرتے ہو۔ جب تمہیں عذاب دینے کا مقررہ وقت آئے گا تو اس میں ذرا بھی تقدیم وتاخیر نہ ہوگی۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے پوچھیے کہ تم جو جلد عذاب آنے کی تمنا کر رہے ہو اگر وہ عذاب رات کے وقت جب کہ تم سوئے ہوئے ہو یا دن کے وقت جب تم اپنے کاروبار میں مصروف ہو تم پر اچانک آجائے تو اس وقت تم کیا کرو گے کیا تم اس وقت ایمان لے آؤ گے وہ ایمان لانے کا وقت نہیں ہوگا، پھر تم جلد عذاب آنے کی تمنا کیوں کرتے ہو، پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے تب تم اس پر ایمان لاؤ گے اور کہو گے کہ اب ہم خدائے واحد ویکتا کو مانتے ہیں اور باقی معبودوں سے منہ موڑتے ہیں لیکن اس وقت کا ایمان لانا ذرا کام بھی نہ آئے گا، اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ اب تم عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو، حالانکہ اس سے پہلے تو تم تکذیب وتمسخر کے طور پر اس کے جلد آنے کی تمنا کرتے تھے۔ سو اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو، جو تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ہے ۔(۱)

﴿وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾﴾

اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ بیشک وہ حق (اور ہو کے رہنے والی) ہے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

۱۔ (مظہری ۳۲،۳۳، ۵۔ابن کثیر ۴۲۰۔۲)

عذاب کی وعید کا برحق ہونا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو نقل فرمایا تھا: اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا ہوگا) اگر تم سچے ہو؟ (یونس: ٤٨) پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا تھا، پھر انہوں نے دوبارہ سوال کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے یہاں حکایت فرمائی ہے، اس سوال کا جواب بھی ان آیات کے سابقہ مضمون میں گزر چکا ہے جن میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے اور قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر براہین قائم کئے گئے تھے اور جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت ثابت ہوگئی تو ہر جس چیز کے وقوع کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی اس کا قطعی اور یقینی ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا: اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی جس نے تم کو عذاب سے ڈرایا ہے تم اس کو عذاب نازل کرنے سے عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہے تو نہ کوئی اس کو روک سکتا ہے نہ اس میں مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے اذن اور اس کی رضا کے بغیر کسی کی شفاعت کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کافر اور مشرک کو دائمی عذاب سے بچا سکتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس دن سے صور صاحب صور کے سپرد کیا گیا ہے، وہ تیاری حالت میں ہے اور (مسلسل) عرش کی طرف دیکھ رہا ہے (آنکھ تک نہیں جھپک رہا) اس ڈر سے کہ کہیں اس آنکھ جھپکنے کے دوران میں اسے صور پھونکنے کا حکم نہ دے دیا جائے، گویا کہ اس کی آنکھیں دو چمکدار موتی یا ستارے ہیں۔" [1]

۱۔[مستدرک حاکم: ٤/٥٥٨، ٥٥٩، ح: ٨٦٧٦، کتاب الأھوال لابن أبي الدنیا، ح: ٥٠ وموسوعۃ ابن أبي الدنیا: ٦/١٥٤، ١٥٥]

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور اگر ہر ظالم انسان کے قبضے میں وہ سب کچھ آجائے جو روئے زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنے فدیہ میں دے دے اور جب یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے مگر ان کے درمیان پورے انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا، کوئی ظلم ان پر نہ ہوگا۔ (۵۴) آگاہ ہو جاؤ! جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے سن لو! اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ (۵۵) وہی زندگی دیتا ہے اور وہی زندگی لیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۵۶)

جب کفار کو دائمی عذاب ہوگا تو اس وقت شرک جیسا ظلم کرنے والے لوگ تمنا کریں گے۔ اے کاش! اگر

ان کے پاس ساری زمین کے خزانے ہو تو وہ انھیں دے کر اپنی جانیں چھڑا لیں۔ اب کسی کے پاس اتنے خزانے نہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض ہو اور وہ انھیں اپنی جان چھڑانے کے لئے بطور فدیہ دے تو بھی اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا: فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھباً وّ لوافتدی بہ۔ "کفار میں سے کسی شخص سے قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ زمین سونے سے بھر کر بطور فدیہ پیش کرے۔" (آل عمران :91)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار روز قیامت دوسروں سے اپنا منہ چھپاتے پھریں گے یعنی مومنوں سے اور ان کافروں سے جنکو انھوں نے گمراہ کیا تھا اور ان کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جس کو جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ہوگا کہ اگر تیرے پاس دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، وہ سب ہوتا تو کیا تو اس کو فدیہ میں دے دیتا (اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑاتا)؟ وہ بولے گا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو اس سے بہت آسان بات چاہی تھی (جس میں کچھ خرچ نہ تھا) جب تو ابھی آدم کی پشت میں تھا کہ تو شرک نہ کرنا، میں تجھے جہنم میں داخل نہیں کروں گا، لیکن تو نے نہ مانا اور شرک کیا۔" (۱)

خالق کل عالم کل ہے

مالک آسمان و زمین مختار کل کائنات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے وعدے سچے ہیں وہ پورے ہو کر ہی رہیں

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب طلب الکافر الفداء: ۲۸۰۵]

گے۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ جلانے مارنے والا وہی ہے، سب باتوں پر وہ قادر ہے۔ جسم سے علیحدہ ہونے والی چیز کو، اس کے بکھر کر بگڑ کر ٹکڑے ہونے کو وہ جانتا ہے اس کے حصے کن جنگلوں میں کن دریاؤں میں کہاں ہیں وہ خوب جانتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ارشاد فرمایا: (قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ) [سبا:۲۲] ”کہہ دے! پکارو ان کو جنھیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔“ اور فرمایا: (يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ) [فاطر:۱۳] ”وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، ہر ایک ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے۔ یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے مالک نہیں۔“

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: ارشاد فرمایا: (وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڤ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ) [یونس:۵۳] ”اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کیا یہ سچ ہی ہے؟ تو کہہ ہاں! مجھے اپنے رب کی قسم! یقیناً یہ ضرور سچ ہے اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں ہو۔“

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا

فِي الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ
وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لیے شفا ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے (۵۷) آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (۵۸)

اے لوگو، قرآن کریم وعظ ونصیحت کا ایک دفتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ تمہارے پاس بھیجا ہے یہ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا بخش دوا ہے یہ شک وشبہ اور دلوں کی گندگی وناپاکی کو دور کر دیتا ہے، یہ برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے انجام سے خبردار کرتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے یہ قران مومنوں کو صحیح عقائد وافکار، جنت اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ دکھاتا ہے اہل ایمان ہی اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سینے کا دکھ ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں وشفاء لما فی الصدور۔ فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے روز) قرآن

پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور چڑھتا جا جس طرح دنیا میں تو ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل سے پڑھ کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔

آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے اس فضل ورحمت پر خوش ہو جائیں کیونکہ یہ اس مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں دنیا اور اس کا نفع قلیل ہے اور فانی ہے۔ جبکہ قرآن اور اس کا نفع کثیر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ (۱)

سیدنا عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو سر بلندی عطا کرتا ہے اور اس (سے اعراض کرنے) کی وجہ سے کچھ قوموں کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔" (۲)

سیدنا زید بن ارقم ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی کتاب میں ہدایت ہے، روشنی ہے، جس نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ ہدایت پر قائم ہو گیا اور جس نے اس سے غفلت برتی وہ گمراہ ہو گیا۔" نیز ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "یہ اللہ کی رسی ہے، جس نے اس کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوگا۔" (۳)

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا

۱۔(تفسیر ابن کثیر، مظہری ٣٤، ٣٥ ـ ٥ ـ روح المعانی ١٣٩، ١٤١ ـ ١١ ـ مسند احمد ٣٩٥، ٢، ترمذی ابواب فضائل قرآن)

۲۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن: ٨١٧]

۳۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن أبی طالب (رض): ٣٦، ٣٧/ ٢٤٠٨]

ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہو، بتاؤ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا تو تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال ۔ پوچھو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔(۵۹) اور جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ قیامت کے دن کو کیا گمان کرتے ہیں بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۔(۶۰)

حلال وحرام قرآن بتلاتا ہے

یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء اور ہدایت ورحمت بن کر آیا ہے وہ ہی استناد اور تمسک کرنے کے لائق ہے۔ احکام الٰہیہ کی معرفت اور حلال وحرام کی تمیز اسی سے ہوسکتی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انتفاع کے لیے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء واہواء سے اس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرالیا۔ بھلا تحلیل وتحریم کا تم کو کیا حق ہے؟ کیا تم یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ (تنبیہ) جن چیزوں کو حلال وحرام کیا تھا، ان کا مفصل تذکرہ "مائدہ" اور "انعام" میں گزر چکا۔

رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے

اَنْزَلَ اتارا' یعنی پیدا کیا۔ تخلیق کو اتارنا فرمایا کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق بالائی ذریعہ یعنی بارش سے ہوتی ہے اور بارش اوپر ہی سے اترتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ نے پیدا کی جانے والی چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اب تحریر لوح کے مطابق تخلیق رزق ہوتی ہے' گویا رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے۔ رزق سے مراد ہے کھیتی یا مویشی دودھ والے۔ لَکُمْ کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لیے حلال بنائی تھیں مگر تم نے (از خود) ان میں سے کسی کو حلال بنا لیا اور کسی کو حرام۔

آخر میں فرمایا (اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں) حلال کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام و حلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدردانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفران نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفران نعمت میں معصیت اور کفر و شرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا

يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَآ اَكۡبَرَ اِلَّا فِيۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٦١﴾

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور قرآن سے جو بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے مسلمانو!) تم جو کام بھی کرتے ہو ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جس وقت تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔ اور تمہارے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی مگر کتاب روشن میں لکھی گئی ہے۔

اس آیت میں پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کے سرگروہ ہیں اس کے بعد آپ کے عظیم الشان عمل کا ذکر ہے کہ آپ قرآن کا جو حصہ بھی پڑھتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے پھر سب لوگوں کو خطاب ہے اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ذکر ہے۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ جس شان و حال میں ہوتے ہیں اور جو کچھ قرآن آپ پڑھتے ہیں اور تبلیغ و نصیحت فرماتے ہیں اور جو کچھ کام تم لوگ کرتے ہو وہ سب ہم کو معلوم ہیں، ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اللہ تعالیٰ تمام امت اور مخلوق کے تمام احوال سے ہر لحہ اور ہر آن واقف ہے آسمانوں اور زمین کے اندر کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز ایسی نہیں جس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہ ہو، بحر و بر کے

غیب وہی جانتا ہے، ایک پتہ بھی ٹوٹ کر کہیں گرتا ہے یا رات کی تاریکیوں میں کہیں کوئی ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز خشک ہو یا تر، اچھی ہو یا بری، اس کو سب کا علم ہے۔ وہ اشجار و جمادات اور حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں ہوا میں جتنے پرندے اڑتے ہیں، سب کے رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ [1]

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٢ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝٦٣ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٦٤ؕ ﴾

آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ غم گین ہونگے۔ (٦٢) جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔ (٦٣) ان کے لیے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ (٦٤)

امام ابن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے معنی میں لکھتے ہیں: سنو! اللہ (کے دین) کے مددگاروں

۱۔ (تفسیر ابن کثیر ٢-٤٤٢)

کو آخرت میں اللہ کے عتاب کا خوف نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور اس نے ان کو اپنے عتاب سے محفوظ رکھا، اور نہ ان کو دنیا کے فوت ہوجانے کا کوئی غم ہوگا، اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا معنی ہے نصیر یعنی مدد کرنے والا۔ [۱]

ولی کا اصطلاحی معنی علامہ مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ ھ لکھتے ہیں: ولی وہ مومن کامل ہے جو عارف باللہ ہوتا ہے دائمی عبادت کرتا ہے، ہر قسم کے گناہوں سے مجتنب رہتا ہے، لذات اور شہوات میں انہماک سے گریز کرتا ہے۔ [۲]

تقویٰ دراصل اتباع سنت کا نام ہے اور متبع سنت ہی دراصل اللہ تعالیٰ کا ولی ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کا حال پوچھنے آئے، جب ان سے آپ کی عبادت کا تذکرہ کیا گیا تو انھوں نے آپ کی عبادت کو (اپنے لیے) کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا مقابلہ! آپ کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کردی گئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا (اور کبھی) افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے ہمیشہ الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ (اسی اثنا میں) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے اور فرمایا: "کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ اللہ

۱۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۱۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۵ ھ)

۲۔ (شرح المقاصد ج ۵ ص ۷۳۔۷۲، مطبوعہ منشورات الرضی ایران، ۱٤۰۹ ھ) حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں: ولی سے مراد وہ شخص ہے جو عالم باللہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دائمی عبادات کرتا ہو۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳٤۲، مطبوعہ لاہور، ۱٤۰۱ ھ، ایضًا عمدۃ القاری جز ۲۳ ص ۸۹، مطبوعہ مصر)

کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے بہ نسبت تمھارے بہت زیادہ ڈرنے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں، لیکن پھر بھی روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ (یاد رکھو!) جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔“ (۱)

سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو نبی ہوں گے نہ شہید، مگر قیامت کے روز اللہ کے ہاں (بلند) مراتب و منازل کی وجہ سے انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔“ صحابہ نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہمیں بتائیں وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں اللہ کی کتاب (یا اللہ کے ساتھ محبت) کی بنا پر محبت کرتے تھے، حالانکہ ان کا آپس میں کوئی رشتہ ناتا یا مالی لین دین نہ تھا۔ اللہ کی قسم! ان کے چہرے نور (یعنی روشن) ہوں گے اور وہ لوگ نور پر ہونگے، جب لوگ خوف زدہ ہو رہے ہوں گے تو انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جب لوگ غم گین و پریشان ہو رہے ہونگے، تو انھیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی۔“ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: (اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ) [یونس:٦٢] ”سن لو! بیشک اللہ کے دوست، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہونگے۔“ (۲)

آخر آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء کے لیے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوشخبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ کے پاس لے جایا جائے گا اس وقت اس کو خوشخبری جنت کی ملے گی پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت جنت کی خوشخبری دی جائے گی جیسا

۱۔[بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح:٥٠٦٣]

۲۔[أبوداؤد، کتاب البیوع، باب فی الرھن:٣٥٢٧۔ مسند أبی یعلٰی:٦١١٠۔ السنن الکبریٰ للنسائی:١١٢٣٦]

کہ طبرانی نے بروایت ابن عمر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اہل لا الہ الا اللہ کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی نہ قبر میں اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، گویا میری آنکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ، یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا۔

اور دنیا کی بشارت کے متعلق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں جو انسان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے جن میں ان کے لیے خوشخبری ہو۔ [۱]

﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۶۶ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۷ ﴾

اور آپ رنج نہ کریں ان کی بات سے بیشک عزت تو سب اللہ ہی کے لیے ہے وہی

۱۔ (رواہ صحیح البخاری عن ابی ہریرہ)

ہے سننے والا جاننے والا۔(٦٥) بیشک اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور نہیں اتباع کرتے ان کا جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو بلکہ محض گمان کی پیروی کررہے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں۔(٦٦) اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور سے سنتے ہیں۔(٦٧)

عزت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہے

ان مشرکوں کی باتوں کا کوئی رنج وغم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ سے ان پر مدد طلب کر اس پر بھروسہ رکھ، ساری عزتیں اسی کے ہاتھ میں، وہ اپنے رسول کو اور مومنوں کو عزت دے گا۔ وہ بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے وہ ان کی حالتوں سے پورا خبردار ہے۔ آسمان وزمین کا وہی مالک ہے۔ اس کے سوا جن جن کو تم پوجتے ہو ان میں سے کوئی کسی چیز کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا کوئی نفع نقصان ان کے بس کا نہیں۔ پھر ان کے عبادت بھی محض بے دلیل ہے۔ صرف گمان، اٹکل، جھوٹ اور افترا ہے۔ حرکت، رنج وتعب، تکلیف اور کام کاج سے راحت وآرام سکون واطمینان حاصل کرنے کے لیے اللہ نے رات بنادی ہے۔ دن کو اس سے روشن اور اجالے والا بنادیا ہے تاکہ تم اس میں کام کاج کرو۔ معاش اور روزی کی فکر، سفر تجارت، کاروبار کرسکو، ان دلیلوں میں بہت کچھ عبرت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو ان

آیتوں کو دیکھ کر ان خالق کی عظمت و جبروت کا تصور باندھتے اور اس خالق و مالک کی قدر عزت کرتے ہیں۔

سیدنا زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں تھا کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں کو خرچ و خیرات وغیرہ نہ دو، یہاں تک کہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں اور یہ کہ اگر ہم اس لڑائی سے لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (یعنی ہم انھیں نکال دیں گے۔) میں نے یہ بات اپنے چچا کو یا سیدنا عمر (رض) کو بتائی تو انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے مجھے بلوایا، تو میں نے جو بات سنی تھی وہ کہہ دی۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلوایا، (ان سے پوچھا تو) وہ حلف اٹھا گئے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا۔ چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے جھوٹا قرار دے دیا اور اس کی تصدیق فرمادی۔ مجھے ایسا رنج ہوا کہ کبھی نہ ہوا ہوگا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ رہا، میرے چچا نے کہا کہ میرا خیال نہیں تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھاری تکذیب کریں گے اور تم پر ناراض ہوں گے؟ چنانچہ اس وقت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہ آیت نازل ہوئی: (اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ)[المنافقون:١] نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے بلایا (اور سورہ منافقون پڑھ کر سنائی) آپ نے فرمایا: ”اے زید! تم کو اللہ نے سچا کر دیا۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سکون کے لیے رات بنائی ہے اور ان کی محنت و مشقت اور کسب معاش کے

١۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ (إذا جائک المنافقون۔۔الخ):٤٩٠٠۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین وأحکامھم، باب صفات المنافقین۔۔الخ:٢٧٧٢]

لیے روشن دن بنایا ہے وہ رات کو سکون کرتے اور صبح تازہ دم ہو کر کارزار حیات میں قدم رکھتے ہیں۔ اس میں سننے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں کہ وہ ایسے مدبر اور قوی رب کو چھوڑ کر بے حس وحرکت بتوں کے آگے کیوں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا رات کو جلد سونا چاہیے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ سے اشارہ ملا کہ جب رات آرام وسکون کے لیے بنائی گئی ہے تو رات گئے تک ٹیوی ڈراموں اور فلموں کے دیکھنے میں وقت برباد کرنا اور بارہ بجے کے بعد جا کر سونا، پھر دن کا ابتدائی مبارک حصہ سو کر گزارنا اور دن چڑھے اٹھنا سخت بدبختی ہے۔ اسی لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز عشاء کے بعد گفتگو میں مصروف ہونے کو برا جانتے اور اس پر سرزنش فرماتے تھے۔ [1]

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ؑ

(کافر) کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے وہ پاک ہے وہی بے نیاز ہے، اسی کے واسطے

۱۔ (ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب 12)

ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے، تمہارے پاس (اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے) اس بات کی کوئی دلیل ہے؟ اللہ پر ایسی باتیں کیوں لگاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔(۶۸) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیجئے: بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔(۶۹) ان کے لیے بس دنیا میں چند روزہ فائدہ اٹھالینا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی، پھر ہم اس کفر کی پاداش میں جو وہ کیا کرتے تھے ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(۷۰)

عیسائیت کا رد

اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی پر طور مسیح کو خدا کا (معاذ اللہ) صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی خداوند قدوس بالبداہۃ بیوی بچوں سے پاک ہے، اور اگر بیٹے سے مراد متبنی ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متبنی بنائے۔ کیا معاذ اللہ اسے اولاد کی حسرت اور بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ یا یہ فکر تھی کہ اس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اس کا نام روشن رکھنے والا کون ہوگا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب ہر وقت اس کے محتاج ہیں، اسے بیٹے پوتے یا متبنی وغیرہ کی احتیاج کہاں ہوسکتی ہے؟ سب چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں، پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا

کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند باتیں کہی جائیں۔

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل جہنم میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھا، پس اسے دوزخ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے دنیا میں کبھی آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی چین کا کوئی لمحہ بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں۔" (۱)

ہر وہ چیز جس سے کسی قسم کا نفع حاصل کیا جائے اسے متاع ومتعۃ کہا جاتا ہے اس معنی کے لحاظ آیت کریمہ: وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ [یوسف/65] جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا۔ میں غلہ کو متاع کہا ہے اور بعض نے غلہ کے تھیلے یا بوریاں مراد لیے ہیں اور یہ دونوں متاع میں داخل اور باہم متلازم ہیں کیونکہ غلہ ہمیشہ تھیلوں ہی میں ڈالا جاتا ہے۔

۞ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أہل الدنیا فی النار۔۔الخ:۲۸۰۷]

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی
الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ
فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا
كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !) آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ بڑھ کر سنایئے جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم ! اگر تم کو میرا (وعظ و تبلیغ میں) رہنا اور اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں پس تم اپنے شرکاء کو بھی ساتھ کرلو، پھر تمہاری تدبیر کسی حیثیت سے بھی تمہارے لیے مخفی نہ رہے، پھر میرے ساتھ اسے کر گزرو، اور مجھے مہلت نہ دو۔ (۷۱) پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا

گیا ہے کہ میں مسلم ((فرماں بردار) بن کر رہوں۔(۷۲) لیکن ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اور جو لوگ کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچالیا۔ اور انہیں زمین میں خلیفہ بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا، تو دیکھو جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیسا انجام ہوا۔ (۷۳) پھر ہم نے ان کے بعد بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کے پاس بھیجا، جو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، لیکن وہ اس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے اسی طرح ہم حدود سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں۔(۷۴)

نوح (علیہ السلام) کی قوم کا کردار

ان آیات میں حضرت نوح (علیہ السلام) کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے تفصیل کے ساتھ آئندہ سورہ ھود اور سورہ نوح میں مذکور ہے۔ نیز سورہ اعراف (رکوع ۸) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورہ اعراف کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں اور سورہ ہود (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کر لیں۔

حضرت نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال قیام فرمایا ان کو طرح طرح سے سمجھایا توحید کی دعوت دی شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور

دشمنی پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا (لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ) (کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کئے جانے والے آدمیوں میں سے ہو جاؤ گے) حضرت نوح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو) سب مل کر میرے خلاف منصوبے بنا لو اور ایسا منصوبہ ہو جو ڈھکا چھپا نہ ہو پھر تم اپنے اس منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لیے جو چاہو فیصلہ کر لو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے تو جس نفع کی امید ہے وہ حاصل نہ ہوگا تم اگر روگردانی کرو اور اپنے اعراض پر باقی رہو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرماں برداروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھٹلاتے رہے اور انہوں نے صاف کہہ دیا (فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ) (کہ جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح (علیہ السلام) نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ (فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ) اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا، وہ اپنے کفر پر جمے رہے اور ہلاک ہوئے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: " بیشک اللہ

عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے (اس کی باگ ڈھیلی کرتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کرلے اور عذاب کا مستحق ہو جائے)، پھر جب پکڑتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کے بعد ہود، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب (علیہ السلام) کو ان کی قوموں کی طرف معجزے اور شریعتیں دے کر مبعوث کیا، لیکن چونکہ کفار کی فطرت میں کجی تھی اور حق و صداقت کو جھٹلانا ان کی دیرینہ عادت تھی، اس لیے جب اللہ نے خاص طور سے ان میں سے ہر ایک کے لیے نبی بھیجا تو انھوں نے اس کی تکذیب کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبا پڑ جاتا ہے، پھر اگر وہ گناہ چھوڑ دے، استغفار کرے اور توبہ کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو دھبا بڑھ جاتا ہے، حتیٰ کہ دل پر چھا جاتا ہے۔“[2]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کے دن لوگ نوح (علیہ السلام) کے پاس سفارش کی درخواست لے کر جائیں گے۔ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”وہ ان سے کہیں گے کہ آپ پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا۔“[3]

سیدنا ابو امامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ آیا

---

[1] ۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

[2] ۔[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ویل للمطففین: ٣٣٣٤]

[3] ۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (ولقد أرسلنا نوحا إلی قومہ): ٣٣٤٠۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أہل الجنۃ منزلۃ فیہا: ١٩٤]

آدم (علیہ السلام) پیغمبر تھے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی فرمایا تھا۔“ وہ پھر پوچھنے لگا کہ سیدنا آدم (علیہ السلام) اور سیدنا نوح (علیہ السلام) کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ”دس صدیاں یا نسلیں۔“ (١)

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٦﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٧﴾ ﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ (٧٥) پھر جب ہماری طرف سے حق ان کے سامنے آیا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ (٧٦) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس حق آیا تو کیا تم اس کے بارے یہ کہتے ہو کہ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں

١۔ [مستدرک حاکم: ٢/٢٦٢، ح: ٣٠٣٩]

ہوا کرتے۔(۷۷)

فرعون اور اس کے درباریوں کے قول میں تعارض کا جواب

ان آیتوں کا معنی بالکل واضح ہے، صرف یہ بات وضاحت طلب ہے کہ آیت: ۷۶ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ بیشک یہ تو ضرور کھلا ہوا جادو ہے اور آیت: ۷۷ میں ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ تم نے حق (معجزہ) کو دیکھ کر یہ کہا کیا یہ جادو ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا یہ جادو ہے؟ یہ فرعون اور اس کے درباریوں کا قول نہیں ہے بلکہ ان کا قول محذوف ہے اور وہ یہ ہے تم وہ کہتے ہو جو کہتے ہو اور پورا مفہوم یوں ہے موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے متعلق وہ کہتے ہو جو کہتے ہو؟ اس کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بطور انکار فرمایا: کیا یہ جادو ہے؟ پھر اس معجزہ کو جادو قرار دینے کا بطلان فرمایا: یہ جادو کیسے ہو سکتا ہے، جادو کرنے والے تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور اللہ نے مجھے کامیاب فرمایا ہے، جادو کرنے والے تو نظر بندی کرتے اور ملمع کاری کرتے ہیں اور لاٹھی کو سانپ بنا دینا اور ید بیضا نظر بندی یا ملمع کاری نہیں ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ
لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ
اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور اس ملک میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے اور ہم تو تم دونوں کی بات کبھی ماننے والے نہیں۔(۷۸) جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو۔(۷۹) اور فرعون نے کہا میرے پاس ہر ماہر فن جادوگر لے کر آؤ۔ (۸۰) جب انہوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو ڈالا، تو موسیٰ نے کہا "جو چیزیں تم بنا کر لائے ہو، جادو ہے۔ اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا۔ بیشک اللہ مفسدوں کا کام درست نہیں کرتا۔(۸۱) اور اللہ تو حق کو حق ثابت کرتا ہے اپنے کلمات سے' خواہ مجرم ناپسند کریں۔(۸۲)

آل فرعون کے بیان کردہ دو عذر

اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت اور پیغام کو قبول نہ کرنے کے دو سبب بیان کیے: ایک یہ کہ ہم اس دین کو ترک نہیں کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو عمل کرتے ہوئے پایا، انہوں نے دلائل ظاہرہ کے مقابلہ میں اندھی تقلید کو ترجیح دی اور اس پر اصرار کیا اور دوسرا سبب یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ملک مصر میں اپنی بڑائی، اپنا تسلط اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں کیونکہ جب مصر کے رہنے والے ان کے معجزات کو دیکھ کر ان پر ایمان لے آئیں گے تو پھر سب ان ہی کے مطیع اور فرماں بردار ہونگے۔ انہوں نے پہلے اندھی تقلید سے استدلال کیا اور اس کے بعد اس سے کہ مصر کی حکومت کو وہ اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے اور پھر صراحتاً کہہ دیا کہ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی قوم نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ کا جادو کے زور سے معارضہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر کردیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے جو معجزہ پیش کیا تھا وہ دراصل جادو کی قسم سے ہے پھر فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا تو ان سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا تم پیش کرو جو کچھ تم پیش کرنا چاہتے ہو!

جادو کا حکم دینے کی وجہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ معجزہ کا جادو سے مقابلہ کرنا کفر ہے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو کفر کا حکم کس طرح دیا؟ جبکہ کفر کا حکم دینا بھی کفر ہے! اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکنے کا اس لیے حکم دیا تھا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے جو کچھ جادوگروں نے پیش کیا ہے وہ عمل فاسد اور سعی باطل ہے اور جادوگروں کا یہ عمل حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ کے اظہار کا ذریعہ بنا، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو فی نفسہ جادوگروں کا عمل مطلوب نہیں تھا

بلکہ ان کا عمل اس لیے مطلوب تھا کہ وہ ان کے عمل کی ناکامی اور نامرادی اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ کے اظہار اور سرفرازی کا سبب بنے۔ جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال دیں تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: تم نے جو بھی عمل کیا وہ محض باطل جادو ہے اور یہ اس لیے فرمایا کہ جادوگروں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا آپ نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے، اس لیے اس موقع پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ جادو ہے اور وہ محض ملمع کاری ہے جس کا بطلان ابھی ظاہر ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے گا، اللہ تعالیٰ نے باقی سورتوں میں یہ بیان کر دیا ہے کہ اس نے جادو کو کس طرح باطل فرمایا کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا عصا اژدہا بن کر ان تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا گیا تھا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

پس موسیٰ (علیہ السلام) پر کوئی ایمان نہ لایا مگر ان کی قوم کے چند لڑکے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ وہ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں اور بیشک فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور بیشک وہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا ۔(۸۳) اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم اسلام رکھتے ہو۔ (۸۴) تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم کو ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال ۔(۸۵) اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما۔ (۸۶)

ربط آیات اور فرعون کے واقعہ سے نبی ﷺ کو تسلی دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عظیم معجزات پیش کیے اور ان کا عصا جادوگروں کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو کھا گیا، یہ ایسا عظیم حسی معجزہ تھا جس کو تمام لوگوں نے اپنی جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا، اس کے باوجود حضرت موسیٰ کی قوم کی بعض اولاد کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لایا، اس آیت میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی ہے کہ آپ کفار مکہ کے اعراض کرنے اور کفر پر اصرار کرنے پر غم نہ کریں کیونکہ تمام انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے کہ ان کی پیہم تبلیغ اور بکثرت معجزات دکھانے کے باوجود معدودے چند افراد ہی ایمان لاتے ہیں، سو

اگر آپ کی مسلسل تبلیغ کے باوجود چند افرد نے ہی اسلام قبول کیا ہے تو اس پر غم نہ کریں، آپ اس معاملہ میں تمام انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ منسلک ہیں۔

باوجود یکہ حضرت موسیٰ نے جادوگروں کے جادو کو ملیا میٹ کر کے اپنی صداقت کی نشانیاں اور معجزات پیش کیے قوم فرعون میں سے چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی یہ چند لوگ بھی فرعون اور اس کے اراکین سلطنت سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں یہ لوگ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ قومہ کی ضمیر موسیٰ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون کے خوف کے سبب بنی اسرائیل میں سے بوڑھے لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نوجوان ذریت، حضرت موسیٰ پر ایمان لائی، بیشک فرعون بڑا عیار اور سرکش تھا اور حد سے بڑھا ہوا تھا اسی لیے اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع ونقصان کا مالک وہی ہے تو تم اسی پر بھروسہ رکھو، وہ تمہیں دشمن کے فتنے سے ضرور بچائے گا فرعون اور اس کے آدمیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، چونکہ یہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے پیروکار تھے اس لیے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، پھر انہوں نے دعا کی اے اللہ، ہم پر ان ظالموں کو مسلط نہ کر اور نہ ہمیں اپنے عذاب میں مبتلا کر ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ ہم ان پر غالب آتے، اے اللہ ہمیں اپنی رحمت و مہربانی سے اس کافر قوم سے نجات دے۔

﴿ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰى وَاَخِيۡهِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ

بُيُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۷﴾

”اور ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھروں کو منتخب کرلو اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ کرو، اور نماز قائم رکھو، اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ۔

قوم فرعون سے بنی اسرائی کی نجات

بنی اسرائیل کی فرعون اور فرعون کی قوم سے نجات پانا، اس کی کیفیت بیان ہو رہی ہے دونوں نبیوں کو اللہ کی وحی ہوئی کہ” اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بنالو۔ اور اپنے گھروں کو مسجدیں مقرر کرلو۔ اور خوف کے وقت گھروں میں نماز ادا کرلیا کرو“۔ چنانچہ فرعون کی سختی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس لیے انہیں کثرت سے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا۔ یہی حکم اس امت کو ہے کہ ایمان دار وصبر اور نماز سے مدد چاہو۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ ہوتی فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں بھی حکم ہوتا ہے کہ اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو، اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان مومنوں کو تم بشارت دو انہیں دار آخرت میں ثواب ملے گا اور دنیا میں ان کی تائید ونصرت ہوگی۔ اسرائیلیوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ فرعونیوں کے سامنے ہم اپنی نماز اعلان سے نہیں پڑھ سکتے تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے گھر قبلہ رو ہو کر وہیں نماز ادا کر سکتے ہو اپنے گھر آمنے سامنے بنانے کا حکم ہو گیا۔

عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: بنواسرائیل نماز پڑھنے میں فرعون اور اس کی قوم سے ڈرتے تھے تو ان کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنالو یعنی اپنے گھروں کو مسجد بنالو اور ان میں نماز پڑھو۔ [۱]

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بنواسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ ہم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ فرعونیوں پر ظاہر کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اجازت دی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں کو قبلہ رو بنائیں۔ [۲]

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قبلہ سے مراد کعبہ ہے جب حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین کو اپنے معابد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے فرعون کا خوف ہوا تو ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں قبلہ رو مساجد بنائیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے خفیہ طریقہ سے نماز پڑھیں۔ [۳]

﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٨٨﴾ قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۷۷۱،مطبوعہ دار الفکر بیروت،۱۴۱۵ھ)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۷۸۰،مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۳۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۷۸۳،مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَٰنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

اور موسیٰ نے دعا مانگی، اے ہمارے رب، تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (طرح طرح کے سامان) زینت (وآرائش) اور مال ودولت سے نواز رکھا ہے (تو کیا یہ اس لیے ہے) اے ہمارے رب، کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بھٹکائیں؟ اے ہمارے رب، ان کے مالوں کو برباد کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے تا کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو دیکھ نہ لیں۔(۸۸) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی، تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔(۸۹)

موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان کی ہزار کوشش کے باوجود فرعون اور اس کے سرداروں کے کبر وغرور میں کمی نہیں آئی اور ان کا کفر وعناد بڑھتا ہی جارہا ہے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو انھوں نے ان کے خلاف بددعا کردی اور کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس لیے تو اسباب زینت اور مال ودولت نہیں دی تھی کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے روکیں۔ اے اللہ! تو ان کی دولت کو تاراج کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے، تا کہ اب وہ اسلام لانے کا سوچیں بھی نہ، یہاں تک کہ تیرا سخت عذاب انھیں آدبوچے۔

ضحاکؒ نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے دراہم اور دنانیر منقوش پتھر بن گئے تھے۔ [۱]

اور انہوں نے اپنی دعا میں کہا: ”اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں“ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ وہ ایمان نہ لاسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔“ اس کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون (علیہ السلام) آمین کہتے تھے اور جو شخص کسی کی دعا پر آمین کہے وہ بھی دعا کرنے والا ہے اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دونوں نے دعا کی ہو۔ [۲]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں ثابت قدم رہنا یعنی رسالت پر اور تبلیغ دین پر اور دلائل قائم کرنے پر ثابت قدم رہنا، ابن جریج نے کہا اس دعا کے بعد فرعون چالیس سال زندہ رہا۔ [۳]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی، ہم عنقریب ان کو اور ان کے اموال کو ہلاک کرنے والے ہیں، دعا صرف حضرت موسیٰ نے مانگی تھی، اور حضرت ہارون اس پر آمین کہتے جاتے تھے اس لیے یہ آیت میں دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔

پھر فرمایا کہ تم دونوں بے فکر ہو جاؤ اور دعوت تبلیغ کے کام میں لگے رہو، اور نادانوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا کہ نزول عذاب میں جلدی کرنے لگو یا اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہ رکھو۔ جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے۔ مگر وہ اپنے وقت پر ہوگا۔

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۷۹۶)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱۲)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۳۸۱٤)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ
وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہا، میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں اب فرماں برداروں میں سے ہوں۔(۹۰) فرمایا اب تو ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے۔(۹۱) سو آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تا کہ تو انکے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں

(۹۲)۔

بنی اسرائیل کو سمندر سے پار جاتے دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے تعاقب کیا

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کی دعا قبول فرمالی تو بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ایک معین وقت میں مصر سے روانہ ہو جائیں اور اس کے لیے اپنا سامان تیار کرلیں۔فرعون اس معاملہ سے غافل تھا، اس کو جب معلوم ہوا کہ بنواسرائیل اس کے ملک سے نکل گئے تو وہ ان کے پیچھے روانہ ہوا۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جب اپنی قوم کے ساتھ روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے اور ادھر فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان کے سروں پر آ پہنچا تو بنواسرائیل بہت خوفزدہ ہوگئے، ان کے ایک طرف دشمن تھا اور دوسری طرف سمندر تھا تب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی: فاوحینا الی موسیٰ ان اضرب بعصاک البحر ط فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم واز لفنا ثم الاخرین وانجینا موسیٰ ومن معہ اجمعین ثم اغرقنا الاخرین (الشعراء:٦٦۔٦٣) تو ہم نے موسیٰ پر وحی فرمائی کہ آپ سمندر پر اپنا عصا ماریں تو یکا یک سمندر پھٹ گیا پس اس کا ہر حصہ بڑے پہاڑی کی طرح ہو گیا اور اس جگہ ہم دوسروں (فرعون اور اس لشکر) کو قریب لائے اور ہم نے موسیٰ اور ان کے سب ساتھیوں کو نجات دی پھر دوسروں کو غرق کر دیا فرعون نے جب دیکھا کہ سمندر میں خشک راستے بن گئے اور بنی اسرائیل اس سے گزر گئے تو اس نے اپنے لشکر سے کہا آگے بڑھو، بنی اسرائیل تم سے زیادہ اس راستے پر چلنے کے مستحق نہیں ہے اور جب وہ راستے کے بیچ میں پہنچے تو وہ خشک راستے غائب ہو گئے اور سمندر

کے اجزاء ایک دوسرے سے مل گئے اور فرعون غرق ہونے لگا اور اس وقت اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ (یونس: ۹۰) تو جبرائیل نے کہا اے محمد! کاش آپ اس وقت مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی کیچڑ اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ اس پر رحمت ہو جائے۔ [1]

بس آج تیرے وجود کو لوگوں کی عبرت کے لیے باقی رکھا جائے گا تاکہ آنے والوں کے لیے نشان عبرت بن جائے۔ بیشک لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہوتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جب فرعون نے آخری وقت کلمہ پڑھ لیا تھا تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں ہوئی؟ یہ سوال کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ فرعون کی توبہ تین وجہ سے قبول نہیں کی گی۔

۱۔ سورہ الاعراف کی آیت: ۱۳۳۔۱۳۵ میں گزر چکا ہے کہ یکے بعد دیگرے کئی عذابوں میں مبتلا ہونے اور بار بار عہد کرنے کے باوجود یہ لوگ عہد شکنی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا حال معلوم تھا کہ فرعون اور اس کے ساتھی اب بھی عہد شکنی کریں گے اس لیے ان کی توبہ قبول نہ کی گئی۔

۲۔ طویل مدت تک موسیٰ (علیہ السلام) کے سمجھانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار مہلت دینے کے

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۹۳۲) حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ذکر فرمایا کہ جبرائیل فرعون کے منہ میں کیچڑ ڈال رہا تھا اس خوف سے کہ وہ کہے گا لا الہ الا اللہ تو اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۲۱۵، المستدرک ج ۲ ص ۲۴۰، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۳۹۱)

باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کے ایمان نہ لانے کی بددعا کی تھی گویا کہ اس بدعا کی وجہ سے اس کا ایمان قبول نہ ہوا۔

۳۔اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ انسان کی توبہ نزع کے عالم سے پہلے قبول ہوتی ہے جب موت کی واردات کا آغاز ہوتا ہے تو آدمی کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اس بنا پر بھی فرعون کی توبہ مسترد کردی گئی۔

آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیری ہوئی پائی گئی تھی۔اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کررکھا ہے۔اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے،اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشان دہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔سن ۱۹۰۷ء میں سرگرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔

﴿ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۳ فَاِنْ

كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ
الْكِتٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

اور (فرعون کی غرقابی کے بعد) ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور انھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا۔ پھر انہوں نے (دین کے بارے میں) آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ علم ان کے پاس آ چکا تھا۔ بیشک آپ کا رب قیامت کے روز ان امور کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(۹۳) پھر اگر آپ اس کتاب کی طرف سے شک میں ہیں جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے تھے۔ بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے، سو

آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔(۹۴) اور نہ ان لوگوں میں ہونا جو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے۔(۹۵) بیشک جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔(۹۶) خواہ ان کے پاس تمام دلیلیں آجائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔(۹۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلائے ہیں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیے تھے کہ اس نے رہنے کے لیے ان کو بلاد مصر و شام اور دن میں عمدہ جگہ دی جو بیت المقدس کے قریب ہے اور ان کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں دیں اور ان کو قوم فرعون کے باغوں، چشموں اور خزائن کا وارث بنایا۔ گویا قوم بنی اسرائیل جو نہایت کمزور اور عاجز تھی اللہ نے اس کو ذلت کو عزت اور فقر تنگدستی کو مال و دولت اور فراخ دل سے بدل دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا، ان انعامات خداوندی کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کا شکر کرتے لیکن یہ لوگ شکر کی بجائے دین حق کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ حالانکہ مذہب میں اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام صاف صاف بیان کر دیے تھے، بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر (۷۱) فرقے بنائے تھے، اور نصاریٰ نے بہتر (۷۲) اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے بنائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی (نجات پانے والا) ہوگا اور باقی سب

ناری ہوں گے آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ایک کونسا ہے آپ نے فرمایا جس پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ [١]

پس اے انسان اگر تجھے اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے جو ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے تیری طرف بھیجا ہے تو اپنے شک کو رفع کرنے کے لیے ان لوگوں سے اس کی تحقیق کر لے جو تورات وانجیل کے منصف مزاج عالم ہیں وہ اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق کر دیں گے اور شہادت دیں گے کہ جس کتاب اور رسول کا وعدہ تورات اور انجیل میں کیا تھا، وہ یہی قرآن ہے اس میں بیان کیے ہوئے واقعات کسی کے اپنے بنائے ہوئے قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ تورات وانجیل سے ثابت ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ” شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے (یعنی وسوسہ ڈالتا ہے) کہ یہ کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ کس نے پیدا کیا ہے؟ آخر میں کہتا ہے کہ بتاؤ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو وہ شخص ” أعوذ باللہ “ پڑھے اور شیطانی خیال چھوڑ دے۔ “ [٢]

حضرت ابن عباس ؓ مجاہد اور ضحاک ؒ نے فرمایا کہ یہاں اہل کتاب سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو ایمان لائے تھے جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وغیرہ۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک کنت سے خطاب رسول اللہ کو ہے کہ اگر بالفرض آپ کو ان واقعات کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے جو ہم نے آپ پر نازل کیا، تو آپ ان کے بارے میں اہل کتاب

١۔(ابن کثیر ٤٣١، ٤٣٢، ٢ـ ٢)

٢۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ إبلیس وجنودہ: ٣٢٧٦]

سے تصدیق کرلیں یہ واقعات ان کی کتابوں سے ثابت ہیں اور ان کے نزدیک محقق ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماء حق کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس دین حق آچکا ہے، جو سابقہ کتب کے مطابق ہے اور اس کا من جانب اللہ ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے لہٰذا آپ کو شک کرنے اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں بالفرض اگر آپ نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی تو آپ بھی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

حضرت قتادہؒ نے کہا ہے: یعنی وہ لوگ جن پر ان کی معصیت اور گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی ناراضگی ثابت ہوچکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (آیت) ولو جاءتھم کل ایۃ اس میں کلا کو مونث ذکر کیا ہے اس لے کہ اس کلام کا معنی یہ ہے۔ ولو جاءتھم الآیات (اگر چہ ان کے پاس نشانیاں آجائیں) (آیت) حتی یروا العذاب الالیم یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں تو اس وقت وہ ایمان لائیں گے (لیکن) وہ انہیں نفع نہیں دے گا۔

وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ: یعنی کوئی بھی نشانی یا معجزہ آجائے، وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ عذاب الیم دیکھ لیں، مگر اس وقت انھیں ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا، جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کو کچھ فائدہ نہیں ہوا اور اسی طرح دوسرے پیغمبروں کی امتوں کے کفار کو اللہ کا عذاب دیکھنے پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا مگر یونسؑ کی قوم جب وہ ایمان لائی تو ہم نے ہٹا دیا ان سے دنیا کی زندگی میں وہ رسوا کن عذاب اور ایک وقت معین کے لیے ہم نے انہیں (فوائدِ دنیوی سے) بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا۔

عذاب دیکھ کر حضرت یونس (علیہ السلام) کی قوم کا ایمان لانا

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: اصحاب سیر و تفسیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) کی قوم سرزمین موصل کے مقام نینوا میں رہتی تھی، اللہ عزوجل نے ان کی طرف حضرت یونس (علیہ السلام) کو بھیجا۔ حضرت یونس نے ان کو بت پرستی ترک کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی، انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت یونس (علیہ السلام) نے ان کو خبر دی کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آجائے گا جب ان پر آثار عذاب ظاہر ہوئے، حضرت ابن عباس اور حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ حضرتیونس کی قوم اور عذاب کے درمیان صرف دو تہائی میل کا فاصلہ رہ گیا تھا، مقاتل نے کہا کہ ایک میل کا فاصلہ رہ گیا تھا ابو صالح نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے عذاب کی تپش اپنے کندھوں پر محسوس کی، بعض نے کہا کہ آسمان پر سیاہ رنگ کے بادل نمودار

ہو گئے اور بہت سخت دھواں ظاہر ہونے لگا جس نے ان کے شہر کو ڈھانپ لیا اور ان کے مکانوں کی چھتیں سیاہ پڑ گئیں جب ان کو ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور اپنے سروں پر راکھ ڈال لی اور تمام لوگ بڑے اور چھوٹے، والدین اور بچے، تمام جانوروں کو لے کر میدان میں جمع ہوئے اور سب نے با آواز بلند اللہ تعالیٰ سے توبہ کی اور صدق دل سے معافی مانگی اور یہ کہا کہ ہم حضرت یونس (علیہ السلام) کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ان کی توبہ یہاں تک تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں ان کی بھی تلافی کر لی حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا پتھر اپنی دیوار میں لگایا تھا تو وہ پتھر دیوار سے نکال کر اس کو واپس کر دیا اور ابوالجلد نے کہا: جب ان پر عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو وہ اپنے بوڑھے عالم کے پاس گئے اور اس سے اس عذاب سے نجات کے متعلق سوال کیا اس نے کہا یہ کہو: یا حی حین لا حی یا حی محی الموتی یا حی لا الہ الا انت۔ اے زندہ! جب کوئی زندہ نہ ہو، اے زندہ! مردوں کو زندہ کرنے والے، اے زندہ! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ جب انہوں نے یہ کلمات کہے تو ان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ مقاتل نے کہا: وہ چالیس دن تک اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے پھر ان سے عذاب دور کر دیا گیا۔ دس محرم جمعہ کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت یونس (علیہ السلام) ان کے پاس سے جا چکے تھے ان سے کہا گیا کہ آپ اپنی قوم کے پاس چلے جائیں۔ حضرت یونس نے فرمایا: میں ان کے پاس کیسے جاؤں، وہ مجھ کو جھوٹا قرار دیں گے اور ان کے ہاں یہ دستور تھا کہ جو شخص جھوٹا ثابت ہو اور اس کے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہ ہو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا تب حضرت یونس (علیہ السلام) اپنی قوم پر ناراضگی کے باعث دریا کی طرف چلے گئے اور مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ یونسؑ کا پورہ قصہ سورہ الصافات

کی تفسیر میں انشاء اللہ العزیز ہم بیان کریں گے۔ [۱]

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر،) اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے آدمی (روئے) زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے تاکہ سب کے سب مومن بن جائیں۔ (۹۹) حالانکہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی شخص کا ایمان ممکن ہی نہیں ہے اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

(۱۰۰)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آپ غم گین ہوتے تھے، اس لیے آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو

۱۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ۹۹۔۹۸، جامع البیان جز ۱۱ ص ۲۲٤۔۲۲۲ ملخصا، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ۱۹۸۹۔۱۹۸۸، تفسیر کبیر ج ٦ ص ۳۰۳، جامع البیان جز ۸ ص ۲۹۰۔۲۸۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ٤۸۱، روح المعانی ج ۷ ص ۲۸۳۔۲۸۲)

مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت یہ ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں اور کچھ لوگ اپنے کفر والحاد پر قائم رہیں، آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین کر دینا ہے۔ اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو لوٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے۔ آپ جبرا کسی کے دل میں ایمان نہیں اتار سکتے بلکہ وہی شخص ایمان لائے گا جس کے نصیب میں یہ سعادت ہوگی اور جو شخص شقی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا۔ لہٰذا آپ اس کی کچھ پرواہ نہ کیجئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

سیدنا مسیب ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے قریب تشریف لے گئے۔ آپ نے ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو بھی وہاں بیٹھا ہوا دیکھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابو طالب سے فرمایا: "اے میرے چچا! تم "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دو، میں (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے اس کلمہ کے ذریعے حجت پیش کروں گا۔" ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کا دین چھوڑ دو گے؟ پھر برابر یہی حال رہا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے۔ آخر کار ابو طالب نے جو آخری بات کہی وہ یہی تھی کہ میں عبد المطلب کے دین پر مرتا ہوں اور "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے انکار کر دیا۔ تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تمہارے لیے اس وقت تک دعا کرتا رہوں گا، جب تک کہ اس سے منع نہ کیا جاؤں۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ) [التوبۃ: ۱۱۳] "اس نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ

مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔“اور اللہ تعالیٰ نے (خاص) ابوطالب کے بارے میں یہ آیت بھی اتری اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا: (اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ)[القصص:٥٦] ”بیشک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے جو عقل وشعور سے کام لیتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں غوروفکر کرتے ہیں جولوگ حق وباطل میں تمیز نہیں کرتے بلکہ ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اللہ ان کو کفروشرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي
الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ١٠١؁ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا
مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ
مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ١٠٢؁ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ١٠٣؀ ﴾

اے پیغمبر! ان سے کہیے کہ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا ہے؟ اور نشانیاں اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کے کام نہیں آتیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰۱) سو کیا

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (إنک لا تهدی من أحببت ولکن اللہ یهدی من یشاء): ٤٧٧٢]

یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ کہہ دیں پس تم انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔(۱۰۲) پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کو بچا لیتے ہیں۔ اسی طرح اہل ایمان کو بچا لینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔(۱۰۳)

سوچو اور غور کرو یعنی چشم بصیرت سے دیکھو، دوسرے مذاہب کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے قرآن کریم تو خود تکوینیات میں غور وفکر کرتے رہنے کی دعوت دیتا ہے کہ صحیفہ کائنات کو ذرا غور سے دیکھو وہ تمہیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے انفسی اور آفاقی دلائل پیش کرتا ہے اور ہر جگہ تم کو ہدایت کے چراغ جگمگاتے ہوئے نظر آئیں گے لیکن اگر تم آنکھیں بند رکھنے ہی پر مصر ہو تو تمہاری قسمت! یعنی دوپہر کے وقت تم اندھوں کی طرح گھپ اندھیروں میں گھرے ہوئے دکھائی دو گے اور ان آیات اور شواہد سے فقط وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں طلب حق کا جذبہ ہو لیکن جو حق کو حق سمجھتے ہوئے اس سے روگردانی ہوئے ہوں اور واضح دلائل کے باوجود ایمان لانے کیلئے تیار نہ ہوں ان کیلئے نہ کوئی آیت مفید ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

پھر فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ گزشتہ امتوں کی طرح انتظار کر رہے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) اپنے زمانوں میں کفار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے یہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا اسی طرح

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ کے کفار تھے وہ بھی اسی طرح کہتے تھے اس لیے فرمایا: تم بھی اس وعید کا انتظار کرو اور میں بھی اس وعید کے پورا ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن فرمایا: ”کون ہے جو ابو جہل کی خبر لائے کہ اس کا کیا انجام ہوا؟“ تو سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ گئے اور اسے اس حال میں پایا کہ عفراء کے بیٹوں نے اسے اتنا مارا تھا کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا تھا، تو انھوں نے اس کی داڑھی پکڑی اور کہا، تو ابو جہل ہے؟ اس نے جواب دیا، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ہے جسے تم نے قتل کر ڈالا ہے۔“ [۱]

پہلی قوموں پر جب عذاب آتا تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور مومنوں کو اس عذاب سے بچا لیتا جیسے حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعہ بچا لیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو سمندر کا پانی روک کا بچا لیا کیونکہ اہل ایمان کو بچانا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے۔ اسی طرح ان کفار پر بھی دنیا میں یا آخرت میں جب عذاب آئے گا تو اہل ایمان اس سے محفوظ رہیں گے۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں اس کے بارے میں لکھا، اس نے اپنی ذات سے متعلق بھی لکھا اور یہ کتاب اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب آ چکی ہے۔۔۔“ [۲]

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل:۳۹۶۳]

۲۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (ویحذرکم اللہ نفسہ):۷۴۰۴۔ مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ:۲۷۵۱]

﴿ قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ دِيْنِي فَلَآ أَعْبُدُ
الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِي
يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَأَنْ أَقِمْ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَلَا
تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ
فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ ﴾

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو میں تو اسی اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔ (۱۰۴) اور یہ کہ آپ موحد بن کر دین اسلام پر قائم رہیے اور مشرکوں میں سے نہ ہو جایئے۔ (۱۰۵) اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز نہ پکارنا کہ جو نہ تجھے نفع، نہ نقصان دے سکتی ہیں۔ پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو بیشک ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۱۰۶)

عقیدہ توحید کی وضاحت

یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لیے اس کی نسبت شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو، تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بیزار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لیے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انھیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہوسکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ جوارح سے اس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر وباطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی کریں، استعانت کے لیے بھی اسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لیے پکارنا جو کسی نفع نقصان کی مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے (سوار) تھا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھلاتا ہوں، (وہ یہ کہ) تو اللہ (کے احکامات) کا دھیان رکھ وہ تیرا دھیان رکھے گا، اللہ کا دھیان رکھ تو تو اسے اپنے سامنے

پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ اور جان لے کہ اگر سارے لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائیں تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نقصان پہنچائیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم خشک ہو گئے اور صحیفے لپیٹ دیے گئے۔"[1]

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧﴾

اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس تکلیف کو، کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ آپ کے لیے کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

ارشاد فرمایا: (وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ) [الشوریٰ: ۳۰] "اور جو بھی تمہیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔" اور فرمایا: (وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ

۱۔[ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث حنظلۃ: ۲۵۱۶]

اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)[الأنعام:۱۷] ”اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“ سیدنا عقبہ بن عامر جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت آئی، جن میں سے نو آدمیوں سے آپ نے بیعت لے لی اور ایک آدمی سے بیعت لینے سے رک گئے۔ لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ نے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور ایک آدمی کو چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا: ”اس لیے کہ اس کے جسم پر تعویذ ہے۔“ اس پر اس شخص نے اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے تعویذ کو کاٹ پھینکا تو آپ نے اس سے بھی بیعت لے لی اور فرمایا: ”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“ (۱)

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دو کہ: لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا ہے، پس جو کوئی سیدھی راہ پر چلے گا تو وہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچائے گا،

۱۔[مسند أحمد: ۴/ ۱۵۶، ح: ۱۷۴۳۲۔ مستدرک حاکم: ۴/ ۲۱۹، ح: ۷۵۱۳]

اور جو گمراہ ہو جائے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ۔(۱۰۸) اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس کی اتباع کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔(۱۰۹)

نافرمان کا اپنا نقصان ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ لوگوں کو آپ خبردار کریں کہ جو میں لایا ہوں، وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بلا شک وشبہ وہ نرا حق ہے جو اس کی اتباع کرے گا وہ اپنے نفع کو جمع کرے گا۔ اور جو اس سے بھٹک جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ میں تم پر وکیل نہیں ہوں کہ تمہیں ایمان پر مجبور کروں۔ میں تو کہنے سننے والا ہوں۔ ہادی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو خود بھی میرے احکام اور وحی کا تابعدار رہ اور اسی پر مضبوطی سے جما رہ۔ لوگوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کر۔ ان کی ایذاؤں پر صبر وتحمل سے کام لے یہاں تک کہ خود اللہ تجھ میں اور ان میں فیصلہ کر دے۔ وہ بہترین فیصلے کرنے والا ہے جس کا کوئی فیصلہ عدل سے حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انصار کو جمع کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے ساتھ کسی غیر کو جمع نہ کیا اور فرمایا: "بیشک تم میرے بعد بلا استحقاق دوسروں کی فضیلت اور ترجیح کو پاؤ گے پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھے حوض پر آ ملو"۔ انکم

ستجدون بعدی اثرہ فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض۔ (۱)

اور حضرت انسؓ سے اسی کی مثل روایت ہے، پھر حضرت انسؓ نے فرمایا: پس انہوں نے صبر نہ کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں صبر کرنے کا حکم دیا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم دیا۔

سورہ ہود

یہ پوری سورت مکی ہے، اس میں ایک سو تیئس آیات اور ایک ہزار چھ سو پچیس کلمات اور نو ہزار نو سو پانچ حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں دیگر انبیاء کرام (علیہم السلام) کے حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ، حضرت ہود (علیہ السلام) کی قوم کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے اسی لیے یہ ان کے نام سے موسوم ہوئی۔

زمانہ نزول

یہ سورہ گزشتہ سورہ یونس کی طرح مکی ہے یعنی اس کا نزول ہجرت سے پہلے ہوا ہے۔ اس کے انداز بیان سے گمان ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ ءنزول سورہ یونس کے فوراً بعد کا زمانہ ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ سورہ یونس کے فوراً بعد نازل ہوئی ہو۔ اس وقت کے حالات کا اندازہ کرنے کے لیے یوں تو اس سورہ کے مندرجات خود بولتے ہیں کہ وہ زمانہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کے لیے

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر ۳۹۸۶، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز)

انتہائی تکلیف دہ تھا اور اذیت اور مخالفت کی چکی پورے زور سے چل رہی تھی لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بطور خاص جس کرب سے گزر رہے تھے اور آپ اندر ہی اندر جس پریشانی میں گھلتے جا رہے تھے اس کا اندازہ حدیث میں مذکور اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کے بالوں میں چاندی ابھرنے لگی ہے اور آپ کی انتہائی مضبوط صحت روبہ زوال محسوس ہونے لگی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سورہ کے نزول کا زمانہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے کتنا گراں تھا۔ ایک طرف تو آپ دیکھ رہے تھے کہ قریش مخالفت میں اپنے ترکش کا ہر تیر آزمانے پر تل گئے ہیں۔ قرابت داری، ہمسائیگی، قومیت، شہریت، دوست داری کسی بات کا بھی لحاظ ان کے اندر باقی نہیں رہ گیا۔ اسلام دشمنی نے انھیں بالکل اندھا کر دیا ہے ان کی اکثریت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سننے کی بھی روادار نہیں۔ ان کا رویہ ٹھیک ان قوموں جیسا ہو رہا تھا جن پر اس سے پہلے اللہ کا عذاب نازل ہو چکا ہے اور دوسری طرف آپ دیکھ رہے تھے کہ اللہ کی طرف سے پے در پے تنبیہات نازل ہو رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخری ساعت بہت جلد قریب آ رہی ہے جب نافرمان قوم کی زندگی کی صف لپیٹ دی جاتی ہے اور انھیں دی ہوئی مہلت ختم کر دی جاتی ہے۔ خطرے کو سر پر دیکھتے ہوئے ایک درد دل رکھنے والا اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے کہ جو لوگ خطرے کی زد میں ہوں انھیں آگاہ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ خطرے سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں لیکن جب معاملہ ایسے لوگوں سے آ پڑے جو خطرہ سر پر دیکھ کر بھی

اس کا یقین کرنے کو تیار نہ ہوں تو پھر آپ اس ہمدرد و غمگسار کی بے چینی، بے کلی اور بے بسی محسوس کر سکتے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ ایسی ہی صورت حال سے دو چار ہیں آپ کسی طرح یہ نہیں چاہتے کہ جس قوم کی ہدایت کے لیے انھیں بھیجا گیا ہے وہ ہدایت سے محرومی کے باعث اللہ کے عذاب کا شکار ہو۔ اور دوسری طرف اللہ کے عذاب کو ٹال دینا آپ کے بس میں نہیں کیونکہ قوم اپنا رویہ بدلنے کے لیے بالکل تیار نہیں۔

سورہ ہود کی فضیلت

حضرت کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جمعہ والے دن سورہ ہود پڑھا کرو"۔ (۱)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کو بڑھاپا آنے لگا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود (اور اس جیسی دوسری سورتوں جن میں گزشتہ قوموں کے عذابات کا ذکر ہے جیسے) واقعہ، الحاقہ، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱۔ اس رکوع میں پہلے قرآن کی حقانیت اور عظمت و شرف کو بیان کیا گیا ہے پھر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا علم کامل اور ہمہ گیر ہے وہ تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے، خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کے ٹھکانوں سے واقف ہے، آخر میں اس کی قدرت کاملہ کا بیان ہے، اس نے

۱۔ (سنن دارمی جلد 2 صفحہ فضائل القرآن صفحہ 454)

۲۔ تفسیر الدر منثور جلد 4 صفحہ 296)

آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔

رکوع ۲۔ پہلے انسانی فطرت، کفار کی ناشائستہ باتوں اور ان کے باطل زعم کا بیان ہے، اس کے بعد اہل دنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور مفتریوں کی فضیحت ورسوائی کا بیان ہے۔ آخر میں اہل ایمان کا حال ومال بتایا گیا ہے۔

رکوع ۳۔ حضرت نوح کے واقعہ میں متکبرین کی جہالت آمیز گفتگو اور حضرت نوح کا جواب، آخر میں قوم نوح کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم اور قوم کی طرف سے ان کا تمسخر اڑانے کا بیان ہے پھر عذاب الٰہی کی آمد اور حضرت نوح کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح کا اپنے بیٹے کو سمجھانا اور اللہ کی طرف سے زمین کا پانی نگلنے کا حکم مذکور ہے آخر میں حضرت نوح کی دعا، اور ان کی کشتی سے اترنے کا حکم ہے۔

رکوع ۵۔ حضرت ہود کے واقعہ میں قوم کو حضرت ہود کی نصیحت اور قوم کا جواب۔ قوم عاد پر عذاب کا آنا اور آخر میں اہل عرب کو قوم عاد کے حال سے عبرت پکڑنے کی نصیحت مذکور ہے۔

رکوع ۶۔ حضرت صالح کے واقعہ میں حضرت صالح اور قوم کے درمیان گفتگو پھر حضرت صالح کی دعا سے معجزے کے طور پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہونا، پھر قوم کی نافرمانی اور ان پر عذاب کا ذکر ہے۔

رکوع ۷۔ حضرت ابراہیم کے مہمان فرشتوں کا کھانے سے انکار۔ پھر قوم لوط کا واقعہ اور قوم لوط کی دھمکی، آخر میں حضرت لوط کو فرشتوں کی تسلی اور قوم پر عذاب کا آنا، بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸۔ حضرت شعیب کا واقعہ۔ حضرت شعیب کو قوم کا جواب۔ آخر میں قوم کی ہٹ دھرمی اور ان پر

عذاب الٰہی کا بیان ہے۔

رکوع ۹۔فرعون کا انجام اور انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے آخر میں کفر و تکذیب کا انجام اور اہل محشر کی قسمیں مذکور ہیں۔

رکوع ۱۰۔شروع میں احکام شرعیت میں اختلاف بیان کیا گیا ہے پھر احکام الٰہی پر استقامت اور اقامت صلوۃ کی تاکید ہے آخر میں سابقہ امم کی ہلاکت کے ظاہری اور باطنی اسباب کا بیان ہے۔

﴿ الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١ ﴾

الف۔لام۔را۔یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔

حروف مقطعات پر بحث سورہ بقرہ کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

یہ ایسی بے مثال کتاب ہے کہ اس کی آیات محکم یعنی ناقابل تبدیل ہیں اگرچہ پہلے بھی آسمانی کتب نازل ہوتی رہیں مگر ان کی آیات اور احکام خاص قوموں یا ملکوں کے لیے اور خاص زمانوں کے لیے تھے جو بعد میں نزول قرآن سے بھی کلی طور پر منسوخ ہوگئے مگر یہ کتاب بیک وقت ساری انسانیت کے لیے تمام ملکوں کے لیے اور سب زمانوں کے لیے ہے اور اس کے احکام ہر دور اور ہر ملک میں قابل عمل بھی ہیں لہٰذا یہ ہمیشہ کے لیے ہے اور کسی بھی امر میں کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں چھوڑتی ایک ایک بات عقائد ہوں یا اعمال سیاسیات ہوں یا اخلاقیات معیشت ہو یا معاشرت کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔

اور کیوں نہ ہو جبکہ اس کے نازل کرنے والی ہستی ہی صاحب حکمت بھی ہے اور ہر بات اور ہر حال سے باخبر بھی نیز اس کے تمام احکام واخبار کا ماحصل یہ ہے کہ بندے کو خالق حقیقی سے آشنا کردے اور اس کا سر اللہ کے سوا کسی بھی دوسری چوکھٹ پہ نہ جھکے یہی برکات انسانوں تک پہنچانا اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فریضہ رسالت ہے فرمایا انھیں بتادیجئے کہ بیشک اس کتاب میں یہ تمام کمالات موجود ہیں مگر یہ میرا منصب ہے کہ جن خطرات سے قبل از وقت یہ کتاب آگاہ فرماتی ہے ان سے انسانوں کو آگاہ کروں اور جن امور پر اللہ کی خوشنودی کی خبر دیتی ہے ان کی تفصیل نبی آدم کو سمجھاؤں۔

﴿ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّا ٱللَّهَ ۚ إِنَّنِى لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ﴿٢﴾ وَأَنِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَـٰعًا حَسَنًا إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِى فَضْلٍ فَضْلَهُۥ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ ﴾

یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہو[ں۔(۲) اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کی طرف متوجہ رہو۔ وہ تمہیں ایک مقرر اور متعین مدت تک

بہترین سامان زندگی عطا کرے گا اور وہ زیادہ بہتر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب عطا کرے گا۔ اور اگر منہ پھیرو تو میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے۔ (۳) تم (سب) کو اللہ ہی کے پاس لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴)

جس نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ اسکے علاوہ اور کسی کی عبادت نہ کی جائے اور جو اس کی عبادت کرتا ہے اور جو عبادت نہیں کرتا اس کو ان سب کی پوری خبر ہے اور اس کا بڑا مقصد یہی ہے کہ تم توحید خداوندی کو مانو اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوزخ سے ڈرانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ)[الشعراء:۲۱۴] ”اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈرا“ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو آواز دی اور اس جگہ جمع ہونے کو کہا، جب وہ وہاں جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس وادی میں (پہاڑ کے پیچھے) کوئی لشکر ہے جو تم پر دھاوا بولنے والا ہے، تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟“ انھوں نے جواب دیا، ہاں! کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”تو پھر سنو! میں تمہیں اس سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں جو بالکل سامنے ہے۔“ (۱)

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ: اور یہ مقصد ہے کہ تم اپنے رب سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر آئندہ بھی اسی

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وأنذر عشیرتک الأقربین):، ٤٧٧٠۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قولہ تعالیٰ: (وأنذر عشیرتک الأقربین): ۲۰۸]

کی جانب متوجہ رہو۔اس پر وہ متاع حسنہ سے ایک وقت تک فائدہ دے گا اور وہ ہر صاحب عقل کو اس کا فضل عطاء کرے گا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: جس شخص نے ایک گناہ کیا اس کا ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے اور جس شخص نے ایک نیکی کی تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اس نے دنیا میں جو ایک گناہ کیا تھا اگر اس کے گناہ کی دنیا میں سزا دے دی گئی تو اس کے مقابلہ میں اس کی دس نیکیاں باقی رہیں گی اور اگر دنیا میں اس کو اس کے ایک گناہ کی سزا نہیں دی گئی تو اس کی دس نیکیوں میں سے ایک نیکی کم کردی جائے گی اور اس کی نو نیکیاں پھر بھی باقی رہیں گی پھر فرما رہے تھے: اس شخص کی ہلاکت ہو جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔ (۱)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے اور اسے زیبا نہیں کہ وہ مجھے گالی دے اور وہ میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ اسے یہ بھی زیبا نہیں، اس کا گالی دینا، اس کا یہ قول ہے کہ اللہ کی اولاد ہے اور تکذیب، اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، جیسے اس نے مجھے پہلی بار پیدا کیا ہے۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ (کفار میں سے) عاص بن وائل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور پھر اس نے اسے اپنے ہاتھوں میں مسل کر ریزہ ریزہ کردیا، اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہنے لگا، اے محمد! کیا اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو بوسیدہ

۱۔ (جامع البیان ج۱۱ ص ۲۳۰، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۲، تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۴۸۰، الدر المنثور ج ۴ ص ۳۹۹)

۲۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ: (وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہٗ): ۳۱۹۳]

ہونے کے بعد زندہ کرے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! اسے اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا اور (سن!) وہ تجھے مارے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔“ [1]

﴿ اَلَآ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۵ ﴾

”سنو بیشک وہ اپنے سینوں کو اس لیے دہرے کرتے ہیں کہ اس سے چھپے رہیں، آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اچھی طرح اوڑھتے ہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) ”الا انھم یثنون“۔ (الخ)

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ ننگے ہو کر قضائے حاجت کرنے میں، آسمان کی طرف ستر کھولنے میں، اسی طرح صحبت کرتے وقت آسمان کی طرف ستر کھولنے میں (اللہ تعالیٰ سے شرماتے تھے) انھی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ابن جریرؒ وغیرہ نے عبداللہ بن شدادؓ سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے جب کسی کا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے گزر ہوتا تھا تو وہ اپنا سینہ دوہرا کر لیتا تھا تاکہ آپ اس کو نہ دیکھ سکیں، تب یہ آیت نازل

---

[1]۔[مستدرک حاکم: ۲/۴۲۹، ح: ۳۶۰۶]

ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو ثقفی اور ایک قریشی یا (یہ کہا کہ) دو قریشی اور ایک ثقفی جمع ہوئے جن کے پیٹ کی چربی بہت تھی (یعنی توند بڑی تھی) اور ان میں سوجھ بوجھ کی بڑی کمی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ وہ سب کچھ سنتا ہے جو ہم کہتے ہیں؟ دوسرے نے کہا کہ جب ہم زور سے بولتے ہیں تو سنتا ہے، لیکن اگر ہم آہستہ بولیں تو نہیں سنتا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر وہ بلند آواز سنتا ہے تو آہستہ بھی سنتا ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی: (وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ)[حٰمٓ السجدة ۲۲:] ”اور تم اس سے پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں گے اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے چمڑے۔“ (١)

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶ ﴾

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور (وہ جگہ) جہاں اس کو سونپ دیا جائے گا، یہ سب کچھ کتاب روشن (یعنی لوح محفوظ) میں ہے۔

روئے زمین پر چلنے والا ہر جاندار، خواہ انسان ہو یا حیوان، خشکی کا جانور ہو یا پانی کا جانور، ان کی خوراک

١۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (وما کنتم تستترون أن یشهد علیكم سمعكم ۔۔ الخ):۷۵۲۱]

اور رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔(ویعلم مستقرھا ومستودعھا)"اور وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔"یعنی وہ تمام جانداروں کے ٹھکانوں کو جانتا ہے (مستقر) سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جانور رہتے ہیں، جسے ٹھکانا بناتے ہیں اور جہاں پناہ لیتے ہیں اور (مستودع) سے مراد وہ جگہ ہے جہاں، اپنی آمد ورفت اور مختلف احوال میں منتقل ہوتے ہیں۔(کل)"یہ سب کچھ" ان کے احوال کی تمام تفاصیل (فی کتب مبین)" واضح کتاب میں ہے"۔یعنی ہر چیز لوح محفوظ میں مرقوم ہے، جو ان تمام حوادث وواقعات پر مشتمل ہے جو اس کائنات میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔تمام حوادث کا اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے۔اس نے ہر چیز کی تقدیر لکھ دی ہے ہر چیز پر اس کی مشیت نافز ہے اور ہر ایک کے لیے اس کا رزق وسیع ہے۔دل، اس ہستی کی کفایت پر مطمئن ہوجانے چاہیءں، جو ان کے رزق کی کفالت کرتی ہے اور جسم کے علم نے مخلوق کی ذات وصفات کا احاطہ کر رکھا ہے۔

سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"اگر تم اللہ پر ایسا توکل کیا کرتے جیسا اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی اس طرح رزق دیا جاتا جس طرح پرندوں کو دیا جاتا ہے، وہ صبح کو بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر (واپس) آتے ہیں۔"[۱]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ فرماتے تھے:"اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں کو آسمانوں اور زمین کے بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھیں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔"[۲]

۱۔[ترمذی، کتاب الزھد، باب فی التوکل علی اللہ:۲۳٤٤]

۲۔[مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ صلی اللہ علیھما وسلم:۲٦٥۳]

۞ وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ
عَرۡشُهٗ عَلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ‌ؕ وَلَـئِنۡ قُلۡتَ
اِنَّكُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَيَـقُوۡلَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ
هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۷﴾ وَلَـئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ
مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّيَـقُوۡلُنَّ مَا يَحۡبِسُهٗ ‌ؕ اَلَا يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمۡ لَـيۡسَ
مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ ۞

اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ کہیں کہ تم موت کے بعد ضرور اٹھائے جانے والے ہو تو جو لوگ منکر ہیں ضرور ہی کہیں گے یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔(۷) اور اگر ہم ایک مقرّرہ مدت کے لیے عذاب کو موخّر کر دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا چیز ہے جو اسے روک رہی ہے؟ سنو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا۔اور وہی چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔(۸)

اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جو ہر چیز پر قادر ہے تم اس کے رزاق ہونے کا کیسے انکار کر سکتے ہو اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو ان کی تمام موجودات کے ساتھ چھ روز میں پیدا کیا وہی آسمان سے پانی برستا ہے اور اس کے ذریعہ مخلوق کے لیے زمین سے روزی پیدا کرتا ہے، پھر آفتاب کی گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں، آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی پر تھا۔

ابورزین عقیلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس وقت ابر میں تھا، جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا تھی، پھر اس نے اپنا عرش پانی پر بنایا۔ اس روایت کو ابن ماجہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی اور ابوداؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ [1]

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ اہل یمن نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں اس بارے میں بتایئے کہ اس دنیا کی تخلیق کیسے ہوئی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا، اور لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ اس روایت کو بخاری، ترمذی، اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

آسمان اور زمین اور عرش و پانی پیدا کرنے کے بعد اس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال والا ہے عمل احسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص اور شریعت محمدیہ کی تابعداری ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی اگر آپ ان کافروں سے کہیں کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز تم دوبارہ زندہ

ا۔ (مسند احمد ۴۔۵۸۳)، (روح المعانی ۵۔۱۲)

کیے جاؤ گے تو یہ جواب دیں گے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا تو جادو کی مانند دھوکہ اور فریب ہے جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں، حالانکہ جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا وہی ان کو دوبارہ بھی پیدا کرے گا، کیونکہ پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلے میں دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وھوالذی یبدوا الخلق ثم یعید وہ وھواھون علیہ۔ سورہ روم ۲۷۔ اسی نے شروع میں پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ تو اس پر نہایت آسان ہے۔

اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب کا مواخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کام نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اس عذاب موعود کو کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ایک مقررہ مدت کے لیے ملتوی رکھیں تو یہ لوگ تمسخر کے طور پر کہیں گے کہ محمد کے خیال میں جس عذاب کے ہم مستحق ہیں اسکو نازل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے۔ آگاہ ہوجاؤ، جب وہ عذاب موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح بھی ان سے ہٹایا نہیں جائے گا، جس عذاب کا یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں وہ لامحالہ ان پر واقع ہوکر رہے گا، کیونکہ یہ لوگ اسکے مستحق ہیں۔ ۱

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝٩ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝١٠ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

۱۔(ابن کثیر ۴۳۷۔۲)

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اور ہم اگر انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے دیتے ہیں، پھر وہ اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ مایوس (اور) ناشکرا بن جاتا ہے۔(۹) اور اگر کوئی مصیبت آنے کے بعد ہم اسے نعمتیں عطا کریں تو وہ کہتا ہے کہ ساری مصیبتیں مجھ سے دور ہو گئیں، وہ اترانے والا اور اکڑنے والا بن جاتا ہے۔(۱۰) مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور اچھے عمل کئے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔(۱۱)

اور اگر ہم کافر انسان کو اپنی رحمت) مثلاً (مالداری اور صحت سے نوازنے کے بعد اس کو رحمت سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس رحمت کی بے حد ناشکری کرنے لگتا ہے، اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آ پڑی تھی) مثلاً (فقر اور سختی، ہم اس کو نعمتوں کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرے سب دکھ دور ہو گئے اور ان نعمتوں کے زوال کا خیال بھی نہیں کرتا اور نہ ان پر شکر ادا کرتا ہے) اور (وہ اترانے لگتا ہے اور جو کچھ اس کا دیا گیا ہے اس کی وجہ سے لوگوں پر شیخی بگھارنے لگتا ہے، مگر جو لوگ مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں میں نیک عمل کرتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ ہیں کہ جن کیلئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے وہ جنت ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا: سیدنا ابو مالک اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

فرمایا: ”نماز نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر روشنی ہے اور قرآن دلیل ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف۔“ [۱]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مومن کی مثال پودے کی پہلی نکلی ہوئی ہری شاخ جیسی ہے کہ جب بھی ہوا چلتی ہے اسے جھکا دیتی ہے، پھر وہ سیدھا ہو کر مصیبت برداشت کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور فاجر و بدکار کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے کہ وہ سخت ہوتا ہے اور سیدھا کھڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ (اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے) اسے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔“ [۲]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعے سے) اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے، جس طرح (خزاں میں) درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔“ [۳]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مسلمان کو اگر کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے، یا کانٹے سے بڑھ کر (یا اس سے بھی کم) کوئی تکلیف اسے پہنچتی ہے تو اس کے عوض اس کے لیے ایک درجہ لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔“ [۴]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک دیہاتی سے کہا: ”کیا تو کبھی

۱۔[مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء: ٥٣٤]

۲۔[بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض: ٥٦٤٤۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب مثل المؤمن کالزرع۔ الخ: ٢٨٠٩]

۳۔[بخاری، کتاب المرضی، باب شدۃ المرض: ٥٦٤٧۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض أو حزن: ٢٥٧١]

۴۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض أو حزن: ٢٥٧٢]

"ام مِلدَم" کی بیماری میں مبتلا ہوا ہے؟" دیہاتی نے عرض کی "ام مِلدَم" کون سی بیماری ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جلد اور گوشت کے درمیان گرمی کو "ام ملدم" کہا جاتا ہے (یعنی بخار)۔" دیہاتی نے کہا، مجھے کبھی بخار نہیں ہوا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے پوچھا: "کیا تو کبھی "صداع" کی بیماری میں مبتلا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا، "صداع" کون سی بیماری ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سر درد کو صداع کہا جاتا ہے۔" دیہاتی نے کہا، مجھے کبھی سر درد بھی نہیں ہوا ہے، پھر جب وہ دیہاتی چلا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس آدمی کو یہ بات اچھی لگتی ہے کہ وہ کسی دوزخی کو دیکھے تو اس دیہاتی کو دیکھ لے۔"[١]

سیدنا صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلہ میں خیر و بھلائی ہی ہے اور یہ فضیلت صرف بندہ مومن ہی کو حاصل ہے، (وہ اس طرح کہ) اگر اسے خوشی اور راحت وسکون ملے تو وہ شکر کرتا ہے اور شکر کرنا اس کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر کوئی سختی و تکلیف آئے تو صبر کرتا ہے اور صبر کرنے میں بھی اس کے لیے خیر و بھلائی ہی ہے۔"[٢]

﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ وَضَآئِقُۢ بِهِۦ صَدۡرُكَ أَن يَقُولُواْ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ كَنزٌ أَوۡ جَآءَ مَعَهُۥ مَلَكٌۚ إِنَّمَآ أَنتَ

١۔ [مستدرک حاکم: ٣٤٧/١، ح: ١٢٨٣۔ ابن حبان: ٢٩١٦۔ مسند أحمد: ٣٣٢/٢، ٣٦٦، ٣٦٧، ح: ٨٤١٦، ٨٨١٥]

٢۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر: ٢٩٩٩)

نَذِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ وَّكِيۡلٌؕ ﴿۱۲﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَـرٰٮهُ ؕ قُلۡ
فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ
فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ
مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

شاید آپ کچھ چیز وحی میں سے جو آپ کے پاس آتی ہے چھوڑ دیں آپ اس بات پر تنگ دل ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ (۱۲) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس (کتاب حق) کو خود گھڑ لیا ہے ؟ تو (ان سے) کہو کہ اچھا تو پھر اس جیسی دس سورتیں من گھڑ تم لوگ بھی بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (۱۳) پس اگر وہ تمہاری اس بات کا جواب نہ دے سکیں ف تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے علم ہی سے اترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو کیا اب تم مانو گے

(۱۴)۔

کافروں کی تنقید کی پراہ نہ کریں

کافروں کی زبان پر جو آتا وہی طعنہ بازی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کرتے ہیں اسلیے اللہ تعالیٰ اپنے سچے پیغمبر کو دلاسا اور تسلی دیتا ہے کہ آپ نہ اس سے کام میں سستی کریں، نہ تنگ دل ہوں یہ تو ان کا شیوہ ہے۔ کبھی وہ کہتے ہیں اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کی ہم نوائی میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتر؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کو کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ تم تو اس کے پیچھے چل رہے ہو۔ جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر آپ ملول خاطر نہ ہوں، آزردہ دل نہ ہوں، اپنے کام سے نہ رکئے، انہیں حق کی پکار سنانے میں کوتاہی نہ کیجئے، دن رات اللہ کی طرف بلاتے رہیئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی تکلیف دہ باتیں آپ کو بری لگتی ہیں، آپ توجہ بھی نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو آپ مایوس ہو جائیں یا تنگ دل ہو کر بیٹھ جائیں کہ یہ آوازے کستے، پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اپنے سے پہلے کے رسولوں کو دیکھئے سب جھٹلائے گئے ستائے گئے اور صابر و ثابت قدم رہے یہاں تک اللہ کی مدد آ پہنچی۔ پھر قرآن کا معجزہ بیان فرمایا کہ اس جیسا قرآن لانا تو کہاں؟ اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی ساری دنیا مل کر بنا کر نہیں لاسکتی اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسی اس کی ذات مثال سے پاک، ویسے ہی اس کی صفتین بھی بے مثال۔ اس کے کام جیسا مخلوق کا کلام ہو یہ ناممکن ہے۔ اللہ کی ذات اس سے بلند بالا پاک اور منفرد ہے معبود اور رب صرف وہی ہے۔ جب تم سے یہی نہیں ہوسکتا اور اب تک نہیں ہوسکا تو یقین کرلو کہ تم اس کے بنانے سے عاجز ہو اور دراصل یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی

طرف سے نازل ہوا ہے۔اس کا علم، اس کے حکم احکام اور اسکی روک ٹوک اسی کلام میں ہیں اور ساتھ ہی مان لو کہ معبود برحق صرف وہی ہے بس آؤ اسلام کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جاؤ۔ [۱]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر نبی کو جیسا معجزہ دیا گیا اسی قدر اس پر ایمان لایا گیا، یا (فرمایا) اسی قدر لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے تو (قرآن مقدس کی) وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے لوگ تمام انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہونگے۔" [۲]

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ ﴾

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی خوش رنگیاں چاہتا ہے، تو ہم دنیا ہی میں اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیتے ہیں، اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ (۱۵)

۱۔تفسیر ابن کثیر

۲۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): بعثت بجوامع الکلم: ۷۲۷۴۔مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا۔۔الخ: ۱۵۲]

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا کرایا سب ضائع ہو جائے گا اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔(۱۶)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ اس آیت کا حکم تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔

(۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ اہل قبلہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۳) حضرت انسؓ نے کہا کہ یہ یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۴) مجاہد نے یہ کہا کہ یہ ریا کاروں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔[۱]

انسان جس کام کو جس نیت سے کرے گا اسی نیت کے اعتبار سے اس کو صلہ دیا جائے گا، اگر اللہ عزوجل کی رضا کے لیے کوئی عمل کرے گا تو آخرت میں اس پر اجر ملے گا اور اگر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے عمل کرے گا تو وہ عمل اس کے لیے باعث وبال ہوگا۔ حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ثمر ملتا ہے، سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف شمار ہوگی اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف شمار کی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔[۲]

۱۔(زادالمسیر ج ص ۸۴۔۸۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱، ۵۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۰۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۱، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۶۴۷،)

﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ ﴾

بھلا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل رکھتا ہو پھر اسی پروردگار کی طرف سے ایک شاہد وہی بات پڑھ کر سنائے اور وہی بات اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) میں بھی موجود ہو جو (لوگوں کے لئے) رہنما اور رحمت تھی (تو کیا وہ اس بات میں شک کر سکتا ہے؟) ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان گروہوں میں سے جو کوئی ایسی بات کا انکار کردے تو اس کے لیے دوزخ ہی کا وعدہ ہے سو آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہیں۔ یقیناً یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ منور اور روشن دین پر قائم ہو اور اس کا روشن ہونا وحی، آسمانی سے ثابت ہو

تو وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو محض دنیا کا طلب گار ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو۔

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین پر عمل پیرا ہیں اور تورات وانجیل کے عالم و فاضل ہیں وہی مخلص مومن ہیں مومنین مخلصین کے علاوہ دوسرے گروہوں میں سے جو شخص اس دین حق کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے سو قرآن کے بارے میں کسی کو شک وشبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں، بلا شبہ وہ اللہ کی سچی کتاب ہے اگر چہ بہت سے لوگ واضح دلائل کے باوجود اس پر یقین نہیں رکھتے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے کوئی کافر و مشرک اور یہودی اور عیسائی ایسی حالت میں مرے گا جو ہدایت مجھے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا۔

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ : گواہ سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچایا اور آپ نے اسے اپنی امت تک پہنچا دیا۔

ارشاد فرمایا: (قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) [الأحقاف:۱۰] ”کہہ دے کیا تم نے دیکھا اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک شہادت دینے والے نے اس جیسے (قرآن) کی شہادت دی، پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ: یعنی تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے، خواہ

وہ مشرک و کافر ہوں یا اہل کتاب، یا انسانی معاشرے کے کسی بھی طبقے یا جنس سے ان کا تعلق ہو، یا ان کا کوئی رنگ اور کوئی بھی شکل ہو اور انھیں قرآن کی دعوت پہنچ جائے اور وہ اس کا انکار کر دیں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ارشاد فرمایا: (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا)[الاعراف:۱۵۸]

”کہہ دے اے لوگو! بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔“

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت میں سے جو بھی یہودی یا نصرانی میرے متعلق سن لے اور پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔“ (۱)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ ایسے لوگوں کو (کل قیامت کے دن) پیش کیا جائے گا ان کے رب کے حضور، اور گواہ کہیں گے

۱۔[مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ:۱۵۳]

کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱۸) جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ (۱۹)

مجاہدؒ، قتادہؒ، ابن جریج اور اعمشؒ سے روایت ہے کہ ان گواہوں سے مراد فرشتے (کراماً کاتبین) ہیں۔ ضحاکؒ نے کہا: اس سے مراد انبیاء اور رسول ہیں۔ [۱]

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا سب سے بڑا ظالم ہے اور اس پر افتراء یہی ہے کہ اس کا شریک بنائے یا اس کی اولاد بتائے یہ جھوٹ اور بدترین ظلم ہے وہ قیامت کے روز اللہ کے حضور پیش ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس طرح اللہ کا شریک بتاتے اور اس کے لیے اولاد مانتے تھے ان پر ملائکہ اور انبیاء کرام شہادت دیں گے کہ یہ ظالم افتراء پرداز اور جھوٹے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ بروز قیامت کفار و منافقین کو میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے بتایا جائے گا یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر افتراء کیا ان پر ان کے ظلم کے بدلے اللہ کی لعنت ہے اس پر وہ تمام ارباب حشر کے روبرو رسوا کئے جائیں گے۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینا چاہے تو ان میں اسے روکنے اور عاجز کرنے کی قوت نہیں اس لیے کہ تمام کائنات اس کے قبضہ اقتدار میں ہے اور یہ بھی اسی کی ملک اور اسی کے ملک میں ہیں نہ اس سے کہیں بھاگ سکتے ہیں نہ اس سے بچ سکتے ہیں اور ان کی مدد کرنے والا بلا اذن الٰہی عزوجل کوئی نہیں ہوسکتا نہ

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹) (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۹۔۲۸)

انہیں عذاب سے بچانے کے لیے کوئی آڑے آ سکتا ہے یہ وہ ہیں جنہوں نے لوگوں کو راہ حق سے روکا اور بعد مرنے کے بعثت وحشر کا انکار کیا وہ ایسے بہرے ہیں کہ حق سننے کی ان میں طاقت نہیں یعنی سماع حق سے بہرے ہیں تو کلام خیر سے نفع نہیں پا سکتے اور آیات قدرت دیکھنے سے اندھے ہیں جن کے مشاہدہ سے یہ فائدہ اٹھاتے۔

﴿ أُولَٰٓئِكَ لَمۡ يَكُونُواْ مُعۡجِزِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَۘ يُضَٰعَفُ لَهُمُ ٱلۡعَذَابُۚ مَا كَانُواْ يَسۡتَطِيعُونَ ٱلسَّمۡعَ وَمَا كَانُواْ يُبۡصِرُونَ ٢٠ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُم مَّا كَانُواْ يَفۡتَرُونَ ٢١ لَا جَرَمَ أَنَّهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ هُمُ ٱلۡأَخۡسَرُونَ ٢٢ ﴾

یہ لوگ زمین میں کہیں بھاگ کر اللہ کو ہرا نہیں سکتے، اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے۔ (اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) ان کو دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ یہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ دیکھتے تھے۔ (۲۰) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور ان کی تمام افترا پردازیاں ان کے کام نہ آئیں۔ (۲۱) بیشک یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں

ہوں گے۔(۲۲)

یہ لوگ کسی مقام پر اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اور عذاب الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی انہیں بچا نہیں سکتا ایسے سرداروں کو دوہری سزا ہوگی۔

یہ لوگ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بغض کی وجہ سے آپ کے کلام کو سن نہ سکتے تھے یا یہ کہ آپ کے کلام کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور نہ دشمنی کی غرض سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف دیکھتے تھے یا یہ کہ بغض کی وجہ سے آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

یہ امراء وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے نہ ان کو جنت میں اہل وعیال ملیں گے اور نہ محلات اور نہ شان شوکت بلکہ ان کے علاوہ دوسرے مومنین ان نعمتوں کے وارث ہونگے۔

یعنی اللہ کے سوا جن معبودوں اور بتوں کو یہ پکارتے رہے، وہ ان کے کچھ کام تو نہ آسکیں گے، البتہ ہر طرح کے نقصان اور خسارے کا سبب ضرور قرار پائیں گے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ)[الاحقاف:٦] ”اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہونگے۔“ اور فرمایا: (اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ)[البقرة:١٦٦] ”جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بالکل بے تعلق ہوجائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل منقطع ہوجائیں گے۔“

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام کے بارے میں

یہ خبر دی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھانے والے یہی لوگ ہونگے، کیونکہ انھوں نے اپنے لیے بلندیوں کے بجائے پستیوں کو پسند کرلیا تھا اور جنت کی نعمتوں کے بجائے جہنم کے کھولتے ہوئے گرم پانی کو، جنت کی سربمہر خالص شراب کے بجائے جہنم کی نہایت گرم ہوا، کھولتے پانی اور سیاہ ترین دھویں کو، موٹی موٹی آنکھوں والی خوبصورت حوروں کے بجائے تھوہر کے کھانے کو اور جنت کے بلند وبالا محلات کے بجائے جہنم کے گڑھوں کو پسند کرلیا تھا، بلا شک وشبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۳ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴ ﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی، وہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۲۳) ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھنے والا سننے والا۔ کیا دونوں کی حالت برابر ہوسکتی ہے۔ پھر کیا تم لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے

ھو۔ (۲۴)

بلاشبہ جولوگ ایمان والے ہیں اور اپنے قول وفعل سے اپنے رب کے احکام پوری بجالاتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں وہی لوگ جنت کے وارث ہیں جہاں بلند بالاخانے، بچھے بچھائے اور سجے سجائے سخت ہیں جھکے ہوئے خوشوں میں اور میووں کے درخت ہیں۔قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، پسندیدہ اور لذیذ کھانے ہیں اور سب سے بڑھکر دیدار خداوندی کی نعمت ملے گی اہل جنت کو یہ نعمتیں ہمیشہ حاصل رہیں گی۔نہ کبھی انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا نہ بیماری، نہ غفلت۔

جن شقی القلب کافروں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کو مومن ومتقی اہل ایمان سے بالکل وہی نسبت ہے جو اندھے اور بہرے کو بینا اور سننے والے سے ہے کافر دنیا میں نہ تو راہ حق کو دیکھتے تھے اور نہ حق بات کو سنتے تھے اس لیے وہ اندھے اور بہرے کی مانند ہیں، سو قیامت کے روز بھی وہ خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے،ان کے برخلاف مومن عاقل وعالم تھے سمجھدار تھے، پیام حق سنتے اور اس کو قبول کرتے تھے حق وباطل میں تمیز کرتے تھے بھلائی کو اختیار کرتے اور برائی کو چھوڑتے تھے یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہوسکتے ہیں، کیا تم ایسی مثالوں کو سننے اور ان پر غور وفکر کرنے کے بعد بھی نصیحت قبول نہیں کروگے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَـكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۵ اَنْ
لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۲۶
فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰٮكَ اِلَّا بَشَرًا

مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ‌ ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۢ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر (یہ پیغام دے کر) بھیجا تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔(۲۵) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بیشک میں تمہیں ایک دردناک عذاب سے ڈراتا ہوں۔(۲۶) تو ان کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں اور تمہارے ماننے والے وہی لوگ ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں بلا تامل اور ہم تمہارے لیے اپنے آپ پر کوئی برتری نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تمہیں جھوٹے گمان کرتے ہیں۔(۲۷)

حضرت نوح بن لامک بن متوشلخ بن ادریس ہیں۔ آپ حضرت ادریس (علیہ السلام) کے بعد سب سے پہلے نبی ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ چالس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور نوسو پچاس سال اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے قرآن کریم میں بھی یہی ارشاد ہے: ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین

عاما فاخذھم الطوفان۔ پھر طوفان میں وہ قوم غرق ہوگئی اور آپ طوفان کے بعد ساٹھ سال دنیا میں زندہ رہے۔اس حساب سے آپ کی مجموعی عمر ایک ہزار پچاس سال کی تھی۔

مقاتلؒ کہتے ہیں آپ سوسال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ایک قول ہے کہ آپ کی بعثت پچاس سال کی عمر میں ہوئی۔

ایک قول ہے کہ آپ دوسو پچاس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور قوم میں ساڑھے نوسو سال تک ٹھہرے پھر طوفان سے غرق ونے کے بعد آپ دوسو پچاس سال رہے اس حساب سے آپ (علیہ السلام) کی مجموعی عمر ایک ہزار ساڑھے چارسو سال کی تھی۔

اور آپ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے سامنے اپنا نذیر مبین ہونا ظاہر فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ غنائم وغیرہ آپ (علیہ السلام) کے عہد نبوت میں جھد سے حاصل ہونے کا حکم نہ تھا۔آپ (علیہ السلام) نے ہدایت توحید فرمائی اور قوم سے کہا: میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔لوگو! اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرو، ورنہ مجھے ڈر ہے کہ اللہ کا دردناک عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔نوح (علیہ السلام) کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو رد کردیا اور ان کے نبی ہونے میں تین قسم کے شبہات کا اظہار کیا۔ پہلا شبہ یہ ظاہر کیا کہ تم ہماری ہی طرح انسان ہو، تو ہمارے بجائے تم نبوت کے کیسے حق دار بن گئے؟ ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ قوموں کے سرداروں میں سے ایک نے بھی تمہاری اتباع نہیں کی، صرف گھٹیا قسم کے لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے، جو کم عقل اور بیوقوف ہیں اور اچھی اور گہری سوچ سمجھ نہیں رکھتے اگر تم نبی ہوتے تو سرداران قوم تم پر ایمان لاتے اور تیسرا شبہ یہ تھا کہ تم میں اور تمہارے پیروکاروں میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آتی جو ہم میں نہ ہو، تو پھر تم نبی کیسے ہوگئے؟۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان ؓ سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس رسول کی پیروی کی ہے یا ضعیف وناتواں لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے۔ جس پر ہرقل نے کہا، رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ [1]

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾

نوح نے کہا کہ اے میری قوم، ذرا سوچو تو سہی، کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر قائم ہوں، اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے ایک خاص رحمت بھی عنایت فرما رکھی ہو، پھر وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی ہو تو کیا ہم اسے زبردستی تم پر مسلط کر دیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرنے والے ہو۔

حضرت نوح (علیہ السلام) نے فرمایا اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں ایسی دلیل پر قائم ہوں جو کہ میرے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اس نے مجھے اپنے پاس سے نبوت اور دولت اسلام عطا فرمائی ہو اور پھر میرے دین اور میری نبوت میں تمہیں شبہ ہو یا شبہ میں ڈال دیا ہو تو کیا ہم اس دعوی کو تم

۱۔ [بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۷۔ مسلم، کتاب الجھاد، باب کتب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إلی ھرقل: ۱۷۷۳]

پر مسلط کر دیں اور کسی طرح تمہارے حلق میں اس کو زبردستی اتار دیں اور تم اس کا انکار کیے جاؤ۔

سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک جنازے میں تھے، تو آپ نے فرمایا: "سنو! تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت اور دوزخ میں مقرر کردی گئی ہے، لکھی ہوئی ہے۔" لوگوں نے کہا، پھر ہم اس پر بھروسا کر کے بیٹھ کیوں نہ جائیں؟ آپ نے فرمایا: "عمل کرتے رہو، ہر شخص سے وہی عمل صادر ہوں گے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"[۱]

﴿ وَيٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مَالًا ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَلٰـكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوۡمِ مَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ طَرَدْتُّهُمۡ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ﴾

اور میری قوم میں اس پر تم سے کوئی مال تو نہیں لگتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں تو ان ایمان والوں کو دھتکار نہیں سکتا کیونکہ وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔ (۲۹) اور اے میری قوم! اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا اگر میں انہیں دھتکار دوں؟ کیا تم نصیحت

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وأما من أعطى واتقى): ٤٩٤٥]

حاصل نہیں کرتے؟"(۳۰)

امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح سے کہا کہ اے نوح! اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو آپ اپنی مجلس سے ان فقراء کو نکال دیں، کیونکہ ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ وہ اور ہم کسی معاملہ میں بھی برابر ہوں۔ ①

انھی جیسے لوگوں نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بھی یہی کہا تھا کہ آپ کمزور صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں اور ان کے ساتھ خصوصی مجلس کریں، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا: ()وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ [الانعام:۵۲] "اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں۔"

سیدنا سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے تھے، مشرکین نے کہا، ان لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے نکال دیجیے تاکہ یہ ہم پر جرات نہ کرسکیں، ان لوگوں میں میں تھا، عبداللہ بن مسعود، ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دو آدمی اور تھے جن کا نام میں نہیں لے رہا ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں جو خیال اللہ نے چاہا وہ آیا۔ آپ ابھی سوچ ہی رہے تھے (کہ اب کیا کرنا چاہیے) کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرما دی: (وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ) "اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر

ا۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۳۹۸۹)

پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔“[۱]

﴿ وَلَآ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ تَزۡدَرِىۡۤ اَعۡيُنُكُمۡ لَنۡ يُّـؤۡتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيۡرًا ‌ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۖۚ اِنِّىۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۳۱ ﴾

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، اور نہ ہی میرا یہ دعوٰی ہے کہ میں کوئی فرشتہ ہوں اور نہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقارت سے دیکھتی ہیں، یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انھیں بھلائی دے گا ہی نہیں۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالموں میں سے ہوں گا۔

اس آیت کریمہ میں نوح (علیہ السلام) نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح بشر ہوں، لیکن اللہ نے مجھے رسالت اور وحی سے نوازا ہے۔ میں ایسی باتوں کا دعویٰ نہیں کرتا جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ اللہ کی روزی کے خزانوں کا مالک ہوں اور نہ علم غیب کا دعویٰ

۱۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص: ٤٦/ ٢٤١٣]

کرتا ہوں اور نہ فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جب میں خود ایسا دعویٰ نہیں کرتا تو پھر میرے اندر ان صفات کے مفقود ہونے پر میری نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور جن غریب مسلمانوں کو تم حقیر جانتے ہو، ان کے بارے میں میں تمھاری طرح یہ نہیں کہتا کہ اللہ انھیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ان کی غربت کی وجہ سے محروم رکھے گا۔ ان کے اندر جو خوبیاں پائی جاتی ہیں انھیں اللہ تعالیٰ مجھ سے اور تم سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں گا تو میں ان کے حق میں ظالم ہوں گا۔ اس لیے کہ میں نے ان کی قدر و منزلت نہیں پہچانی اور ان کی شان کے خلاف بات کی۔

﴿ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ع ﴾

انہوں نے کہا کہ اے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا، لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اس کو لے آوٴ۔ (۳۲) نوح نے کہا کہ اس کو تو خدا

ہی چاہے گا تو نازل کریگا۔اور (اس وقت پھر) تم اس کو عاجز نہ کرسکو گے۔(۳۳) اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہ دے گی اگر میں خیر خواہی کرنا بھی چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں۔اگر اللہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمہیں گمراہ کردے۔وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔(۳۴) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (نعوذ باللہ) اپنے جی سے بات گھڑلی ہے؟ تو کہہ دے اگر میں نے یہ بات گھڑلی ہے تو میرا جرم مجھ پر اور تم جو جرم کررہے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں!۔(۳۵)

حضرت نوح (علیہ السلام) کی گفتگو سن کر ان کی قوم نے کج فہمی، اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ ہمارے ساتھ خوب بحث ومباحثہ کر چکے، اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے اور عذاب کی وعید میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آیئے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ : یعنی قہر وعذاب الٰہی کو نازل کرو، ہمارے بارے میں جو چاہو بد دعا کرو اور جو تم بد دعا کرو وہ اب ہمارے بارے میں قبول ہو ہی جانی چاہیے۔یہی انداز مشرکین مکہ کے سردار ابو جہل نے اپنایا، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا تھا: (اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ)”اے اللہ! اگر یہ تیری

طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔"[1]
حضرت نوح نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں تو دعوت و نصیحت تھی جو میں نے کردی، رہا عذاب کا لانا تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے جب اس کو منظوٗر ہوگا عذاب آجائے گا، اس وقت تم اس عذاب سے نہیں بچ سکو گے اور نہ اس کو ٹال سکو گے، اگر اللہ نے ازل میں تمہاری گمراہی کا ارادہ فرمالیا ہے تو میں اسکو نہیں بدل سکتا، اس صورت میں میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لیے فائدہ مند نہ ہوگی اور تم ہلاکت سے نہ بچ سکو گے اللہ ہی تمہارا رب اور پروردگار ہے تمہیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا مگر تم تو اپنے عناد کی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے
۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں آپ نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال بھی مجھ پر ہی ہوگا اور جن جرائم کا ارتکاب تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝٣٦ ﴾

"اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ پس آپ غمگین نہ ہوں اس

---

[1] ۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وإذ قالوا اللھم إن کان ہذا۔۔الخ):٤٦٤٨]

سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے کافروں کے خلاف یہ دعا کی: وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (نوح:۲٦) اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ جب حضرت نوح (علیہ السلام) نے یہ دعا کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم کے جن کافروں کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱)

﴿ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ۝۳۷ ﴾

اور ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ اور مجھ سے کچھ نہ کہنا ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔

علامہ بغویؒ نے لکھا ہے اہل تورات کا خیال ہے کہ اللہ نے نوح کو حکم دیا تھا کہ ساگوان یا سار کی لکڑی کشتی بنائیں جس کا سینہ آگے کو نکلا ہو اور کشتی کے اندر باہر ہر طرف روغن قار کا پالش کر دیں کشتی کی لمبائی اسی ہاتھ یعنی آدھا گز مراد نہیں ہے اور تین منزلیں بنائیں نچلی درمیانی اور بالائی منزل میں دریچے رکھیں۔ حضرت نوح نے حکم کے مطابق کشتی بنائی۔ اسحاق بن بشر اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباس

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲ رقم الحدیث: ۱۳۹۹۷)

ؓ کی روآیت سے بیان کیا کہ اللہ نے جب نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو نوح نے عرض کیا میرے مالک تختے کہاں ہیں اللہ نے فرمایا ساگوان یا سار کا درخت لگاؤ نوح نے سار کا درخت بویا۔ بیس برس تک وہ درخت پرورش پاتا رہا۔ اس مدت میں نہ حضرت نوحؑ نے تبلیغ کی نہ قوم والوں نے کوئی استہزاء کیا۔ جب درخت بھرپور ہو گیا تو اللہ کے سے نوح نے اس کو کاٹ کر خشک کیا اور عرض کیا اے میرے رب میں گھر یعنی کشتی کی شکل کیسے بناؤں؟ حکم ہوا اس کی تین شکلیں رکھو۔ اگلا سرا تو مرغ کے سر طرح ہو اور پچھلا حصہ بھی مرغ کی دم کی طرح اور سینہ پرندے کی طرح آگے کو نکلا ہو اور دونوں پہلوؤں پر دریچے ہوں اور لوہے کی کیلوں سے اس کو مضبوط کر دیا گیا ہو اللہ نے جبرائیل کے ذریعہ نوح کو کشتی بنانا سکھا دی۔

عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابوالشیخؒ نے قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی میں لمبائی تیس ہاتھ تھی۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ عرض میں اس کا دروازہ تھا، شامی نے لکھا ہے کہ کشتی کا طول اسی ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ اور بلندی اوپر کو تیس ہاتھ، اور ہاتھ سے مراد (پنجہ سے) مونڈھے تک۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾

اور نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے۔ اور جب بھی ان پر ان کی قوم کے سردار گزرتے تو آپ کا مذاق اڑاتے، حضرت نوح (علیہ السلام) جواب میں کہتے: اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ایک دن ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے، جس طرح کہ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ (۳۸)۔ سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔ (۳۹)

نوح (علیہ السلام) کا کشتی تیار کرنا اور قوم کا استہزا کرنا

ضحاک نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! کشتی کی کیا تعریف ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے، میں اپنے عبادت گزاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا اور بیشک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔ حضرت نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! لکڑی کہاں ہے؟ فرمایا: تم درخت اگاؤ۔ حضرت نوح (علیہ السلام) نے بیس سال تک ساگوان کے درخت اگائے، اس عرصہ میں حضرت نوح (علیہ السلام) نے ان کو دعوت دینا ترک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح (علیہ السلام) کو تنگ کرنا چھوڑ دیا، البتہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور سکھائیں، پھر حضرت نوح نے پوچھا: اے

میرے رب! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟ فرمایا: اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کے لیے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں، کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب بہت شدید ہے۔ پھر حضرت نوح نے اجرت پر کچھ لوگوں کو کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سے سام، حام اور یافث بھی ان کے ساتھ کشتی بنا رہے تھے۔ انہوں نے وہ کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس کشتی کی تین منزلیں تھیں، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے، دوسری منزل میں چوپائے اور دوسرے حیوان تھے اور سب سے اوپر تیسری منزل میں حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔ حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ قتادہؒ نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔ ابن جریج نے کہا اس کا طول تین سو ہاتھ، اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تیس ہاتھ تھا۔ اس کی بالائی منزل میں پرندے، درمیانی منزل میں حضرت نوح اور ایمان والے تھے اور اس کی نچلی منزل میں درندے تھے۔ (۱)

عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے چالیس سال میں کشتی بنائی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دو سال میں کشتی بنائی اور کعب سے روایت ہے کہ چالیس سال میں کشتی

۱۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ۱۰۳۔۱۰۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱٤۰۷ھ)

بنائی۔ [1]

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ وَمَنۡ اٰمَنَ ‌ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ۝٤٠ ﴾

"یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور نے جوش مارا (تو) ہم نے نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانوروں) میں سے (نر و مادہ کا) ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں سوار کرالو اور اپنے اہل وعیال کو بھی، سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی اور تھوڑے لوگ تھے جو اس کے ساتھ ایمان لائے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) سے فرمایا تھا کہ جب آپ یہ دیکھیں کہ آپ کے گھر کے تنور سے پانی ابلنے لگا تو سمجھ لیں کہ طوفان آ گیا۔ یہاں آیت میں وفار التنور فرمایا گیا ہے یعنی جب تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا۔ اس جگہ لفظ تنور کے معنی میں مفسرین میں اختلاف ہے۔

بعض مطلق روٹی پکانے کا تنور مراد لیتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ ایک تنور حضرت حوا سے منتقل ہوتے ہوتے حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تھا وہ ان کے گھر میں طوفان کا نشان ٹھہرایا گیا تھا کہ

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۰ھ)

جب اس سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لیں کہ طوفان شروع ہو گیا۔ اور پھر کشتی میں سوار ہو جائیں۔ بعض نے کہا ہے کہ تنور کوئی خاص چشمہ تھا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ تنور کے معنی سطح زمین کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

امام ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ ایمان والوں کی تعداد میں آٹھ اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے اہل سمیت یہ اسی (۸۰) افراد تھے۔

(۲) یوسف بن مہران نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) نے اپنے ساتھ اسی (۸۰) انسانوں کو سوار کیا، تین ان کے بیٹے تھے اور تین ان کے بیٹوں کی بیویاں تھیں اور حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیوی تھی۔

(۳) ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا: یہ اسی (۸۰) انسان تھے۔ مقاتل نے کہا: چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔

(۴) ابن جریج نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: کل چالیس نفر تھے۔

(۵) ابو نہیک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: تیس مرد تھے۔

(۶) قرظی نے کہا: حضرت نوح اور ان کی بیوی، ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں کل آٹھ نفر تھے۔

(۷) کل سات نفر تھے: حضرت نوح، تین بیٹے اور ان کی تین بیویاں، یہ اعمش کا قول ہے۔

(۸) ابن اسحاق نے کہا: عورتوں کے علاوہ دس نفر تھے۔ [۱]

۱۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ۱۰۷-۱۰٦، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱٤۰۷ھ)

﴿ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى
نُوْحُ ٰنِ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا
الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ ﴾

اور نوح (علیہ السلام) نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی
کے نام سے ہے بیشک میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے۔(۴۱) اور وہ کشتی
ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی اور اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہ
(کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ
ہو۔(۴۲) وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ سے جا لگوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔
انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں اور نہ کوئی بچ سکتا ہے
مگر جس پر اللہ رحم کرے، اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی اور وہ ڈوب

کرره گیا۔(۴۳)

حضرت نوحؑ نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ تم اس غرق ہونے کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے، بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے نجات کا دارومدار اسی کی رحمت پر ہے، یہ کشتی تو نجات کا ظاہری سبب ہے لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھتے ہوئے کشتی میں سوار ہو جاؤ، چنانچہ وہ لوگ اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی بلند موجوں میں چل رہی تھی۔

نوح (علیہ السلام) کا ایک بیٹا موج کی لپیٹ میں

کشتی روانہ ہونے سے پہلے حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو جو کشتی سے علیحدہ تھا، آواز دے کر کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ پر ایمان لے آ اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے تا کہ اس مصیبت عظمیٰ سے نجات پا سکے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں تو کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا بنالوں گا جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا۔اس وقت تک پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا، حضرت نوحؑ نے بیٹے کو جواب دیا کہ یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ تو اللہ کا قہر ہے آج اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہیں سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمادے پہاڑ بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں وہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پانی کی ایک بڑی موج ان دونوں کے درمیاں حائل ہو گئی اور کافروں کے ساتھ حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہو گیا۔

ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؓ سے روایت کیا کہ نوح (علیہ السلام) کے بیٹے کا نام جو غرق ہوا کنعان تھا۔

﴿ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

اور حکم آیا، اے زمین نِگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان! تھم جا، اور سکھا دیا پانی، اور ہو چکا کام! اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر، اور کہہ دیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔

عکرمہ نے کہا: حضرت نوح (علیہ السلام) دس رجب کو کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی دس محرم کو جودی (پہاڑ) پر رکی۔ تو یہ چھ ماہ ہیں، یہ قول قتادہ نے کیا اور اس نے (اس بات کا) اضافہ کیا اور وہ یوم عاشورہ ہے۔ پس آپ (نوح علیہ السلام) نے اپنے ساتھیوں کو کہا: کو روزہ دار ہے وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جو روزہ دار نہیں وہ روزہ رکھے۔ طبری نے اس سلسلہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت نوح (علیہ السلام) رجب کی یکم کو کشتی میں سوار ہوئے اور پورا مہینہ روزہ رکھا کشتی یوم عاشورہ تک ان کو لے کر چلی اور اس (یوم عاشورہ) میں جودی (پہاڑ) پر رکی، تو حضرت نوح (علیہ السلام) اور آپ کے ساتھیوں نے اس دن کا روزہ رکھا۔

طبری نے ابن اسحاق سے جو ذکر کیا ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ پانی پر ایک سال تک مقیم رہے، کشتی بیت اللہ کے پاس سے گزری تو اس نے سات چکر لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس (بیت اللہ) کو غرق نہ ہونے دیا۔ پھر کشتی یمن کی طرف گئی اور جودی (پہاڑ) کی طرف واپس ہوئی پس اس پر ٹھہر گئی۔

عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ کشتی میں حضرت نوح (علیہ السلام) سمیت ایسی (۸۰) انسان تھے۔ایک سو پچاس دن تک وہ سب کشتی ہی میں رہے۔اللہ تعالیٰ نے کشتی کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔وہ کشتی چالیس دن تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جودی کی طرف روانہ کر دیا، وہاں جا کر وہ ٹھہر گئی۔حضرت نوح (علیہ السلام) نے کوے کو بھیجا کہ وہ خشکی کی خبر لائے، وہ ایک مردار کو کھانے میں لگ گیا اور دیر لگا دی۔آپ نے ایک کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتا اور پنجوں میں مٹی لے کر آیا، اس سے حضرت نوح (علیہ السلام) نے یہ اندازہ لگایا کہ پانی سوکھ گیا ہے اور زمین ظاہر ہو گئی ہے۔آپ جودی کے نیچے اترے اور وہیں ایک بستی کی بنیاد رکھ دی۔ایک دن صبح کو جب لوگ بیدار ہوئے تو ہر شخص کی زبان بدلی ہوئی تھی، وہ اسی (۸۰) قسم کی زبانیں بول رہے تھے، ان میں سب سے بہتر زبان عربی تھی، اور کوئی شخص دوسرے کا کلام سمجھ نہیں رہا تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کو وہ سب زبانیں سکھا دیں اور آپ ہر ایک کو دوسرے کا مطلب سمجھا رہے تھے۔ [۱]

جودی پہاڑ کردستان کے علاقہ میں جزیرہ ابن عمر کے شمالی مشرقی جانب واقع ہے۔بائیبل میں اس کشتی کے ٹھیرنے کی جگہ اراراط بتائی گئی ہے جو ارمینیا کے ایک پہاڑ کا نام بھی ہے اور ایک سلسلہ کوہستان کے نام بھی۔سلسلہ کوہستان کے معنی میں جس کو اراراط کہتے ہیں وہ آرمینیا کی سطح مرتفع سے شروع ہو کر جنوب میں کردستان تک چلتا ہے اور جبل الجودی اسی سلسلے کا ایک پہاڑ ہے جو آج بھی جودی ہی کے نام سے مشہور ہے۔قدیم تاریخوں میں کشتی کے ٹھیرنے کی یہی جگہ بتائی گئی ہے۔چنانچہ مسیح (علیہ السلام) سے

۱۔(تفسیر احکام القرآن امام قرطبی، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ٢٠٣٧۔٢٠٣٨، جامع البیان رقم الحدیث: ١٤٠٥٠، ١٤٠٥٥، ١٤٠٥٦، تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٤٩٦)

ڈھائی سو برس پہلے بابل کے ایک مذہبی پیشوا بیراسس (Berasus) نے پرانی کلدانی روایات کی بنا پر اپنے ملک کی جو تاریخ لکھی ہے اس میں وہ کشتی نوح کے ٹھیرنے کا مقام جودی ہی بتاتا ہے۔

﴿ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ ﴾

اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور کہا، اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے۔ (۴۵) اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے بیشک اس کا عمل صالح نہیں پس مجھ سے اس بات کا سوال نہ کرنا جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ بیشک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے

ہو جائے۔(۴۶) نوح (علیہ السلام) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے
پناہ مانگتا ہوں کہ میں آیندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ
ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے
والوں میں سے ہو جاؤں گا۔(۴۷)

نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب

یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح (علیہ السلام) کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا۔ اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا، میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ (وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝27) 23۔المؤمنون:27) یعنی تیرے اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھا لے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے وہ بوجہ اپنے کفر کے انہیں میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے یہ دراصل حضرت نوح (علیہ السلام) کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ کے بطن سے نہ تھا۔ بلکہ بدکاری سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں قول غلط ہیں بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ ابن عباس اور بہت سے سلف سے

منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں یہی مطلب ہے کہ تیرے جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے یہ ان میں سے نہیں۔ یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے۔ اس کے سوا اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمائیے کہ حضرت عائشہؓ کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضبناک ہوا اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرما دی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے عکرمہؒ فرماتے ہیں ایک قرأت (آیت انہ عمل عملا غیر صالح) ہے مسند کی حدیث میں ہے حضرت اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ 46۝) 11۔ ھود:46) پڑھتے سنا ہے اور (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ 53؀) 39۔ الزمر:53) پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ (آیت فخانتاھما) کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد زنا نہیں بلکہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ سچا ہے اس نے اسے حضرت نوح کا لڑکا فرمادیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوح کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو اللہ فرماتا ہے (ونادی نوح ابنہ) اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی ایسا ہی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریرؒ کا پسندیدہ ہے۔ اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸ ﴾

حکم ہوا اے نوح اتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ' جو آپ پر اور ان لوگوں (جماعتوں) پر (نازل) ہوں گی جو آپ کے ساتھ ہیں اور (ایسی) امتیں (بھی) ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے) فائدے دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

طوفان کا خاتمہ

جب پانی بالکل اتر گیا، تب حضرت نوح (علیہ السلام) سے کہا گیا کہ اے نوح اب کشتی پر سے اترو، ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور اس اہل سعادت کے گروہ پر جو تمہارے ساتھ کشتی میں موجود ہے اور مردوں کی پشتوں میں بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ آباؤ اجداد کی پشتوں سے نکلنے کے بعد ہم انھیں چند روزہ عیش دیں گے اور ان کے کفر کی وجہ سے ہماری طرف سے ان پر سخت سزا ہوگی اور وہ بدبختوں سے ہونگے۔

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کے پاس وحی چارسو اسی سال کی عمر میں بھیجی،

اس کے بعد وہ ایک سو بیس تک اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے اور جس وقت وہ کشتی میں سوار ہوئے تو ان کی عمر چھ سو سال کی تھی اور کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ کی تھی اور تیس ہاتھ اونچی تھی اور کشتی کی اوپر نیچے تین منزلیں تھیں پہلی منزل میں درندوں اور موذی جانوروں سوار کیا اور دوسری منزل میں جنگلی جانوروں کو سوار کیا اور سب سے اوپر والی منزل میں انسانوں کو سوار کیا جو اسی آدمی تھے جن میں چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں، اور مرد و عورتوں کے درمیان حضرت آدم (علیہ السلام) کا جسم تھا اور کشتی میں حضرت نوح (علیہ السلام) کے تین لڑکے بھی تھے سام، حام، یافث۔

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم پس آپ صبر کریں بیشک اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف التفات

ربط کلام: حضرت نوح (علیہ السلام) اور ان کی قوم کے ذکر کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تکالیف پر صبر کرنے کا حکم۔

اس سے مراد ان کا حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹے کے قصے سے ناواقف ہونا ہے اگرچہ من جملہ انہوں نے طوفان کا معاملہ سن رکھا ہے۔ فاصبر صبر کر رسالت کی مشقتوں اور قوم کی اذیتوں پر جس طرح نوح (علیہ السلام) نے صبر کیا، یعنی اے محمد! اللہ کے امر اور اپنی رسالت کی تبلیغ کے ذریعے قیام پر صبر کیجئے اور جو عرب کفار کی طرف سے آپ کو اذیت ملتی ہے اس پر اس طرح صبر کیجئے جس طرح نوح (علیہ السلام) نے اپنی قوم پر صبر کیا۔

ان العاقبۃ دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی (کا انجام) للمتقین شرک اور گناہوں سے (بچنے والوں کے لیے ہے)۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِىْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا، انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم صرف جھوٹ باندھتے ہو (افترا کرتے ہو)۔ (۵۰) اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی بدلہ (اجرت) نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۵۱) اور اے قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید اضافہ کرے گا تم مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔ (۵۲) وہ بولے اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی ظاہر دلیل نہیں لائے اور ہم صرف تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ (۵۳)

عاد عرب کی قدیم ترین قوم ہے۔ یہ سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز، یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ عرب کی تاریخ میں یہ اپنی قدامت کے لیے بھی ضرب المثل ہیں اور اپنی قوت وشوکت کے لیے بھی۔ حضرت ہود انھی کے ایک فرد تھے جنھیں رسول کی حیثیت سے ان کی طرف مبعوث کیا گیا۔ قرآن نے امتنان واحسان کے لیے فرمایا ہے کہ عاد کی طرف ہم نے کسی اجنبی شخص کو نہیں، بلکہ انھی کے بھائی ہود کو بھیجا تا کہ ان پر ہماری حجت ہر لحاظ سے پوری ہو جائے۔

مجاہدؒ نے کہا: (قوت سے مراد) شدت ہے۔ضحاک نے کہا: شادابی، علی بن عیسیٰ کے نزدیک: عزت۔ اور عکرمہ کے نزدیک: اولاد ہے۔کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سال ان سے بارش روک لی اور رحموں کو بانچھ کردیا پس ان کا کوئی بچہ پیدا نہ ہوا، تو حضرت ہود (علیہ السلام) نے انہیں کہا: اگر تم ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے شہروں کو زندہ (آباد) کردے گا اور تمہیں مال اور اولاد عطا فرمائے گا۔ پس یہی قوت ہے۔زجاج نے کہا: معنی یہ ہے کہ وہ قوت کا اضافہ فرمادے گا نعمتوں میں۔ ولا تتولوا مجرمین یعنی تم اس سے اعراض نہ کرو جس کی طرف میں تمکو دعوت دیتا ہوں اور کفر پر قائم نہ ہو جاؤ۔

یعنی گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔اس کی زمین پر خود بھی امن وسکون سے رہو اور کسی پر بھی زیادتی نہ کرو تو اللہ تعالیٰ خوش ہوگا۔وہ بارشوں کے ذریعہ اچھی فصلیں پیدا کر کے تمہاری مالی طاقت میں اضافہ فرمائے گا اور اچھی خوراک سے تمہاری جسمانی طاقت اور افرادی قوت میں اضافہ فرمائے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی نہ کرو وگرنہ مجرموں کی طرح بدحالی اور مصائب کا شکار رہو گے۔

قوم نے حضرت ہودؑ سے کہا کہ تمہارے پاس اپنے برسرحق ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع بھی حضرت ہود کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔آنجناب کے پاس یقیناً دلیل تھی، مگر وہ مخاطبین کو دلیل دکھائی نہیں دیتی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آدمی عام طور پر کسی بات کو خالص دلیل کی بنیادوں پر جانچ نہیں پاتا۔ بلکہ اس اعتبار سے دیکھتا ہے کہ جو شخص اس کو پیش کررہا ہے وہ کیسا ہے۔ چونکہ پیش کرنے والا اپنے زمانہ میں لوگوں کو ایک ناقابل لحاظ انسان دکھائی دیتا تھا اس لیے اس کی بات بھی لوگوں کو ناقابل لحاظ نظر آتی تھی۔

﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ
اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ
فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ
وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ
بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ
شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ ﴾

ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس (ہودؑ) نے جواب دیا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جو کچھ تم شرک کر رہے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ (۵۴) سو تم سب ملکر میرے بارے میں خفیہ تدبیریں کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ (۵۵) بیشک میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے، کوئی جاندار ایسا نہیں مگر اس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، بیشک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔

(۵۶) پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمہاری جگہ اب تمہارے سوا کسی اور قوم کو لائے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے (۵۷)۔

قوم کی گفتگو سن کر حضرت ہود نے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے ہو تو سنو! میں نہ صرف تمہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سب معبودوں سے بے زار ہوں۔ اب تم اور تمہارے سب معبود مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور اس کی ملکیت میں ہیں کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اور اس کی بادشاہت سے الگ ہو، بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو ذرہ برابر نقصان یا تکلیف پہنچا سکے۔ ماں، باپ اپنی اولاد پر جس قدر مہربان ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ وہ کریم ہے، اس کے کرم کی کوئی حد نہیں، اسی لیے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کو ملتا ہے اور سی کی مدد کرتا ہے جو صراط مستقیم پر چلتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اسی طرح حق سے برگشتہ رہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے وہ تو میں پہنچا چکا ہوں اگر تم اب منہ موڑے ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ تم پر اللہ کا قہر اور غضب آ جائے اور تم نیست و نابود ہو جاؤ اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس زمین پر آباد

کردے۔اس معاملے میں تم اپنا ہی نقصان کررہے ہو،اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں یقینا میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے وہ تمہارے ہر کام اور ہر خیال سے باخبر ہے۔

یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی نہ مانو گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔تم اپنی فکر کرلو۔ضرور ہے کہ اس قسم کی ہٹ دھرمی اور تعصب وعناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو ہلاک کر ڈالے۔خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال وغیرہ کا وارث بنادے گا۔تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگڑتا نہ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔جب وہ ہر چیز کا محافظ ونگہبان ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت اور اس کے سامان کی حفاظت اپنی قدرت کاملہ سے کردے گا۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ ﴾

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا (تو) ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور ان کے

ساتھ ایمان والوں کو اپنی رحمت کے باعث بچالیا، اور ہم نے ان کو ایک سخت عذاب سے نجات دی۔(۵۸) اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی۔(۵۹) تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ سنو! ہلاکت و بربادی ہے عاد کے لیے جو ہود کی قوم تھی۔(۶۰)

قوم عاد پر آندھی کا عذاب

یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورہ اعراف" میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مکان گر گئے چھتیں اڑ گئیں، درخت جڑ سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہوا ایسی مسموم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر نیچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ: وہ عذاب اس نامبارک ہوا کی صورت میں تھا جس نے ساری قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور اس سخت ترین عذاب سے اللہ کی رحمت سے صرف سیدنا ہود (علیہ السلام) اور ان کے پیروکار ہی محفوظ رہے، جیسا

کہ ارشاد فرمایا: (وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ)[الحآقة:٦ تا ٨] "اور جو عاد تھے وہ سخت ٹھنڈی، تند آندھی کے ساتھ ہلاک کردیے گئے، جو قابو سے باہر ہونے والی تھی۔ اس نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلائے رکھا۔ سو تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح (زمین پر) گرے ہوئے دیکھے گا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔ تو کیا تو ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتا ہے؟"

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک اللہ عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے (اس کی باگ ڈھیلی کرتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کرلے اور عذاب کا مستحق ہو جائے) پھر جب پکڑتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا۔" [١]

﴿ وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ
هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ
ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ ﴿٦١﴾ ﴾

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے

١۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت مانگو اور اس سے توبہ کرو، بیشک میرا رب نزدیک بھی ہے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں آدم (علیہ السلام) سے اور آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا اور تمہارے لیے اس نے سکونت کی جگہ بنائی، اسی کی توحید کے قائل ہو جاؤ اور توبہ اور اخلاص کے ساتھ اسی کے سامنے جھک جاؤ، بیشک میرا رب قبولیت کے قریب ہے اور موحد کی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے۔

واستعمر کم فیھا۔ قتادہ نے کہا، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین میں آباد کیا اور ضحاک نے کہا اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہاری عمریں لمبی کیں اور قوم ثمود کی عمریں تین سو سال سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں۔ زین بن اسلم نے کہا اس کے معنی ہے: زمین پر آباد ہونے کے لیے تمہیں جن چیزوں کی ضرورت تھی مثلاً مکان بنانے اور درخت اگانے کی تو اللہ تعالیٰ نے کا سامان تمہیں مہیا کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں نہریں کھودنے، درخت اگانے اور فصل تیار کرنے کا خیال ڈالا۔ [1]

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۰ھ)

مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي
وَءَاتَىٰنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ ٱللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُۥ ۖ فَمَا
تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾

انہوں نے کہا صالح! اس سے پہلے ہم تم سے کئی طرح کی امیدیں رکھتے تھے۔ (اب وہ ختم ہوگئیں) کیا تم ہمیں ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے ائے اور جس (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کی طرف سے تو ہم بڑے شبہ میں ہیں۔ (٦٢) صالح (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا۔ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو۔ (٦٣)

حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم نے ان سے کہا کہ جب تک آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور ہمیں توحید کی دعوت اور بت پرستی سے منع نہیں کیا تھا اس وقت تک ہمیں آپ کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں ہمارا خیال تھا کہ دنیا حاصل کرنے میں آپ ہمارے لیے بڑے

مددگار اور رہنما ثابت ہوں گے کیونکہ اعلان نبوت سے پہلے حضرت صالح (علیہ السلام) اپنی قوم کے ضعیفوں کی خبر گیری کرتے تھے اور ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے مگر آپ کی ان باتوں نے ہماری سب امیدوں پر پانی پھیر دیا آپ ہمیں باپ دادا کے طریقہ عبادت سے روکتے ہیں اور ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں ہم تو آپ کے اعلان توحید سے اس دین کے بارے میں شک وشبہ میں پڑ گئے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں۔

حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے پاس میرے رب کی واضح دلیل اور نشانی ہے اور اس نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا ہے مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے اگر میں اللہ کا پیغام اس کی مخلوق نہ پہنچاؤں ان کو شرک سے منع نہ کروں اور تمہارے کہنے پر اس کی نافرمانی میں تمہارا ساتھ دوں تو مجھے عذاب الٰہی سے کون بچائے گا، میرا ایمان ویقین ہے کہ مخلوق میرے ذرا بھی کام نہیں آسکتی تم مجھے نافرمانی کا مشورہ دے کر محض میرا نقصان اور خسارہ ہی بڑھا سکتے ہیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تمہاری تکذیب سے مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ
اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ

ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَيۡرُ مَكۡذُوۡبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا
وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَمِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا
فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۟
كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ﴿٦٨﴾

اور یہ بھی کہا کہ اے قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی (معجزہ) ہے۔ تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں قریب (واقع ہونے والا) عذاب آ پکڑے گا۔ (٦٤) پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب صالح (علیہ السلام) نے کہا (اچھا) تین روز تک اپنے گھروں میں اور مزے کرلو۔ یہ ایسا وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہوگا۔ (٦٥) پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے (انہیں بچالیا)۔ یقیناً آپ کا پروردگار بہت طاقتور زبردست ہے۔ (٦٦) اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت

میں عذاب) نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔(۶۷) گویا کبھی یہاں بسے ہی نہ تھے، سن لو! بیشک ثمود اپنے رب سے منکر ہوئے خوب سن لو! کہ قوم ثمود کی رحمت سے دور جا پڑی۔(۶۸)

جب حضرت صالح قوم ثمود کے سرداروں سے فرما چکے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے اسی ایک اللہ کی عبادت و بندگی کرو۔ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میری بات مانو۔ کہنے لگے کہ ہم اس بات کا کیسے یقین کرلیں کہ واقعی تمہیں اللہ نے پیغمبر بنا کر بھاجب ہے اگر تم سچے ہو تو سامنے پہاڑ ہے اس سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کراؤ جو کہ گابھن ہو اور وہ پیدا ہوتے ہی بچہ پیدا کرے۔ حضرت صالح نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوم کی اس فرمائش کو پیش کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح کی اس درخواست کو قبول کیا اور پہاڑ سے گابھن اونٹنی کو پیدا کیا جس نے کچھ دیر کے بعد ایک بچہ جنم دیا۔ اس اتنے بڑے معجزے کو دیکھ کر کسی نے بھی ایمان قبول نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ ان سب لوگوں میں سے صرف ایک شخص نے ایمان قبول کیا۔ بقیہ سب کے سب اپنے کفر پر قائم رہے۔ حضرت صالح نے پوری قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نے اللہ سے ایک اونٹنی کا مطالبہ کیا اور اللہ نے معجزے کے طور پر اس اونٹنی کو پیدا فرما دیا تو یہ اونٹنی تمہارے کنوئیں سے پانی پیئے گی لیکن اس دن تمہارے جانور پانی نہیں پیئیں گے اس طرح ایک دن اونٹنی پانی پیئے گی اور دوسرے دن تمہارے جانور پانی پی سکیں گے۔ ابتدا میں تو وہ سب اس کے لیے تیار ہوگئے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے جانوروں کو پانی نہیں مل رہا ہے اور ایک دن پانی نہ ملنے سے ان کے جانور مر رہے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اس اونٹنی کو مار دیا جائے تاکہ اس مشکل سے نجات مل جائے۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی معجزہ کے طور پر تمہیں

دی گئی ہے اس کو ستانا یا قتل کرنا تمہیں تباہ کر دے گا۔ مگر یہ نافرمان قوم باز نہ آئی اور ایک دن انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ جب حضرت صالح کو معلوم ہوا کہ اونٹنی کو مار دیا گیا ہے تب حضرت صالح کو یقینی ہو گیا کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم کے لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں بسر کر لیں۔ اس کے بعد اس قوم کو اس کی نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی۔ چنانچہ تیسرے دن ایک ہیبت ناک آواز پوری گھن گھرج کے ساتھ سنائی دی۔ اس آواز سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں بند ہو گئیں، جب کہ وہ میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے، اسی حالت میں ہلاک کر دیئے گئے ان کا مال و دولت، بلند و بالا عمارتیں ان کے کسی کام نہ آسکیں اور اس طرح قوم ثمود اپنے برے انجام کو پہنچ گئی۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھا اور ان کو نجات عطا فرما دی گئی۔

جب حضرت صالح نے دیکھا کہ پوری قوم مردہ حالت میں پڑی ہوئی ہے تو کہہ اٹھے۔

"اے میری قوم میں نے اللہ کا پیغام اور نصیحت پہنچا دی تھی لیکن تمہیں تو وہی لوگ برے لگتے تھے جو تمہیں صنیحت کرتے تھے (سورہ الاعراف)"

قرآن کریم کا یہی ایک اسلوب بیان ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اور اس کے ماننے والوں کو عذاب سے محفوظ رکھا اور ان قوموں کو اور ان کے افراد کو تہس نہس کر دیا جنہوں نے نافرمانی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔

الخزی کا معنی "خزی" کا معنی ہے رسوائی، اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو خزی اس لیے فرمایا ہے کہ اس کی رسوائی بعد میں بھی باقی رہنے والی تھی اور ان معذبین کو بعد میں عبرت کا نشان بنا دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے

حضرت صالح (علیہ السلام) اوران کے ساتھ ایمان لانے والوں کواپنی رحمت سے اس عذاب سے نجات دی اوران کی قوم میں سے کافروں پر عذاب نازل ہوااوران کے لیے وہ عار کا سبب ہو گیا اوران کی طرف اس عذاب کی ذلت منسوب ہوگئی کیونکہ الخزی اس عیب کو کہتے ہیں جس سے کسی شخص کی رسوائی ظاہر ہوتی ہے اوراس قسم کے عیب کے لگنے سے حیا کی جاتی ہے۔

علامہ قرطبی مالکی متوجی ٦٦٨ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ جبرائیل کی چیخ تھی اورایک قول یہ ہے کہ یہ آسمان سے ایک چنگھاڑ آئی تھی جس میں ہر بجلی کی کڑک تھی، جس کی ہیبت اور ہولنا کی سے ان کے دل پھٹ گئے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ جب ان کوعذاب آنے کا یقین ہو گیا توانہوں نے ایک دوسرے سے کہا: اگر وہ عذاب آ گیا توتم کیا کرو گے۔ پھر عذاب سے مقابلہ کے لیے انہوں نے اپنی تلواریں اور اپنے نیزے سنبھال لیے اوراپنے جتھوں کو تیار کرلیا، ان کے بارہ ہزار قبیلے تھے اور ہر قبیلہ میں بارہ ہزار جنگجو تھے، وہ تمام راستوں پر بیٹھ گئے اوروہ اپنے گمان میں عذاب سے لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو حکم دیا جوسورج کے ساتھ موکل ہے کہ ان کوگرمی کا عذاب پہنچائیں پھر سورج کی گرمی سے ان کے ہاتھ جل گئے اور پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں لٹک کر سینے تک پہنچ گئیں اورجن کے ساتھ جانور تھے وہ مر گئے اورچشموں کا پانی جوش سے ابلنے لگا، پھر اللہ تعالیٰ نے موت کے فرشتے کو حکم دیا کہ غروب آفتاب تک ان کی روحیں قبض کرلی جائیں، پھر ایک گرج دار چنگھاڑ سنائی دی جس سے وہ سب منہ کے بل گر کر ہلاک ہو گئے۔ (١)

﴿ وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَآ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ

١۔ (الجامع لاحکام القرآن جز٩ ص ٥٦۔٥٥، مطبوعہ دارالفکر، ١٤١٥ھ)

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾

اور ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے سلام علیکم کہا ابراہیمؑ نے بھی سلام علیکم کہا پھر جلد ہی ایک بھنا ہوا بچھڑا لے کر آئے۔ (٦٩) پھر جب (ابراہیم (علیہ السلام) نے) دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں اجنبی سمجھا اور (اپنے) دل میں ان سے کچھ خوف محسوس کرنے لگے، وہ بولے ڈرو مت! ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (٧٠)

جبرائیل امین (علیہ السلام) اور ان کے ساتھ بارہ فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس اور اس کے بیٹے حضرت اسحاق (علیہ السلام)، کی بشارت لے کر آئے اور آتے ہی انہوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام) نے انکو سلام کیا اور اگر بغیر الف کے سلم پڑھا جائے تو مقصود سلامتی اور عافیت ہوئی، پھر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) فوراً ایک پکا ہوا فربہ بچھڑا لائے اور ان کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد اور ان کی بشارت میں مختلف اقوال امام جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں: (١) حضرت ابن

عباسؓ اور سعید بن جبیر نے کہا یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل تھے۔ (۲) مقاتل نے کہا: یہ حضرت جبرئیل، حضرت میکائل اور حضرت عزرائیل تھے۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بارہ فرشتے تھے۔ (۴) محمد بن کعب نے کہا ہے کہ یہ آٹھ فرشتے تھے۔ (۵) ضحاک نے کہا: یہ نو فرشتے تھے۔ (۶) ماوردی نے کہا: یہ چار فرشتے تھے۔

یہ فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جو بشارت لے کر آئے تھے اس بشارت کے متعلق امام ابن الجوزی نے حسب ذیل اقوال لکھے ہیں: (۱) حسن نے کہا: وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بیٹے کی بشارت دینے آئے تھے۔ (۲) قتادہ نے کہا: وہ حضرت لوط (علیہ السلام) قوم کی ہلاکت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔ (۳) عکرمہ نے کہا: وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو نبوت کی خوشخبری دینے آئے تھے۔ (۴) الماوردی نے کہا: وہ یہ بشارت دینے آئے تھے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ان کی پشت سے خروج ہوگا۔ [۱]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خوف زدہ ہونے کی وجوہ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب عربوں کے پاس کوئی مہمان جاتا اور وہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا تو وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ شخص کسی نیک ارادہ سے نہیں آیا اور وہ اپنے دل میں کوئی برا منصوبہ لے کر آیا ہے اس وجہ سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان سے خوف زدہ ہوئے۔ جندب بن سفیان نے کہا: ان کے ہاتھوں میں تیر تھے اور وہ تیروں سے اس بھنے ہوئے بچھڑے کو کریدنے لگے، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو یہ بات بہت عجیب لگی اس وجہ سے وہ خوف زدہ ہوئے۔ [۲]

۱۔ (زاد المیر ج ۵ ص ۱۲۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (جامع البیان جز ۱۲ رقم الحدیث: ۱۴۱۳۶، ۱۴۱۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

وَامۡرَاَتُهٗ قَآٮِٕمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ
اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ
شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ
رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ
مَّجِيۡدٌ ﴿۷۳﴾

اور ابراہیمؑ کی بیوی جو پاس کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوش خبری سنائی۔(۷۱) "وہ بولی" ہائے میری کم بختی، کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جب کہ میں بڑھیا ہوگئی اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔(۷۲) فرشتوں نے کہا کیا تو خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہی۔ بیشک وہ خوبیوں والا، بزرگی والا ہے۔(۷۳)

حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی خوشخبری

یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گزاری یا اور کسی کام کے لیے وہاں کھڑی تھیں اس ڈر کے رفع

ہونے سے خوش ہوکر ہنس پڑیں۔حق تعالیٰ نے خوشی پر اور خوشیاں سنائیں کہ تجھ کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ (اسحاق (علیہ السلام)) اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہوگا۔جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹا (اسمٰعیل (علیہ السلام)) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی موجود تھا۔سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔مگر بوڑھی ہوکر مایوس ہوچکی تھی۔اس وقت یہ بشارت ملی۔بعض علماء نے بیان کیا۔علماء نے (وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ)11۔ہود:71) سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحاق ”ذبیح“ نہ تھے۔ اسماعیل (علیہ السلام) تھے۔

حضرت سارہ علیہ السلام کی ہنسی کی وجہ

سدیؒ نے کہا: ہنسی کا سبب تعجب تھا۔حضرت ابراہیم نے کھانا پیش کیا' مہمانوں نے نہیں کھایا۔حضرت ابراہیم کو ان کی طرف سے خوف ہوا' خیال کیا کہ کہیں یہ چور نہ ہوں۔ پوچھا: کیوں نہیں کھاتے؟ مہمانوں نے کہا: ہم بغیر قیمت (ادا کئے) نہیں کھاتے۔حضرت ابراہیم نے کہا: تو اس کی قیمت دے دو۔مہمانوں نے پوچھا: قیمت کیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا اور کھانے کے بعد الحمد اللہ کہنا۔یہ جواب سن کر حضرت جبرائیل نے حضرت میکائل کی طرف دیکھا اور کہا: اس شخص کو حق ہے کہ اللہ اس کو اپنا خلیل بنالے۔اس کے بعد بھی حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ نے مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھے تو حضرت سارہ تعجب سے ہنس دیں اور بطور تعجب کہا: ہم ان مہمانوں کی خدمت کررہے ہیں' ان کے اعزاز میں کھانا پیش کررہے ہیں' تعجب ہے کہ یہ نہیں کھاتے۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ایک سو بیس سال کے تھے، ایک قول یہ ہے: سو سال کے تھے۔مجاہد کے

قول کے مطابق آپ حضرت سارہ سے ایک سال زائد عمر کے تھے، ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے قول وھذا بعلی شیخاً کے ذریعے عذر پیش کیا حضرت سارہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کی بیوی اور ہاران بن ناخور بن شاروع بن ارغو بن فالغ کی بیٹی تھی، اور یہ حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کے چچا کی بیٹی تھی۔ ان ھذا الشیء عجیب یعنی جس کی تم نے مجھے بشارت دی یہ عجیب وغریب بات ہے۔

ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت میں شامل ہیں

شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل نہ تھیں آیۃ میں شیعہ کے اس قول کی تردید ہے حضرت سارہؓ کو اہل بیت کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے لغت کے الفاظ سے اہل خانہ تو بیویاں ہی حقیقت میں ہوتی ہیں دوسرے لوگوں کو تو تبعاً اہل بیت کہا جاتا ہے۔

فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا: اے اہل بیت! اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء (علیہم السلام) کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں، پس حضرت عائشہؓ وغیرہ بھی اہل بیت سے ہیں اور اس آیت میں داخل ہیں: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (الاحزاب: ۳۳) اے رسول کے اہل بیت! یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کردے۔ ⑴

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝٧٤ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۶۳، روح المعانی جز ۱۲ ص ۱۰۹)

مُّنِيۡبٌ ۝٧٥ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ
رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُوۡدٍ ۝٧٦

پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشی کی خبر بھی ملی تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ (٧٤) بیشک ابراہیم علیہ السلام بردبار، نرم دل (اور) رجوع کرنے والے تھے۔ (٧٥) اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو۔ تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے۔ اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ (٧٦)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا: تم کس کام سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا۔ اگر پچاس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر کم کرتے کرتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اگر دس مسلمان ہوں؟ انہوں نے کہا: اگر اس بستی میں دس میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر ہے اور وہ حضرت لوط اور ان کے گھر والے ہیں، پھر کہا: اے ابراہیم! اس بات کو چھوڑیں، ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور یہ آپ کے رب کا حکم ہے۔ امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے فرشتوں سے کہا: یہ بتاؤ اگر سو مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کردو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر کہا: اگر نوے مومن ہوں تو تم ان کو ہلاک کردو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! حضرت ابراہیم نے کہا: اگر

اسی ہوں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ستر ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ساٹھ ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر پچاس ہوں تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ کہا: اگر ان میں صرف ایک مسلمان ہو تو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ان میں صرف ایک مسلمان ہے حضرت ابراہیم نے کہا: اس بستی میں لوط ہیں؟ فرشتوں نے کہا: ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قالوا نحن اعلم بمن فیھا لننجینہ واھلہ الا امراتہ کانت من الغابرین۔ (العنکبوت: ۳) فرشتوں نے کہا: ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ان میں ہیں، ہم لوط کو اور ان کے گھر والوں کو ضرور نجات دیں گے، ماسوا ان کی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے ہے۔ [۱]

آپ کی بردباری اور تحمل ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوط عیہ السلام کی قوم جو دنیا کی اقوام میں سے ایک انوکھی قوم تھی اور بدکاری و بدکرداری اور غیر فطری افعال میں آپ اپنی مثال تھی ان سے انتقام لینے میں جلد بازی سے روک رہے تھے حالانکہ وہ جلد بازی نہ تھی بلکہ ایک مدت گزرنے کے بعد ان کے فیصلے کا وقت قریب آچکا تھا لیکن اس کے باوجود ابراہیم (علیہ السلام) ان کے عذاب کو موخر کر دینے کی اپیلیں کر رہے تھے اور اس وقت تک وہ بات کرتے رہے جب تک کہ ان کو واضح طور پر بتا نہ دیا گیا کہ یہ فیصلہ الٰہی ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں۔

ارشاد ہوا ابراہیم اس سفارش پر اصرار مت کرو، قوم لوط کی ہلاکت کے بارے میں تمہارے پروردگار کا حکم آچکا، ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِہِمۡ وَضَاقَ بِہِمۡ ذَرۡعًا

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱٤١٦٢، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ
وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ
بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ
اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿٧٨﴾

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑا مشکل دن ہے۔(۷۷) اور ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس آپہنچے، اور وہ پہلے ہی برے کام کرتے تھے، لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟۔(۷۸)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس آیت میں وضاق بہ ذرعا کا معنی ہے فرشتوں کے آنے سے حضرت لوط کا دل تنگ ہو گیا، اس کی اصل یہ ہے کہ اونٹ چلتے وقت اپنے اگلے پیروں سے اپنے قدموں کی گنجائش کی پیمائش کرے اور جب اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بار لادا جائے تو وہ تنگ ہوتا ہے، ذرع کا معنی گلبہ بھی ہے ذرعہ القئی کا معنی ہے اس کو قے آ گئی یعنی وہ کسی ناموافق چیز کو اپنے اندر روکنے سے تنگ ہو گیا

اور وہ اس پر غالب آ گئی۔ حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے اور وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم امرد پرست اور اغلام باز ہے تو ان کو یہ پریشانی ہوگئی کہ وہ ان خوبصورت لڑکوں کو اپنی بدکردار قوم سے کیسے بچائیں گے۔ [۱]

عصیب، عصب کا معنی ہے لپیٹنا، موڑنا، باندھنا، اجتماع کرنا، احاطہ کرنا (المنجد) عصبۃ کا معنی ہے جماعت، کسی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کو بھی عصیب کہتے ہیں، ناگوار شر کے مجموعہ کو بھی عصیب کہتے ہیں اور کسی چیز کی شدت ظاہر کرنے کو بھی عصیب کہتے ہیں۔ [۲]

لوطؑ کے پاس فرشتوں کی آمد

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جب فرشتے حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ اپنی زمین میں کام کر رہے تھے اور فرشتوں سے یہ کہا گیا کہ ان کی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہ کرنا جب تک حضرت لوط ان کے خلاف گواہی نہ دیں۔ فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ ہم آج رات آپ کے پاس بطور مہمان رہنا چاہتے ہیں، کچھ دیر بعد حضرت لوط نے ان سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ اس بستی والے کیسے کام کرتے ہیں؟ بخدا میں روئے زمین پر ان سے زیادہ خبیث لوگوں کو نہیں جانتا، پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، پھر دوبارہ ان سے یہی کہا اور ان کو لے کر چل پڑے۔ جب حضرت لوط کی بیوی نے ان کو دیکھا تو وہاں کے لوگوں کو جا کر بتا دیا۔ [۳]

۱۔(الجامع لاحکام القرآن جز۹،ص۶۶،مطبوعہ دار الفکر،۱۴۱۵ھ)

۲۔(الجامع لاحکام القرآن ج۹،ص۶۷)

۳۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۴۱۶۷،مطبوعہ دار الفکر بیروت،۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس سے اٹھ کر حضرت لوط (علیہ السلام) کی بستی میں گئے اور ان دونوں بستیوں کے درمیان چار فرسخ (بارہ شرعی میل) کا فاصلہ تھا وہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس انتہائی خوبصورت بے ریش لڑکوں کی شکل میں گئے، حضرت لوط (علیہ السلام) یہ نہیں پہچان سکے کہ یہ فرشتے ہیں۔

ابن جریج ؒ نے کہا یعنی مرد مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے تھے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں۔

مجاہد نے کہا: وہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی اپنی بیٹیاں نہیں تھیں، وہ ان کی امت کی بیٹیاں تھیں اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ (۲)

قتادہؒ نے کہا: حضرت لوطؑ نے فرمایا: ان عورتوں سے نکاح کرلو، (ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ ان سے بدکاری کرو) اور اس سے اللہ تعالیٰ کے نبی کی مراد یہ تھی کہ ان بیٹیوں سے نکاح کے ذریعہ اپنے مہمانوں کی عزت بچائیں۔ (۳)

امام محمد بن اسحاق ؒ نے کہا کہ جب فرشتے حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے اور ان کی قوم کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس حسین وجمیل بے ریش لڑکے آئے ہیں، ان کو یہ خبر حضرت لوطؑ کی بیوی نے پہنچائی تھی اس نے ان سے کہا: میں نے اس سے پہلے اتنے حسین اور جمیل لڑکے نہیں دیکھے اور وہ لوگ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے اور ان سے پہلے کسی نے یہ

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۴۱۸۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۴۱۸۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۱۰۶۶)

۳۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۴۱۸۶)

خلاف فطرت کام نہیں کیا تھا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے اور کہا: کیا ہم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص نہ آئے اگر کوئی آیا تو ہم اس سے یہ بے حیائی کا کام کریں گے، تب حضرت لوط نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں، میں ان بیٹیوں سے نکاح کرنے کو اپنے مہمانوں کو فدیہ دیتا ہوں اور حضرت لوط (علیہ السلام) نے ان کو یہ دعوت دی تھی کہ وہ حرام کام کو ترک کر کے حلال نکاح کر لیں۔ [۱]

سعید بن جبیرؒ نے کہا: یعنی قوم کی عورتوں سے نکاح کر لو جو ان کی بیٹیاں ہیں اور وہ ان کے نبی ہیں، کیونکہ نبی امت کا بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وازواجہ امھتھم (الاحزاب۔٦) اور نبی کی ازواج امت کی مائیں ہیں۔ [۲]

﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ ﴾

انہوں نے کہا آپ خوب جانتے ہیں آپ کی (قوم) کی بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہے۔ (٧٩) لوط (علیہ

۱۔ (جامع البیان رقم الھدیث: ۱٤۱۹۰، مطبوعہ بیروت، ۱٤۱۵ھ)

۲۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱٤۱۸۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۰٦۷)

السلام) نے کہا کاش! تمہارے مقابلہ میں مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا۔(۸۰)

قتادہؒ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ کاش میری حمایت میں کوئی قبیلہ ہوتا، ابن جریج نے کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے بعد جو نبی بھی بھیجا گیا، اس کی پشت پر کوئی قبیلہ ہوتا تھا حتیٰ کہ ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پشت پر بھی بنو ہاشم کا قبیلہ تھا۔[۱]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت لوط کی مغفرت فرمائے وہ بیشک رکن شدید کی پناہ کی خواہش کرتے تھے۔[۲]

امام ترمذی کی روایت میں اس حدیث کے بعد یہ اضافہ بھی ہے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا، اس کو اس کی قوم کے مضبوط قبیلہ سے بھیجا۔[۳]

قَالَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ لوط (علیہ السلام) پر رحم فرمائے کہ وہ زبردست رکن (یعنی اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں گئے تھے۔"[۴]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوط (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ وہ مضبوط سہارے کو پکڑنا چاہتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کیے ہوئے

۱۔(جامع البیان جز ۱۲، ص ۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۵ھ)

۲۔(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۳۷۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۱)

۳۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱٦، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۸۱)

۴۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (ولوطا إذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ۔۔ الخ): ۳۳۷۵]

تھے)، جب انھوں نے کہا: (لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ) [ھود: ۸۰]، تو ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے مبعوث فرمایا۔" (۱)

﴿ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ ﴾

فرشتوں نے کہا کہ اے لوط! ہم تمہارے رب کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے، تو کچھ رات سے اپنے گھر والوں کو لے کر چل نکلو اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے مگر آپ کی بیوی کو وہ آفت پہنچ کر رہے گی جو ان کو پہنچنے والی ہے ان کے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دور ہے؟

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: حضرت لوط (علیہ السلام) پر ان کی قوم غالب آنے لگی وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے اور حضرت لوط دروازہ کو بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، اس وقت ان سے فرشتوں نے کہا: آپ دروازہ سے ہٹ جائیں، حضرت لوط ہٹ گئے اور

۱۔[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سور ※ یوسف: ۳۱۱۶۔ بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قولہ: (ونبئھم عن ضیف ۔۔): ۳۳۷۲۔ ابن حبان: ۶۲۰۶، ۶۲۰۷]

دروازہ کھل گیا۔ پھر حضرت جبرائیل نے اپنا پر مارا تو وہ سب اندھے ہو گئے اور الٹے پاؤں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے بھاگے، جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولقد راودوہ عن ضیفہ فطمسنا اعینھم فذوقوا عذابی ونذر۔ (القمر: ۳۷) اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کے ساتھ برے کام کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا، سو اب میرے عذاب اور میری وعید کا مزہ چکھو۔ [1]

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور بعض دیگر صحابہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے جب حضرت لوط نے کہا: کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی! یا میں کسی مضبوط قبیلہ کی پناہ میں ہوتا تو حضرت جبرائیل نے اپنے پر پھیلائے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ بچاؤ بچاؤ کہتے ہوئے الٹے پیر بھاگے، انہوں نے کہا کہ لوط کے گھر میں روئے زمین کا سب سے بڑا جادوگر ہے۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں، یہ لوگ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے، آپ اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصہ میں روانہ ہو جائیں اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے، البتہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو شام کی طرف لے گیا۔ حضرت لوط نے کہا ان کو اسی وقت ہلاک کر دو۔ فرشتوں نے کہا، ہمیں صبح کے وقت انہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیا صبح قریب نہیں پھر رات کے پچھلے پہر حضرت لوط اور ان کے اہل روانہ ہو چکے تھے اور ان کی قوم کو سنگسار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انا ارسلنا علیھم حاصبا الا ال لوط نجینھم بسحر (القمر: ۳۴) بیشک ہم نے ان پر سنگ باری کا عذاب

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بھیجا ماسوا آل لوط کے ہم نے رات کے پچھلے پہر ان کو نجات دی۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (۱)

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۙ مَّنْضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾ ﴾

پھر جبکہ ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے وہ بستیاں الٹ دیں اور برسائیں اس پر پتھریاں کھنگر کی، تہ بتہہ (لگاتار)۔ (۸۲) تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ تھے۔ (۸۳)

قوم لوط کی بستی الٹنے کے متعلق روایات

محمد بن کعب القرظیؒ نے کہا جن بستیوں میں قم لوط رہتی تھی، حضرت جبرائیل ان کے نیچے اپنا پر رکھ کر ان بستیوں کو آسمان کی طرف لے کر چڑھ گئے حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آوازیں سنیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر لگاتار نشان زدہ پتھر برسائے اور حضرت جبرائیل نے اس زمین کو الٹ دیا اور نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور جن بستیوں کو پلٹا گیا تھا وہ پانچ تھیں: صیغہ، صغرہ، عمرہ، دوما اور سدوم اور یہ سب سے بڑی بستی تھی۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ بدکاری کی مجلسیں برپا

۱۔ (المستدرک ج ۲، ص ۵۶۳، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

کرنے والوں، ان کی دعوت دینے والوں اور ان میں جانے والوں سب پر کنکریاں برسائی گئیں اور ان میں سے کوئی نہیں بچ سکا۔ (۱)

سجیل کا معنی مجاہد نے کہا: سجیل فارسی کا لفظ ہے، سنگ وگل یعنی پتھر اور کیچڑ۔ ابن زید نے کہا: سجیل آسمان دنیا کا نام ہے یعنی قوم لوط پر آسمان دنیا سے پتھر برسائے گئے۔ زجاج نے کہا سجیل کا معنی ہے بھیجی ہوئی، نیز زجاج نے کہا: سجل کتاب کو کہتے ہیں اور یہ کنکریاں کیونکہ کتاب کی طرح لکھی ہوئی تھیں، اس لیے ان کو سجیل فرمایا۔ فراء نے کہا اس کا معنی ہے پکی ہوئی مٹی۔ (۲)

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں: النحاس نے کہا ہے سجیل کا معنی ہے جو سخت اور زیادہ ہو۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے سخت، ان کے علاوہ وہ معانی لکھے ہیں جو ہم نے امام ابن جریر سے نقل کیے ہیں۔ (۳)

قوم لوط کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سزا ظالموں سے کچھ دور نہ تھی۔ حسن نے کہا: اس کا معنی ہے سنگسار کرنے کی سزا، ظالموں سے یعنی قوم لوط سے کچھ دور نہ تھی۔ مجاہد نے کہا اس سے کفار قریش کو ڈرایا ہے یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی قوم کے ظالموں سے بھی یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔ قتادہ اور عکرمہ نے کہا: اس امت کے ظالموں سے یہ سزا کچھ بعید نہیں ہے۔ پتھر برسانے کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیل نے اس بستی کو اوپر اٹھایا تو اس پر پتھر برسائے گئے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ پتھر ان لوگوں پر برسائے گئے جو اس وقت بستیوں میں نہ

۱۔ (تفسیر امام ابی حاتم ج ٦، ص ٢٠٦٨۔ ٢٠٦٧، رقم الحدیث: ١٠١٠٠، ١١٠٩٨، ١١٠٩٧)

۲۔ (جامع البیان جز ١٢، ص ١٢٤۔ ١٢٢، ملخصاً، مطبوعہ بیروت)

۳۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٩، ص ٧٣، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

تھے، بلکہ بستیوں سے باہر تھے۔

اس امت کو سنگسار کرنے کے متعلق روایات علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶٦٨ھ لکھتے ہیں : روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ مرد مردوں سے جنسی لذت حاصل کریں گے اور عورتیں عورتوں سے اور جب ایسا ہو تو تم ان پر قوم لوط کے عذاب کا انتظار کرنا کہ اللہ ان پر سجیل کی کنکریاں برسائے گا پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تلاوت کی: وما ھی من الظلمین ببعید۔ دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دن اور رات کا سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ اس امت کے مرد، مردوں کی پشت کو حلال کرلیں گے جیسا کہ انہوں نے عورتوں کی پشت کو حلال کرلیا ہے پھر امت کے ان لوگوں پر سنگ باری ہوگی۔ (۱)

علامہ قرطبی کی ذکر کردہ یہ حدیثیں کسی کتاب میں نہیں مل سکیں البتہ امام ابن عساکر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے: حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قوم لوط دس کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی اور میری امت ان سے ایک کام زیادہ کرے گی۔ (وہ دس کام یہ ہیں:)

(۱) مردوں کا مردوں سے جنسی خواہش پوری کرنا (۲) غلیل مارنا (۳) کنکر مارنا (۴) حمام میں کھیلنا (۵) دف بجانا (٦) خمر (شراب) پینا (۷) داڑھی کاٹنا (۸) مونچھیں لمبی رکھنا (۹) سیٹی اور تالی بجانا (۱۰) ریشم پہننا اور میری امت ایک کام اور زیادہ کرے گی، وہ ہے عورتوں کا عورتوں سے جنسی خواہش پوری کرنا۔ (۲)

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۹، ص ۷٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۵ھ)

۲۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۱ ص ۲٤۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۰۱٤)

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر تم کسی کو پاؤ کہ وہ قوم لوط کا سا عمل کرتے ہیں تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔" ①

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ ﴾

اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، آج میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں لیکن میں تمہیں ایک ایسے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم سب کو گھیر لے گا۔

شعیب (علیہ السلام) اور ان کی قوم کا تعارف

قرآن کریم میں حضرت شعیب (علیہ السلام) اور آپ کی قوم کا تذکرہ سورہ اعراف میں قدرے تفصیلا گزر چکا ہے۔ حضرت شعیب (علیہ السلام) کا زمانہ تقریباً سولہویں صدی قبل مسیح بیان کیا گیا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کی والدہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت شعیب (علیہ السلام) کا سلسلہ نسب چوتھی یا پانچویں پشت میں حضرت

۱۔ [أبوداؤد، کتاب الحدود، باب فیمن عمل عمل قوم لوط: ٤٤٦٢ ـ ترمذی، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد اللوطی: ١٤٥٦]

ابراہیم (علیہ السلام) سے مل جاتا ہے۔ حضرت شعیب (علیہ السلام) کی بعثت مدین میں ہوئی تھی۔ مدین کسی مقام کا نام نہیں بلکہ قبیلہ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا۔ جو آپ کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوئے تھے۔ اہل مدین جزیرہ نمائے سینا اور حجاز کے شمال مغرب حصوں میں آباد تھے۔ یہ جگہ شام' افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کے ملنے کی جگہ تھی۔ تاریخ میں اہل مدین ایک تاجر قوم کی حیثیت سے نمایاں تھی جس نے قومی حیثیت سے اس پیشہ کو اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کاروبار اور تجارت کے سلسلہ کے تمام عیوب اور بدعنوانیاں اس قوم میں پائی جاتی تھیں۔ ناپ تول میں کمی، لین دین میں بے ایمانی' خرید وفروخت میں دھوکا دہی اور غیر دیانتداری' سود بٹہ اس قسم کی تمام دوسری گمراہیاں اور بداعمالیاں جو تجارت پیشہ طبقوں سے مخصوص ہیں۔ ان میں موجود تھیں۔

اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے توحید کی دعوت دینے کے بعد ان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو کام زیادہ اہم ہو اس کی دعوت دیں کفر کے علاوہ ان کی بری عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس کچھ بیچنے کے لیے آتا تو وہ تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے، اتنا لے لیتے اور جب وہ خود کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ سو یوں وہ خرید وفروخت دونوں میں دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے، پھر حضرت شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا: میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت فراوانی سے مال و دولت کے ساتھ نوازا ہے پھر تم کو ان ناجائز طریقوں سے مال و دولت جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس کے بعد فرمایا: مجھے تم پر احاطہ کرنے والے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ احاطہ کرنا یا تو عذاب کی صفت ہے یعنی جس عذاب سے کوئی عذاب کا مستحق بچ نہیں سکے گا، یا محیط اس دن کی صفت ہے پھر یہ کونسا عذاب

ہے؟اس میں بھی اختلاف ہے،بعض علماء نے کہا اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے کیونکہ یہی وہ دن ہے جو تمام معذبین کے عذاب کو محیط ہوگا اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ عذاب ہے جو حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قوم کے کافروں کو دنیا میں ملیا میٹ کرنے کے لیے آنے والا تھا جیسا کہ تمام انبیاء سابقین (علیہم السلام) کی امتوں کے کافر لوگوں پر ایسا عذاب آتا رہا ہے اور بعض مفسرین نے کہا،اس عذاب سے مراد عام ہے خواہ دنیاوی عذاب ہو یا قیامت کے دن کا عذاب ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت

اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور ثانی الذکر کی طرف حضرت شعیب (علیہ السلام) نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا اور ناپ تول میں کمی کرنا بہت قبیح جرم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید سے معنون فرمائی ہے۔ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العلمین۔(المطففین:٦-١) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے۔جو لوگ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب انہیں ناپ کردیں یا تول کردیں تو گھٹا کردیں کیا وہ لوگ یہ گمان نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا عظیم دن میں جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے۔اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیچنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز تول کر فروخت کرے تو سودے کا پلڑا جھکتا ہوا رکھے۔حضرت سوید بن مخرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مخرمہ ہجر سے ایک بزاز کے پاس آئے ہم نے ایک شلوار کی قیمت لگائی اور میرے پاس ایک شخص تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا۔نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا:

وزن کرو اور جھکتا ہوا دو۔ (۱)

﴿ وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ ﴾

اور اے میری قوم! ناپ تول پورا پورا دیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

ناپ تول میں انصاف کرو

جس طرح ہر قوم کی بیماریوں مختلف تھیں شعیب (علیہ السلام) کی قوم کی بھی کچھ مخصوص بیماریاں تھیں۔ آپ کی قوم مدین اور اس کے نواحی علاقہ میں آباد تھی یہ شہر بحر احمر کے اس مقام پر آباد تھا۔ جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ یمن و شام اور عراق و مصر کے قافلے یہیں سے گزرتے تھے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مدین کتنی بڑی تجارتی منڈی تھی اور وہاں کاروبار کا کیا حال ہوگا اور وہاں کے باشندے کتنے آسودہ حال ہوں گے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ہر قوم اپنے مخصوص حالات اور ماحول کی وجہ سے مخصوص اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اہل مدین چونکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی میں آباد تھے اور کاروبار میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس لیے ان میں وہی کمزوریاں پوری شدت سے رونما ہوئیں جو عام طور پر اس ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں۔ ناپ تول میں

۱۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۳۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۴۳۴۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷، ص ۵۸۰، مسند احمد ج ۴، ص ۳۵۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۰۵، ۴۶۰۶)

خیانت، لیتے وقت زیادہ ناپنا اور زیادہ تولنا اور دیتے وقت کم ناپنا اور کم تولنا اور پھر یہ کہ لینے دینے والوں کو پتہ بھی نہ چلنے دینا یہ ان کا خاص فن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ جھکتا دے رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ پچاس گرام فی کلوکم ہی ہوتا۔ آپ نے اس حرکت سے انہیں باز رہنے کی تلقین کی۔

شعیب (علیہ السلام) کو حسن خطابت الانبیاء کا لقب دیا گیا ہے آپ کا یہ خطبہ جو ان آیات میں مذکور ہے کتنا حکیمانہ اور مدلل ہے۔ پہلے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ یہ گھٹیا حرکت تو وہ کرتے ہیں جو غریب اور نادار ہوں لیکن تمہاری مالی حالت تو بہتر ہی بہتر ہے، تم آسودہ حال ہو، کاروبار بڑے عروج پر ہے، اتنے متمول ہونے کے باوجود تمہارا ان رذیل ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا تمہاری شان کے بھی خلاف ہے۔ غور کیجیے کہ کس عمدہ طریق سے انہیں شرم دلائی جارہی ہے اور اس فعل سے انہیں روکا جارہا ہے اور یہ تنبیہ بھی کی جارہی ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس چابکدستی سے ڈنڈی مارتے ہو کہ تم لوگوں کی سادہ لوحی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نفع کمالو اور تھوڑی سی مدت میں امیر کبیر بن جاؤ اور تمہارا خیال ہے کہ اگر تم نے بہت دولت اکٹھی کرلی تو امن وسلامتی اور راحت وشادمانی کا دور دورہ ہوگا لیکن تمہارا یہ خیال درست نہیں۔ ناجائز معاشی استحصال کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے اس سے آخر فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہی لوگ جو آج تمہیں کمزور اور بے زبان نظر آرہے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا یہ نظریہ ہے کہ ان کے جسم سے جتنا بھی خون نکال لیا جائے یہ اف تک نہیں کریں گے ان میں تو احتجاج کی سکت تک نہیں لیکن جب ظلم وتشدد کی انتہا ہوجائے گی تو ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائے گا اور مہر خاموش ٹوٹ جائے گی۔ ان کی بے نور آنکھوں سے غیظ وغضب کے انگارے چھوٹیں گے۔ ان کی زبان شعلہ نوا بنے گی اور تمہارے ان عشرت کدوں اور تمہارے سامان تعیش کو جلا کر

راکھ کا ڈھیر بنادے گی۔ تم انہی باغی کہو اور، فسادی اور فتنہ باز کہو گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فتنہ وفساد کا باعث تم ہو، سارا ایندھن تم نے فراہم کیا انہوں نے تو صرف آگ لگادی۔ یہ ہلاکت خیز بم تو تم ہی نے تیار کیا انہوں نے تو جوش انتقام میں صرف اس کا بٹن آن کیا۔

معاشی میدان میں ناجائز وسائل سے نفع اندوزی کرنے والوں کو فساد بپا کرنے والا کہہ کر ایک تلخ لیکن ناقابل انکار حقیقت سے پردہ اٹھایا۔ آج دنیا میں کتنے ممالک ہیں جن میں بے چینی اور بے اطمینانی کا سیلاب امڈا چلا آرہا ہے معاشی زبوں حالی کی وجہ سے کتنے ممالک انقلاب کی آماجگاہ بنے، کتنے شاہی خاندانوں کو ان کی نادار اور کمزور رعایا نے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا، کیا یہ چیزیں ہمیں بے وار کرنے کے لیے کافی نہیں؟ آپ مجموعی طور پر پوری دنیا پر نظر ڈالیں تو سب سے زیادہ بے چینی ان ہی ممالک میں نظر آئے گی جن میں اکثریت قوم مسلم کی ہے، کیوں؟ آپ اپنے اس ملک عزیز پر نگاہ دوڑائیں اور ان خاندانوں کا مطالعہ کریں جو اس وقت کے اور اس ملک کے فراعنہ ہیں کیا ان کی دولت، ان کے اقتدار، ان کے مال ومتاع نے ان کو اطمینان دیا ہے؟ جب سے یہ ملک تقسیم ہو کر پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آیا سوائے چند معدودے خاندانوں کے نرغے سے اقتدار باہر نکلا؟ اچھا ان خاندانوں میں جن میں اقتدار رہا اور اس وقت موجود ہے ان میں اطمینان ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لو کہ قرآن کریم نے جو وجوہ بیان کئے وہ بالکل حق اور درست ہیں جو آج سے صدہا سال پہلے کتنی وضاحت سے بیان فرمادیئے۔ اب ان سے نصیحت حاصل کرنا تو ہمارا فرض ہے۔ اگر ہم فساد فی الارض کریں تو ہمارا انجام بھی بالکل وہی ہوگا جو پہلے مفسدین کا ہوا۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا

عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿٨٦﴾

اگر تم میرا کہا مانو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

مجاہدؒ نے کہا بقیۃ اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، یعنی تم جو ناپ تول میں کمی کر کے مال جمع کر رہے ہو اس سے یہ بہتر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کا ثواب تمہارے پاس ہمیشہ باقی رہے گا۔قتادہؒ نے کہا اس سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو حصہ مقدر کر دیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تمہیں جو مال دیا ہے تم صرف اسی پر قناعت کرو وہی تمہارے لیے بہتر ہے یا تمہارے لیے تمہاری عبادتوں کا جو ثواب مقدر کر دیا ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے، اس لیے ناپ تول میں کمی کر کے مال جمع کرنے کے بجائے اس مال پر قناعت کرو جو تمہاری تقدیر میں ہے کیونکہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں شخص صادق اور امین ہے اور وہ خیانت کرتا ہے نہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو لوگ اس پر اعتماد کریں گے اور تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں گے تو اس پر رزق کے دروازے کھل جائیں گے اور جب کوئی شخص بددیانتی اور خیانت میں مشہور ہو گا تو لوگ اس سے معاملہ نہیں کریں گے اور اس پر رزق کے دروازے بند ہو جائیں گے اور اگر بقیۃ اللہ کو ثواب پر محمول کیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کیونکہ یہ ساری دنیا فنا ہو جائے گی اور ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب باقی رہے گا اور اگر بقیۃ اللہ سے مراد، اللہ کی رضا لی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی رضا سے بڑھ کر دنیا اور آخرت

کی کوئی نعمت نہیں ہے۔ (۱)

سیدنا حکیم بن حزامؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بیچنے والا اور خریدنے والا (بیع قائم رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار رکھتے ہیں، جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اگر وہ سچ بولیں اور (سودے کی حقیقت کو) واضح کریں، تو دونوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر وہ (کوئی عیب وغیرہ) چھپالیں (اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں) اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹ جاتی ہے۔“ (۲)

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ ﴾

انہوں نے کہا اے شعیب (علیہ السلام)! کیا تمہاری نماز تم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کو پوجتے آئے ہیں یا ہم اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں واقعی تم ہی تو بڑے عقل مند بڑے دیندار ہو۔

حضرت شعیب کا قوم نے مذاق اڑایا

۱۔ (جامع البیان جز۱۲، ص۱۳۲، موضحاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب البیوع، باب إذا کان البائع بالخیار۔۔الخ: ۲۱۱۴۔ مسلم، کتاب البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان: ۱۵۳۲]

حضرت شعیب (علیہ السلام) کی ناصحابہ دعوت کے جواب میں قوم مدین نے جاہلانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔اے شعیب! تم نماز بہت پڑھتے ہو کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات پر اکساتی ہے کہ ہمیں ان خداؤں کی پرستش سے روکو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اور ہمیں اس بات سے روکو کہ ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں؟ تم تو بہت بردبار اور سمجھ دار ہو، تمہیں کیا ہوا کہ لوگوں کے معاملات میں رکاوٹیں ڈالنے لگے ہو؟ یعنی دین تو ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے لہٰذا ہم جو مرضی کریں، تم اپنی نمازیں پڑھو ہمیں اپنے کام کرنے دو۔

دین کو صرف نماز، روزے تک محدود رکھنا کافرانہ ذہن ہے:

آج کئی نام نہاد مسلمان کہتے ہیں کہ علماء کو چاہیے صرف مسجدوں میں نمازیں پڑھائیں اور ہمیں اپنے معاملات میں آزاد رکھیں، کیونکہ دین ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہے۔یعنی خواہ ہم بے حیائی پھیلائیں، اسلامی سزائیں معطل کریں، جہاد کو دہشت گردی کہیں، سود نافذ کریں اور قرآن وسنت کی جگہ من مانے قوانین جاری کریں، ہمیں روکا نہ جائے۔کفار نے بھی شعیب (علیہ السلام) سے یہی کچھ کہا تھا پھر ایسے لوگوں اور کفار میں کیا فرق رہا ہے۔یاد رکھو اسلام دین کامل ہے۔وہ صرف چند عبادات کا نام نہیں بلکہ اسلام میں عبادات، معاملات، احکام خرید وفروخت، حقوق زوجین، وراثت، حقوق اہل ذمہ، آداب معاشرت اور ملت اسلامیہ کی خارجہ پالیسی وغیرہ تمام شعبہ ہائے زندگی پر مفصل احکام موجود ہیں، ان میں سے کسی ایک سے روگردانی کرنے والا اللہ ورسول سے باغی ہے۔

﴿ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ

مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ
عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ
اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

شعیب (علیہ السلام) کہا کہ اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے نیک روزی دی ہو تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے میں تمہیں منع کروں خود وہی کرنے لگوں۔ جہاں تک میری استطاعت میں ہے تو میں اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے جو توفیق ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (۸۸) اور اے میری قوم، ایسا نہ ہو کہ میری ضد کر کے تم پر وہ آفت آ پڑے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آئی تھی،

اور لوط کی قوم تو تم سے دور بھی نہیں۔(۸۹) اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو بیشک میرا رب مہربان محبت والا ہے۔(۹۰)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ قوم نے حضرت شعیب (علیہ السلام) کے حلم اور نیک چلن ہونے کا اعتراف کیا تھا اور ان کا یہ کلام استہزاء نہ تھا بلکہ ان کا مدعا یہ تھا کہ آپ باوجود حلم اور کمال عقل کے ہمیں ہمارے مال میں اپنی مرضی کے موافق تصرف کرنے سے کیوں روکتے ہیں اس کا جواب حضرت شعیب (علیہ السلام) نے یہ دیا کہ جب تم میرے کمال عقل کے معترف ہو تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ میں نے جو بات اپنے لیے سند کی وہ یقیناً صحیح ہوگی اور وہ خدا کی توحید اور ناپ تول میں ترک خیانت ہے اور میں اس پر پابندی سے عامل ہوں اور تمہیں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہی طریقہ قرین عقل ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے مسند ۶ / ۲۱۔۲۲ میں حضرت مسروق کے حوالے سے یہ روایت درج فرمائی ہے:
ایک عورت حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضرت! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ بالوں کے ملانے سے منع فرماتے ہیں؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں! عورت کہنے لگی شاید یہی کام آپ کی کوئی بیوی بھی کرتی ہو؟ حضرت ابن مسعودؓ نے اسے فرمایا تو گھر داخل ہو جا، وہ اندر چلی گئی، پھر باہر آئی تو کہنے لگی مجھے حرج والی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے حضرت لوط (علیہ السلام) کی یہ نصیحت اس وقت یاد نہیں کی تھی کہ وما ارید ان اخالفکم الی ما انہاکم عنہ۔

شعیب (علیہ السلام) نے انھیں کفر و عناد سے ڈراتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میری دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے اپنے کفر و فساد پر اصرار نہ کرو، ورنہ تم پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح نازل ہو جائے گا جس طرح قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط پر تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور قوم لوط کا زمانہ اور

ان کا علاقہ تم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ان پر جو اللہ کا عذاب آیا وہ تمہیں معلوم ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انھوں نے کفر و عناد پر اصرار کیا اور لوط کی بات کو ٹھکرا دیا تھا۔ اگلی آیت میں عذاب سے ڈرانے کے بعد انھیں نصیحت کی کہ وہ بتوں کی عبادت سے تائب ہو جائیں، اللہ سے مغفرت طلب کریں، توحید باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو جائیں اور ناپ تول میں کمی کرنے سے باز آ جائیں، تو اللہ بڑا ہی مہربان ہے اور اپنے بندوں سے بڑا ہی محبت کرنے والا ہے، وہ یقیناً انھیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں فنا کر دے گا اور (تمھاری جگہ) ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔" [1]

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ ﴾

کہنے لگے کہ اے شعیب (علیہ السلام) تمہاری بہت سی باتیں جو تم کرتے ہو ہماری

---

[1] ۔[مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ: ۲۷۴۹]

سمجھ میں نہیں آتیں اور بیشک ہم تمہیں اپنے اندر ایک کمزور آدمی سمجھتے ہیں اور اگر ہمیں تمہارے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں۔

شعیب علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی دھمکی

قوم نے حضرت شعیبؑ کی اس ساری موعظت کا جواب نہایت رعونت سے یہ دیا کہ اے شعیب! تمہار بہت ساری باتیں کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری یہ باتیں ہیں ہی نہایت مہمل اور دور از کار ورنہ معقول باتیں سمجھنے میں ہم سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے اس کے بعد دھمکی بھی دے دی کہ تمہاری کوئی جمعیت و جماعت تو ہے نہیں جس کا ہمیں اندیشہ ہو، ہم تو تمہیں اپنے اندر نہایت کمزور اور بے بس دیکھ رہے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔ وما انت علینا بعزیز۔ یعنی بجائے خود تم پر ایسے گراں نہیں ہو کہ تم کو ٹھکانے لگا دینا ہمارے لیے کچھ مشکل ہو البتہ تمہارے کنبہ اور قبیلہ کا خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ اس سے کیوں جھگڑا مول لیں۔ سنگسار کر دینے کی دھمکی خاص طور پر اس لیے دی گئی کہ حضرت شعیب قوم کے بتوں کی تحقیر کرتے تھے، یاد ہوگا بتوں کی تحقیر پر یہی دھمکی سیدنا ابراہیم اور دوسرے انبیاء کو بھی دی گئی تھی۔

سعید بن جبیر اور شریکؒ نے کہا کہ ان کی قوم نے ان کو ضعیف اس لیے کہا کہ وہ نابینا تھے۔ سفیان نے کہا : ان کی نظر کمزور تھی اور ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا تھا۔ انہوں نے کہا: اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے، اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا: یعنی تم کو قتل کر دیتے یا تم کو گالیاں

دیتے۔ (۱)

حضرت شعیب (علیہ السلام) کے دلائل کے جواب میں ان کی قوم کے کافروں نے جو کچھ کہا وہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کے دلائل کا جواب نہ تھا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص فریق مخالف کے دلائل کے جواب سے عاجز آ کر اس کو گالیاں دینا شروع کر دے۔

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ ﴾

شعیب علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر خدا سے زیادہ ہے؟ اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے؟ میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔() اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں تم عنقریب جان لوگے کہ کس کے پاس عذاب

۱۔(جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور یہ بھی جان لو گے وہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے۔

انتظار کرو بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ ()

قوم کی ہٹ دھرمی کے جواب میں حضرت شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تعجب اور افسوس ہے تمہاری حالت پر کہ میری نبوت و رسالت تو تمہیں میری سنگساری سے نہیں روکتی بلکہ میرے قبیلے اور خاندان کی قوت تمہیں میری سنگساری سے روکتی ہے کیا میرا کنبہ اور برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزت والا ہے کہ تم نے اس کا لحاظ کیا اور جس اللہ نے مجھے واضح دلائل کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے اس کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور نہ اس کے احکام کی پرواہ کرتے ہو۔ یاد رکھو! بہت جلد تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا، کیونکہ تمہارا کوئی عمل میرے رب سے پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

پھر اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو کر قوم سے کہا کہ اچھا تم اپنا کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں، بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذلت و خواری کا عذاب کسی پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اب تم بھی اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝٩٤ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّمَدۡيَنَ كَمَا بَعِدَتۡ

ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت سے بچالیا۔ اور پکڑ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے، تو انھوں نے صبح کی اپنے گھروں میں اس حال میں کہ وہ اوندھے منہ گرے ہوئے تھے۔ (۹۴) گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، سن لو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔ (۹۵)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صرف دو قوموں پر ایک قسم کا عذاب نازل کیا ہے، قوم صالح پر اور قوم شعیب پر، ان دونوں کو ایک زبردست چنگھاڑ نے ہلاک کر دیا، رہی قوم صالح تو اس پر نیچے سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی اور رہی قوم شعیب تو اس پر اس کے اوپر سے ایک چنگھاڑ کی آواز آئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب (علیہ السلام) اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے عذاب سے نجات دی، اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو جو نعمت بھی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے پہنچتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومنوں تک یہ رحمت ان کے ایمان اور ان کے نیک اعمال کے سبب سے پہنچی ہو لیکن ایمان اور نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے۔ جب جبرائیل (علیہ السلام) نے وہ گرج دار چیخ ماری تو ان میں سے ہر ایک کی روح اسی وقت نکل گئی اور ان میں سے ہر شخص اسی وقت اور اسی حال میں مر گیا اور یوں لگتا تھا جیسے ان مکانوں میں کبھی کوئی شخص رہا ہی نہ تھا۔ پھر فرمایا: ان پر دھتکار ہو جیسے قوم ثمود پر پھٹکار تھی یعنی جس طرح وہ رحمت سے مطلقاً دور کر دیئے

گئے تھے اسی طرح ان کو بھی رحمت سے مطلقاً دور کر دیا گیا۔ (1)

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ
بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ
وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾ ﴾

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔ (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو سب نے پیروی کی فرعون کے حکم کی، اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔ (۹۷) وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان کو دوزخ میں لے جا اتارے گا اور وہ بری جگہ ہے جہاں انھیں اتارا جائے گا۔ (۹۸) اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ اور جو انعام ان کو دیا گیا ہے وہ بدترین انعام ہے۔ (۹۹)

موسیٰ (علیہ السلام) کی نشانیوں کا جو ذکر اس جگہ کیا گیا ہے اس سے مراد تورات کی آیات نہیں کیونکہ

۱۔ تفسیر ابن جریر طبری، ابن کثیر

تورات کا نزول تو غرق فرعون کے بعد ہوا بلکہ ان سے مراد وہ نو نشانات ہیں جن کا ذکر سورہ الاسراء میں بیان ہوا اور" سلطان مبین" سے مراد وہ قوی دلائل و براہین ہیں جن سے یہ بات ثابت کردی گئی تھی کہ اس علاقہ میں حکومت کرنے کا صحیح معنوں میں کس کو حق تھا اور حکومت کون کر رہا ہے جس سے فرعون اور فرعون والے مناظرہ کے وقت شکست کھا گئے تھے اور وہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئے جن دلائل کو" عصا" اور" ید بیضاء" کے نام سے تعبری کیا گیا ہے جس سے فرعون اور اس کے لوگوں کی ساری شعبدہ بازی کا طلسم چشم زدن میں توڑ کر رکھ دیا اور حق کو اتنا عیاں کر دیا کہ وہ سب کے سب آپ پر ایمان لائے۔ان نشانات کا پیچھے سورہ الاعراف میں ذکر کیا گیا ہے اور تفصیل انشاء اللہ العزیز سورہ الاسراء میں آئے گی۔

فرعون اور اس کی جماعت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیتوں اور ظاہر باہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے فرعون کی اطاعت نہ چھوڑی۔اسی کی گمراہ روش پر اس کے پیچھے لگے رہے۔جس طرح یہاں انہوں نے اس کی فرماں برداری ترک نہ کی اور اسے اپنا سردار مانتے رہے۔اسی طرح قیامت کے دن اسی کے پیچھے یہ ہوں گے اور وہ اپنی پیشوائی میں انہیں سب کو اپنے ساتھ ہی جہنم میں لے جائے گا اور خود دگنا عذاب برداشت کرے گا۔یہی حال بروں کی تابعداری کرنے والوں کا ہوتا ہے وہ کہیں گے بھی کہ اللہ انہیں لوگوں نے ہمیں بہکایا تو انہوں دوگنا عذاب دے۔مسند میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جاہلیت کے شاعروں کا جنڈا امرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ انہیں لے کر جہنم کی طرف جائے گا۔اس آگ کے عذاب پر یہ اور زیادتی ہے کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ یہ لوگ ابدی لعنت میں پڑے۔قیامت کے دن کی لعنت مل کر ان پر دو دو لعنتیں پڑ گئیں۔یہ اور لوگوں کو جہنم کی دعوت دینے والے امام تھے۔اس

لیے ان پر دوہری لعنت پڑی۔

سیدنا سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بعض لوگوں کو آگ ٹخنوں تک جلائے گی، بعض لوگوں کو کمر تک جلائے گی اور بعض لوگوں کو گردن تک جلائے گی۔"[١]

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾ ﴾

یہ کچھ بستیوں کے حالات تھے جنہیں ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض باقی ہیں اور بعض بستیاں معدوم ہو چکی ہیں۔ (١٠٠) اور ہم نے تو ان پر کچھ ظلم نہیں کیا تھا بلکہ خود انہیں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا ان کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے اور جب آپ کے رب کا حکم آ گیا اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔ (١٠١)

یہاں سے وہ آیات شروع ہو رہی ہیں جو خاتمہ سورہ کی آیات ہیں۔ گزشتہ آیات میں جتنے انبیاء اکرام

١۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها، باب جہنم أعاذنا اللہ منها: ٢٨٤٥]

کی سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں پیش نظر آیات میں ان پر تبصرہ ہے جس میں ان حقائق کو نمایاں کرنا ہے جو ان سرگزشتوں کے بیان کرنے کا مقصد ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ جن بستیوں کے حالات ہم آپ سے بیان کرر ہے ہیں آپ غور کیجیے ان میں سے کچھ تو ابھی تک کھڑی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کے نشانات تک مٹ گئے ہیں۔ مثلاً فرعون اور قوم فرعون پر اللہ کا عذاب آیا تو فرعون اور اس کے اعیان قوم کو تباہ کر دیا گیا، لیکن مصر کی ریاست اور اس کے شہر باقی رہے۔ مکین ختم ہو گئے، مکان کھڑے رہے۔ قوم لوط اپنے مکانوں سمیت تباہ کر دی گئی۔ قوم ثمود اور قوم مدین کے بعض کھنڈرات ابھی تک باقی ہیں۔ ان کے بعض زمینی آثار بھی موجود ہیں اور ان کے وہ مکانات بھی جو انھوں نے پہاڑ کھود کے بنائے تھے۔ اور یہ تمام کھنڈرات اپنے مکینوں کی داستان عبرت سنانے کے لیے باقی ہیں۔ قریش کو یہ بتانا مقصود ہے کہ تم اسی روش پر چل رہے ہو جس کے نتیجے میں محولہ بالا قومیں تباہ ہوئیں۔ اگر تم نے اس سے توبہ نہ کی اور اپنا رویہ نہ بدلا تو پھر یاد رکھو تمہیں بھی اپنا نام ان دونوں قسم کی قوموں میں سے کسی ایک کے ساتھ لکھوانا پڑے گا۔ یعنی تمہیں مٹا دیا جائے گا اور تمہارے مکان باقی رہیں گے اور یا تمہیں مکانوں سمیت تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ : ارشاد فرمایا: (وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ) [الأعراف: ٤، ٥] ”اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، تو ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آیا، یا جب کہ وہ دوپہر کو آرام کرنے والے تھے۔ پھر ان کی پکار، جب ان پر ہمارا عذاب آیا، اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔“

مَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ :
ارشاد فرمایا: (مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ)[فاطر:۲] ”جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝۱۰۲ ﴾

اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

یعنی اللہ ظالم لوگوں کو مہلت دیے جاتا ہے اور مہلت سے مقصود تنبیہ بھی ہوتی ہے اور اتمام حجت بھی۔ لیکن جس قوم پر اتمام حجت ہو چکے اور تنبیہات بھی سود مند ثابت نہ ہوں اور ان لوگوں میں خیر اور بھلائی کو قبول کرنے کی استعداد ہی باقی نہ رہے تو پھر اس وقت ان پر ایسا قہر الٰہی نازل ہوتا ہے جو ان کے لیے سخت تکلیف دہ بھی ہوتا ہے اور جان لیوا بھی اور اس عذاب سے بعض اوقات اس قوم کا نام ونشان ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا: (اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ)[البروج:۱۲] ”بیشک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔“ سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے، مگر جب ان کی گرفت فرماتا ہے تو پھر نہیں

چھوڑتا۔" اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ) "اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔" (۱)

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ ﴾

بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈریں۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہوگا جو سب کی حاضری کا دن ہے۔ (۱۰۳) اور ہم اس کو موخر نہیں کر رہے ہیں مگر مقرر مدت کے لئے۔ (۱۰۴) جب وہ دن آئے گا کوئی شخص بات نہ کر سکے گا، مگر اس کی اجازت سے، پس بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض نیک بخت

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری ۔۔۔ الخ): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

(۱۰۵)۔

جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے اللہ کی پکڑ میں یا گزشتہ اقوام کے واقعات میں بڑی عبرت ہے وہ جانتے ہیں کہ جب اس دنیا میں اس کی پکڑ اور عذاب ایسا شدید ہے تو آخرت میں تو اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی۔ قیامت کے روز تمام لوگوں کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے جمع کیا جائے گا، اس دن اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے لیے سب حاضر ہوں گے کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حاضر نہ ہو، قیامت کا دن مقرر ہو چکا ہے۔ جب وہ مقرر دن آجائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی، اگرچہ بظاہر دنیا کی مدت طویل ہے مگر آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی، اس روز کچھ لوگ تو نیک بخت ہوں گے اور کچھ لوگ بد بخت، نیک بخت وہ لوگ ہیں جو ازلی برگزیدہ و محبوب بندے ہیں اور بد بخت اور بد اعمال وہ ہیں جن کے حق میں ازلی شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس دن نیک اور بد سب حاضر ہونگے۔ دوسرے مفسرین نے کہا: اس دن آسمان والے اور زمین والے سب حاضر ہونگے۔ اور فرمایا: ہم اس دن کو معین مدت تک کے لیے موخر کر رہے ہیں، یعنی ہمارے علم میں اس کے لیے جو دن مقرر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے زیادہ سچے ہیں اور آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع ہوتی رہتی ہے پھر وہ (نطفہ) چالیس دن بعد جما ہوا خون ہو جاتا ہے پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے اور

اس کو چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: وہ اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھ دیتا ہے اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ کیا عمل کرے گا اور یہ لکھ دیتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے، پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر لکھا ہوا (مقدر) غالب آجاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر ہوتا ہے اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور اس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (۱)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہیں ہوگی اور انبیاء کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یا اللہ! ہمیں بچا لے، ہمیں بچا لے۔" (۲)

﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۝۱۰۶ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝۱۰۷ وَاَمَّا الَّذِیْنَ

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:)

۲۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (وجوہ یومئذ ناضرۃ): ۷۴۳۷۔ مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ: ۱۸۲]

سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝١٠٨

پس رہے وہ لوگ جو بد بخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے جس میں انہیں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہوگا۔(۱۰۶) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں ،مگر جو تیرا رب چاہے۔ بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہتا ہے۔(۱۰۷)اور جو نیک بخت میں ہیں وہ جنت میں ہوں گے جب تک زمین وآسمان ہے، وہاں رہیں گے،مگر جتنا آپ کا رب چاہے، یہ وہ عطا ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔(۱۰۸)

علامہ سید محمد مرتضٰی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے: سعادت کا معنی نفع، معاونت، اللہ تعالیٰ کا نیک کاموں کی توفیق دینا یا ان کاموں کی توفیق دینا جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ [۱]

زفیر اور شھیق کا معنی علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اتنا لمبا اور گہرا سانس لینا جس سے سینہ پھول جائے زفیر ہے اور گہرے سانس کو باہر نکالنا شھیق ہے۔ [۲]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: شدید اور سخت آواز زفیر ہے اور پست اور کمزور آواز شھیق ہے۔ امام ابو العالیہؒ نے کہا: جو آواز حلق سے نکلے وہ زفیر

۱۔(تاج العروس ج۲ ص۳۷۶،مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر،۱۳۰۶ھ)

۲۔(المفردات ج۱ص۲۵۵،۲۸۱،مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

ہے اور جو آواز سینہ سے نکلے وہ شہیق ہے۔قتادہؒ نے کہا: جہنم میں کافر کی ابتدائی آواز اور گدھے کی ابتدائی آواز زفیر ہے اور جہنم میں کافر کی آخری آواز اور گدھے کی آخری آواز شہیق ہے۔ [1]

علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ ھ نے امام ابن جریر کے ذکر کردہ معانی پر حسب ذیل معانی کا اضافہ کیا ہے: حسن نے کہا: جہنم کے شعلے اپنی قوت سے کفار کو اٹھا کر جہنم کے سب سے بلند طبقہ میں پہنچا دیں گے اور اس وقت کفار یہ چاہیں گے وہ جہنم سے نکل جائیں تو فرشتے لوہے کے گرز مار کر ان کو پھر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں پہنچا دیں گے سو ان کا دوزخ میں اوپر اٹھنا زفیر اور نیچے گرنا شہیق ہے۔ابو مسلم نے کہا: جب انسان پر سخت گریہ وزاری طاری ہو تو سینہ میں جو سانس گھٹ جاتا ہے وہ زفیر ہے اور انتہائی غم اور اندوہ کے وقت رونے سے جو آواز نکلتی ہے وہ شہیق ہے۔بعض اوقات اس کیفیت کے بعد غشی طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات آدمی مر جاتا ہے۔حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جو رونا ختم نہ ہو وہ زفیر ہے اور غم کم نہ ہو وہ شہیق ہے اور اہل تحقیق نے کہا: کفار کا دنیا اور اس کی لذتوں کی طرف مائل ہونا زفیر ہے اور کمالات روحانیہ میں ان کی معاوت کا کمزور ہونا شہیق ہے۔ [2]

قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے بد بخت ہونگے، جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کرب وغم کے مارے ان کے سینوں سے آہیں اٹھ رہی ہوں گی۔وہاں ہمیشہ کے لیے رہیں گے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو محض اپنے فضل وکرم سے اس میں نہ ڈالے، یا یہ کہ نافرمان اہل توحید کو ایک مدت کے بعد جہنم سے نکال دے۔ایسی صورت میں " فَاَمَّا الَّذِیۡنَ شَقُوۡا " کی عبارت کافروں اور مسلمان گناہ گاروں سب کو شامل ہوگی اور یہ بات تو متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اہل توحید جہنم سے بالآخر نکال دیے جائیں گے۔

۱۔(جامع البیان جز ۱۲ ص ۱۵۲۔۱۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔(غرائب القرآن اور غائب الفرقان ج ٤ ص ٥٢، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱٦ھ)

جو لوگ نیک بخت ہیں یعنی ابتداء میں اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر کے ایمان لے آئے اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اسے موت آ جائے تو وہ نیک بخت اور سعید ہے ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اخروی آسمان و زمین باقی رہیں گے یا اس قدر زائد جو مشیت الٰہی میں ہے یعنی ان بندوں کو ایسی نعمت دی گئی جو کبھی ختم نہ ہو گی۔

آپ کو ان معبودوں کے باطل ہونے میں جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں شک کرنے کی ضرورت نہیں ان لوگو کے پاس اپنے معبودوں کی عبادت کے لیے جہالت کے سوا کوئی قطعی دلیل نہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا پہلے سے بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل کرتے چلے آئے ہیں ہم ان کو ان کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دیں گے اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے اگر کوئی نیکی ہو گی تو اس کا بدلہ ان کو دنیا میں دے دیں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا، پھر اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ کر ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک پکارنے والا پکار لگائے گا کہ اے جنت والو! (اب) موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! (اب) موت نہیں آئے گی۔ اس اعلان سے جنت والوں کی خوشی میں اضافہ ہو جائے گا اور دوزخ والوں کا غم بڑھ جائے گا۔“ [۱]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو جنت میں چلا جائے گا وہ نعمتوں میں ہو گا، پھر اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی، اس کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے اور

---

[۱] [بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ: ٦٥٤٨۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔ الخ: ٤٣/٢٨٥٠]

اس کا شباب کبھی ختم نہیں ہوگا۔“ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے گا کہ اے اہل دوزخ! اب کبھی موت نہیں آئے گی اور اے اہل جنت! اب کبھی موت نہیں آئے گی، بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا۔“ (۲)

سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ایک منادی ندا دے گا، اے اہل جنت! تمھارے لیے یہ مقرر ہو چکا ہے کہ تم تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہیں ہو گے، زندہ رہو گے کبھی موت نہیں آئے گی، جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہیں ہو گے، راحت میں رہو گے کبھی تکلیف نہیں آئے گی۔“ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان کا: (وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) [الأعراف: ۴۳] ”اور انھیں آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے وارث تم اس کی وجہ سے بنائے گئے ہو جو تم کیا کرتے تھے۔“ (۳)

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ: اس کے معنی ہیں ”غَيْرَ مَقْطُوْعٍ“ یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا ان کا یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور تمام جنتی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوگا۔

۱۔ [مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب فی دوام نعیم أهل الجنة۔۔۔ الخ: ۲۸۳۶]

۲۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفا بغير حساب: ۶۵۴۴]

۳۔ [مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب فی دوام نعیم أهل الجنة۔۔۔ الخ: ۲۸۳۷]

﴿ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

پھر آپ ان چیزوں سے کہ جنہیں وہ پوجتے ہیں شک میں نہ رہنا (کسی کو بھی خدائی میں) یہ لوگ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور ہم ان کو ان کا پورا پورا حصہ دے دیں گے جس میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

آیت میں خطاب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے، لیکن مقصود دوسرے لوگ ہیں، جن کے دل و دماغ میں بتوں اور اللہ کے علاوہ دیگر معبودوں کے جھوٹے ہونے میں کسی قسم کا شک ہو، اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس قسم کے شک سے قطعی طور پر پاک تھے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کفار کے معبودوں کے باطل ہونے میں بالکل شبہ نہ کریں۔ ان کے معبود بھی ان کے باپ دادا کے معبودوں کے مانند جھوٹے اور باطل ہیں، ہم ان کے باپ دادا کی طرح انھیں بھی عذاب دیں گے اور اس میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ

سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ
مُرِیۡبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمۡ رَبُّكَ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ بِمَا
یَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۱۱﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے تو ان کے بارے میں ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور یقیناً لوگ اس کے بارے میں بے قرار رکھنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۱۰) بیشک آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، وہ جو کچھ کر رہے ہیں بیشک جو وہ کرتے ہیں وہ اس سے باخبر ہے۔ (۱۱۱)

ولولا کلمۃ سبقت من ربک کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ قیامت تک ان سے عذاب کو موخر کر دیا جائے کیونکہ اسی میں اصلاح اور بہتری معلوم ہوتی ہے، اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان ان کی اجل کا فیصلہ ہو جاتا کہ مومن کو ثواب دیا جائے اور کافر کو سزا، ایک قول یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ مراد ہے یا اس صورت میں مصدق اور مکذب کے درمیان تھے۔ ایک قول یہ ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی ذات کے بارے میں ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان اگر عقاب میں جلدی کے بارے میں فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو عذاب نازل کر دیا جاتا لیکن اس امت سے قیامت تک عقاب کی تاخیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

وانھم لفی شکٍ مریبا گر آپ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم پر حکم لگاتے ہیں یعنی یہ کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب کے بارے میں شک میں تھے تو یہ قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ بہت کم اس پر ایمان لائے مگر اکثر دانستہ یا نادانستہ قرآن مجید کے متعلق سخت شبہ کرنے لگے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی کہ آپ غمگین نہ ہوں، پہلے انبیائے کرام (علیہم السلام) مثلاً حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو ایک خاص حد تک ڈھیل دیتا ہے تا کہ وہ اپنی اصلاح کر لے لیکن پھر بھی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آتیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی کے مطابق ان کی سزا کی قسم اور ان کی سزا کا وقت پہلے سے مقرر کر رکھا ہے۔ کسی قوم کی سزا کا کچھ حصہ اسی دنیا میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور کسی قوم کی پوری سزا قیامت کے لیے مؤخر کر دی جاتی ہے۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فیصلہ ہے اور اگر یہ پہلے سے طے شدہ نہ ہوتا تو انکار کرنے والوں کو فوراً ہلاک کر دیا گیا ہوتا۔

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ ﴾

سو تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے اور تم لوگ سرکشی نہ کرو، بیشک وہ جو کرو دیکھنے والا ہے (۱۱۲) اور تم ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ (۱۱۳)

حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت

پھر فرمایا (وَلَا تَطْغَوْا) اس میں حد سے زیادہ جانے کی ممانعت فرمائی' استقامت کا حکم دے کر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھو گے تو اس سے استقامت میں فرق آئے گا۔ یہ حدود سے آگے بڑھ جانا ہی تو بدعات اعتقادیہ اور بدعات اعمالیہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس حد سے نکلنے ہی کو غلو کہا جاتا ہے اسی غلو نے تو نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا' اور بہت سے مدعیان اسلام کو اس پر آمادہ کر دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بشریت کا انکار کریں جبکہ قرآن کریم میں آپ کے بشر ہونے کی تصریح ہے۔ یہ بدعت اعتقادی کی مثال ہے اور بدعات اعمالیہ بھی لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہیں جو انہوں نے اپنی طبیعت سے وضع کی ہیں اور انہیں دین بنا کر اور دین سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

ظالموں کی طرف مت جھک پڑو۔" یعنی ظالموں کی مداہنت اور خوشامد مت کرو اور نہ ان کے اعمال کو پسند کرو یعنی بداخلاق، بدکردار ظالم لوگوں کی مجلسوں میں شامل مت ہو کیونکہ ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ بروں کی صحبت انسانی کو برا بنا دیتی ہے اور نیکوں کی

صحبت نیکی کی طرف رغبت دلاتی ہے ہم اکثر اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بے دھڑک ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس موقع کی تاڑ میں رہتے ہیں کہ جب ہو سکے وہ پھونک مار کر تمہارے ایمان کی شمع کو گل کر دیں۔ اس لیے اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بداخلاقوں اور بدکردار لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں۔ اگر تم ایسے لوگوں کی مجلس سے پرہیز نہیں کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ "تمہیں بھی آگ چھو جائے گی۔" بری صحبت اور مجلس انجام کار تم کو بھی برا بنا دے گی اور" اللہ کے سوا تمہارا کوئی رفیق و مددگار نہیں ہوگا پھر کہیں سے بھی مدد نہ پاؤں گے۔" اور جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کا مددگار نہ رہا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کہ وہ مذہبی فرقہ بازیوں اور سا سی جتھہ بندیوں اور قبائلی تعصب میں گر کر تباہ و برباد ہو گیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے مداہنت نہ کرو یعنی جو شخص ظالموں سے میل جول رکھے اور ان کے ظلم پر انکار نہ کرے وہ مداہن ہے یہ آیت ان ظالموں کے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کے ساتھ کفر کرتے ہوں اور جو گناہ گار مسلمان ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی ان کے گناہوں اور ان کے عملوں کو جاننے والا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی معصیت کے ساتھ صلح کرے اور نہ کسی معصیت کرنے والے کے ساتھ میل جول رکھے۔ (۱)

﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ

۱۔(جامع البیان جز۱۲،ص ۱۶۵،تفسیر امام ابن ابی حاتم جز ۶،ص ۲۰۸۹،۲۰۹۰)

يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾

اورنماز قائم کرو اس وقت جب دن شروع ہونے کو ہو اور جب ختم ہونے کو ہو نیز اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو، بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ یاد رکھنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ (۱۱۴) اور صبر کرو بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۱۵)

شان نزول: (آیت) "واقم الصلوۃ"۔ (الخ)

بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر اس کے بعد آکر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کی اطلاع دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، "واقم الصلوۃ"۔ (الخ) یعنی نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں، انہوں نے عرض کیا یہ حکم خاص میرے لیے ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمام امت کے لیے ہے اور امام ترمذیؒ وغیرہ نے ابوالیسر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لیے آئی، میں نے اس سے کہا اندر گھر میں اس سے اچھی ہیں، چنانچہ وہ میرے ساتھ اندر گھر میں گئی اور میں نے جھک کر اس کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس بارے میں بتایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی عدم موجودگی

میں اس کے گھر والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے؟ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ (آیت) ” واقم الصلوۃ “۔ سے للذاکرین “۔ اور اسی کے ہم معنی ابوامامہؓ معاذ بن جبلؓ ابن عباسؓ، بریدہؓ وغیرہ سے روایات مروی ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجاہد اور محمد بن کعب القرظی نے کہا: دن کے دوطرفوں سے مراد فجر اور ظہر اور عصر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حسن اور ابن زید نے کہا: دن کی دوطرفوں سے مراد فجر اور مغرب ہیں۔ ضحاکؒ نے کہا: اس سے مراد فجر اور عصر ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریرؒ نے کہا: ان اقوال میں یہ اولیٰ یہ ہے کہ دن کی دوطرفوں سے مراد فجر اور مغرب کو لیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ دن کی دوطرفوں سے ایک فجر ہے اور یہ نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے تو پھر دن کی دوسری طرف مغرب ہونی چاہیے کیونکہ مغرب کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ [۱]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا، اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! مدینہ کے ایک کنارے پر مجھے ایک عورت ملی، میں اس سے لطف اندوز ہوا، میں نے اس سے سب کچھ کیا سوائے جماع کے، تو اب میں حاضر ہوں، میرے معاملہ میں آپ جو چاہیں فیصلہ فرمائیں (گویا وہ ان کاموں کا کفارہ دریافت کر رہا تھا)۔ عمرؓ نے اس سے کہا، اللہ نے تیری عیب پوشی کی، کاش! تو خود بھی اپنی عیب پوشی کرتا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے پیچھے ایک

۱۔ (جامع البیان جز۱۲، ص۱۲۷، ص۱۶۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

آدمی کو بھیجا، وہ اسے بلا کر لایا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی: (وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ) "اور دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی، بیشک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ یاد کرنے والوں کے لیے یاددہانی ہے۔" ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم صرف اس کے لیے خاص ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بلکہ میری امت میں سے ہر اس شخص کے لیے ہے، جو ایسا کر بیٹھے۔" (1)

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نماز ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور (اس وقت تک رہتا ہے) جب تک آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے، یعنی عصر کے وقت تک اور نماز عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج زرد نہ ہو جائے اور نماز مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو جائے اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر اس وقت تک ہے جب تک آفتاب طلوع نہ ہو جائے۔" (2)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب نماز فجر پڑھاتے اور عورتیں (مسجد سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نماز پڑھ کر) اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹتیں تو

۱۔[مسلم، کتاب التوبۃ، باب قولہ تعالٰی: (إن الحسنات یذھبن السیئات): ۲۷۶۳/۴۲۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وأقم الصلوة طرفی النھار۔۔۔ الخ): ٤٦٨٧]

۲۔[مسلم، کتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس: ٦١٢/١٧٣]

اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔ [1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی نماز یہ ہے کہ وہ بیٹھا آفتاب (کے زرد ہونے) کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو وہ نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے اور چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کو نہیں یاد کرتا مگر تھوڑا۔" [2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات نماز عشاء کے لیے ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتظار کرتے رہے، جب تہائی رات گزر گئی تو تب آپ تشریف لائے اور فرمایا: "بیشک تم نماز کا انتظار کر رہے ہو کہ جس کا انتظار تمہارے علاوہ دوسرے ادیان والوں نے نہیں کیا۔ اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں اس وقت عشاء کی نماز پڑھاتا۔" پھر موذن نے تکبیر کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔۔۔ [3]

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ : سیدنا حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدمی کی آزمائش اس کی بیوی، اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کے پڑوسی میں ہوتی ہے۔ (اور اس آزمائش میں اگر ناکامی ہو جائے تو) اس کا کفارہ نماز کرتی ہے، روزہ کرتا ہے، صدقہ کرتا ہے، نیک بات کا حکم کرنا اور بری بات سے روکنا کرتا ہے۔" [4]

---

[1]۔[بخاری، کتاب الأذان، باب انتظار الناس قیام ال إمام العالم: ۸٦٧۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح فی أول وقتها: ٦٤٥]

[2]۔[مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالعصر: ٦٢٢]

[3]۔[مسلم، کتاب المساجد، باب وقت العشاء وتأخیرها: ٦٣٩]

[4]۔[بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الصلاۃ کفارۃ: ٥٢٥]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بتاؤ کہ اگر کسی کے دروازے کے سامنے کوئی نہر جاری ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو تم کیا کہتے ہو کہ یہ (نہانا) اس کے میل کو باقی رہنے دے گا؟“ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ! (اتنا نہانا تو) اس کے میل کو ذرا سا بھی باقی نہیں چھوڑے گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ [۱]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، یہ اعمال درمیانی گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔“ [۲]

سیدنا عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس مسلمان کو فرض نماز کا وقت پالے اور وہ اچھی طرح وضو کر کے نماز کو خشوع کے ساتھ پڑھے اور اس کے رکوع (وسجود) اچھی طرح ادا کرے تو یہ نماز اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، جب تک کہ وہ کبائر کا ارتکاب نہ کرے اور یہ سلسلہ ہر زمانے میں جاری رہتا ہے۔“ [۳]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس نے آنکھوں سے گناہ کی جن چیزوں کی طرف دیکھا ہوتا ہے وہ گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ چہرے سے خارج ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ

۱۔[بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ الخمس کفارۃ: ۵۲۸۔ مسلم، کتاب المساجد، باب المشی إلی الصلوۃ تمحی بہ الخطایا: ٦٦٧]

۲۔[مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الصلوات الخمس والجمعۃ إلی الجمعۃ۔۔۔ الخ: ۲۳۳/۱۶]

۳۔[مسلم، کتاب الطھارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ: ۲۲۸]

ہاتھ دھوتا ہے تو جو گناہ اس کے ہاتھوں نے کیے تھے وہ بھی پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں، پھر جب وہ پیر دھوتا ہے تو جن گناہوں کی طرف وہ پیروں سے چل کر گیا تھا، وہ گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ سب گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔“ [۱]

سیدنا ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی، اے اللہ کے رسول! مجھ سے حد واجب کر دینے والا گناہ ہو گیا ہے، تو آپ مجھ پر حد قائم کر دیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے کوئی جواب نہ دیا، اس شخص نے دوبارہ عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ سے حد واجب کر دینے والا گناہ ہو گیا ہے، آپ مجھ پر حد نافذ فرما دیجیے۔ آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے اپنی بات کو تیسری مرتبہ دہرایا اور اتنے میں نماز کے لیے اقامت ہو گئی۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آپ کے پیچھے چلا۔ ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے چلا، تاکہ معلوم کروں کہ آپ اسے کیا جواب دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پھر ملا اور عرض کرنے لگا، یا رسول اللہ! مجھ سے واجب الحد گناہ ہو گیا ہے، آپ مجھ پر حد نافذ فرما دیجیے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا: ”جس وقت تم اپنے گھر سے نکلے تو کیا تم نے اچھی طرح وضو نہیں کیا تھا؟“ اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! جی ہاں! کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”پھر تم ہمارے ساتھ نماز میں بھی موجود تھے؟“ اس شخص نے عرض کی، جی ہاں یا رسول اللہ! تو رسول

۱۔ [مسلم، کتاب الطھارۃ، باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء: ۲۴۴]

اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا: ”تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری حد یا (فرمایا) تمہارا گناہ معاف فرما دیا۔“ (۱)

اس آیت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان تمام مشقتوں پر صبر کی بالعموم تلقین کی گئی ہے جو دعوت وتبلیغ کی راہ میں پیش آئیں اور بالخصوص ان مشقتوں پر جو نمازوں کی پابندی اور محدود اوقات میں ان کی ادائیگی کے لیے اٹھانا پڑیں۔ الْمُحْسِنِيْنَ: سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک وہاں آپ کے سامنے ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے (دیگر سوالوں کے علاوہ یہ بھی) پوچھا: ”احسان کیا چیز ہے؟“ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت (اس خشوع وخضوع اور خلوص سے) کرو، گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر (یہ حالت) نصیب نہ ہو کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو یہ خیال رہے کہ وہ تو ضرور تمہیں دیکھتا ہے۔“ (۲)

﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾ ﴾

۱۔[مسلم، کتاب التوبۃ، باب قولہ تعالیٰ: (إن الحسنات یذھبن السیءآت): ۲۷٦٥]
۲۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب سؤال جبرائیل النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عن الإیمان والإسلام والإحسان وعلم الساعۃ: ۵۰]

پھر ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو امتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے کہ (لوگوں کو) ملک میں فساد کرنے سے روکتے؟ مگر ان میں تھوڑے لوگ ایسے تھے جن کو ہم نے نجات دی تھی اور ظالم لوگ تو عیش وعشرت کے پیچھے ہی پڑے رہے اور وہ مجرم تھے۔(۱۱۶) اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے، حالانکہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔(۱۱۷)

گزشتہ قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش وعشرت کے نشہ میں چور ہو کر جرائم کا ارتکاب کرتے رہے اور بڑے بااثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی نہیں تھا انھوں نے منع کرنے چھوڑ دیا، اس طرح کفر وعصیان اور ظلم وطغیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے ”امر بالمعروف“ کی کچھ آواز بلند کی مگر نقار خانہ میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہے باقی سب قوم تباہ ہوگئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں ”نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ ”امر بالمعروف“ و نہی عن المنکر کو ترک کر بیٹھیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام عذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العیاذ باللہ)۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب کو عذاب میں شریک کرے گا۔“[1]

1۔[أبوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی الأمر والنھی: ٤٣٣٨]

آگے فرمایا اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی بستی کو تباہ نہیں کرتا کہ اس کے رہنے والے شرک کرتے ہوں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے ہوں خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی قوم پر ہمہ گیر عذاب نازل نہیں فرماتا کہ وہ قوم شرک اور کفر کا اعتقاد رکھتی ہو بلکہ وہ اس قوم پر اس لیے عذاب نازل فرماتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ حقوق اللہ میں وسعت اور درگزر کی گنجائش ہے اور حقوق العباد میں تنگی اور سختی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف فرما دیتا ہے اور حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ بندے خود معاف نہ کر دیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفر کے ساتھ حکومت باقی رہتی ہے اور ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہتی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب (علیہم السلام) کی قوموں پر اس وقت عذاب آیا جب انہوں نے لوگوں کو ایذاء پہنچائی اور مخلوق پر ظلم کیا۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لوگ جب کسی ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائے۔ (۱)

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔" (۲)

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱٦۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۷۵۔۱۷٤، مسند احمد ج۱ ص ۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤۳۳۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٤۰۰۵)

۲۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

سیدنا مرداس الاسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے گزر جائیں گے، پھر ان کے بعد جو کے بھوسے یا کھجور کے کچرے کی طرح کے کچھ لوگ باقی رہ جائیں گے، تو اللہ ان کی کچھ بھی پروا نہیں کرے گا۔" [1]

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾ ﴾

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ (۱۱۸) مگر وہ جن پر تمہارے پروردگار نے رحم کیا اور لوگ اسی اختلاف کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور آپ کے رب کی بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں جماعتوں سے بھر دوں گا۔ (۱۱۹)

آگے فرمایا وہ اس بات پر کامل قدرت رکھتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو کفر یا ایمان کی صرف ایک راہ پر اکٹھا کر دے، سب کو کفر پر جمع کر دے یا سب کو اسلام پر جمع کر دے، لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس لیے ایسا نہیں ہوا اور لوگ ہمیشہ ہی آپس میں عقیدہ و دین کے بارے میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ کوئی یہودی ہوگا تو کوئی نصرانی، کوئی مجوسی و مشرک ہوگا تو کوئی مسلمان، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

۱۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب ذھاب الصالحین: ٦٤٣٤]

البتہ ان میں سے جن کے حال پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا، وہ اپنے عہد کے نبی کے صحیح دین پر قائم رہے اور نسل در نسل اسی پر عمل پیرا رہے۔ یہاں تک کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا آخری دین لے کر دنیا میں تشریف لائے تو انھوں نے ان کی پیروی کی، ان پر ایمان لے آئے اور ان کا ساتھ دیا۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے نوازا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ عقائد و ادیان کے اختلاف کے نتیجہ میں ان کی ایک جماعت جنت میں جائے اور ایک جہنم میں۔ اس لیے کہ اللہ کا یہ فیصلہ قطعی ہے کہ وہ نافرمان جنوں اور انسانوں کے ذریعے جہنم کو ضرور بھرے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اختلاف نہ کرو، اس لیے کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔“ (۱)

سیدنا معاویہ بن ابوسفیانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ”یقیناً تم سے پہلے اہل کتاب بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے اور بیشک یہ امت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی۔ سنو! بہتر (۷۲) دوزخی ہوں گے اور ایک جنتی، اور یہی الجماعۃ ہو گا۔“ (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”یہودی اکہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹے اور اسی طرح نصاریٰ اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹے گی۔ (۳)

۱۔ [بخاری، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الإشخاص ۔۔ الخ: ۲٤۱۰]

۲۔ [أبوداؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ: ٤٥۹۷۔ مسند أحمد: ۱۰۲/٤، ح: ۱٦۹٤۰۔ مستدرک حاکم: ۱۲۸/۱، ح: ٤٤۳]

۳۔ ”[ترمذی، کتاب الإیمان، باب افتراق ہذہ الأمۃ: ۲٦۔ أبوداؤد، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ: ٤٥۹٦]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ کتاب میں اختلاف کرنے کے باعث ہی ہلاک ہوئے۔“ ①

وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ: یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں علم وحکمت اور قضاوقدر کے مطابق یہ فیصلہ فرمارکھا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جنت کا مستحق کون ہے اور جہنم کا مستحق کون؟ اور وہ جہنم کو بھی جنوں اور انسانوں سے ضرور بھرے گا اور اس میں بھی اس کی حجت بالغہ اور حکمت کاملہ کارفرما ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ، وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ) [الحجر: ۴۲، ۴۳] ”بیشک میرے بندے، تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں، مگر جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔ اور بلاشبہ جہنم ضرور ان سب کے وعدے کی جگہ ہے۔“ اور فرمایا: (قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ) [الاعراف: ۱۸] ”فرمایا اس سے نکل جا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا، بیشک ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا میں ضرور ہی جہنم کو تم سب سے بھروں گا۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جنت اور دوزخ کی آپس میں گفتگو ہوئی، جہنم نے کہا، میں تکبر اور ظلم کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا، مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ لوگ ہی داخل ہونگے۔ اس پر اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا، تو میری رحمت ہے، میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا تیرے ذریعے سے رحم

۱۔ [مسلم، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن۔۔ الخ: ۲۶۶۶]

کروں گا اور جہنم سے فرمایا، تو میرا عذاب ہے، میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا تیرے ذریعے سے عذاب دوں گا اور تم دونوں کو بھر دیا جائے گا۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی، جب تک اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر نہیں رکھے گا، تو اس وقت وہ بولے گی کہ بس بس بس! اس وقت دوزخ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔" (1)

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنت اور دوزخ کی آپس میں گفتگو ہوئی، جہنم نے کہا، میں تکبر اور ظلم کرنے والوں کے ساتھ مخصوص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا، مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ لوگ ہی داخل ہونگے۔ اس پر اللہ عزوجل نے جنت سے فرمایا، تو میری رحمت ہے، میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا تیرے ذریعے سے رحم کروں گا اور جہنم سے فرمایا، تو میرا عذاب ہے، میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا تیرے ذریعے سے عذاب دوں گا اور تم دونوں کو بھر دیا جائے گا۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی، جب تک اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر نہیں رکھے گا، تو اس وقت وہ بولے گی کہ بس بس بس! اس وقت دوزخ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔" (2)

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وتقول ھل من مزید): ٤٨٤٩، ٤٨٥٠ ۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔ الخ: ٢٨٤٦/٣٥]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وتقول ھل من مزید): ٤٨٤٩، ٤٨٥٠ ۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔ الخ: ٢٨٤٦/٣٥]

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ
فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾

اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں سناتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور ان خبروں کے ذریعہ آپ تک حق بات پہنچی اور ایمان لانے والوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی بھی ہوگئی۔

سابقہ پیغمبروں کے تمام واقعات جنہیں ہم آپ پر بیان کررہے ہیں ان کے بیان سے مقصود آپ کے دل کو مضبوط رکھنا ہے کہ آپ اللہ کے پیغامات کو اطمینان قلب کے ساتھ بیان فرمائیں آپ صبرو استقامت میں ان کا نمونہ ثابت ہوں اور واقعات کی تمام باتیں صحیح ہیں اور ان میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت ہے، بالخصوص ایمان والوں کے لیے کہ وہ قرآن پاک کے مضامین سے نصیحت حاصل کریں گے اور آپ ان لوگوں کو خبردار کریں جو آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لارہے ہیں کہ تم اپنے انداز پر رواں دواں رہو ہم اپنے انداز پر چلتے رہیں گے اس جملہ میں انھیں ڈانٹ پلانا مقصود ہے اور تم انتظار کرو کہ ہم پر کب عذاب نازل ہوتا ہے اور ہم انتظار کرتے ہیں کہ تم پر کب عذاب نازل ہوتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو چیز پوشیدہ ہے ان کا علم اللہ کو ہے سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کے علم میں ہے اور اللہ ہی کی جانب تمام معاملات کا لوٹنا ہے وہ ذات نافرمانوں سے ان کی نافرمانی کے

باعث انتقام لے گی اور اطاعت کرنے والوں کو ان کے اعمال صالحہ پر انھیں ثواب عطا کیا جائے گا
دراصل اس جملہ میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مطمئن کرنا اور کفار کو ڈانٹ پلانا مقصود ہے، اس کے ساتھ اللہ کے پیغمبر کو مخاطب کرکے حکم دیا جارہا ہے کہ آپ ایک پروردگار کی عبادت کریں اور تمام معاملات کو اللہ کی سپرد کریں اور اللہ کی ذات کے سوا کسی پر سہارا نہ رکھیں اس لیے کہ اللہ اس شخص کو ہر قسم کے حزن وملال سے محفوظ رکھتا ہے جو اس پر توکل کرتا ہے اور یاد رکھیں کہ آپ کے پروردگار پر بندوں کے اعمال میں کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر شخص کے عمل کے مطابق جزا سزا سے ہمکنار کرے گا۔

﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾

اور آپ کافروں سے فرماؤ تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ (۱۲۱) اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی منتظر ہیں۔ (۱۲۲) اور اللہ ہی کے لیے آسمان کی اور زمین کی غیب کی چیزوں کا علم، اور اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں۔ تو اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو آپ کا رب اس سے

بے خبر نہیں۔(۱۲۳)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس سے مراد آسمان اور زمین کے خزانے ہیں۔ ضحاکؒ نے کہا: اس سے آسمانوں اور زمین کی جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں وہ ساری مراد ہیں۔ باقیوں نے کہا: غیب السمٰوٰت والارض سے عذاب کا آسمان سے نزول اور زمین سے طلوع مراد ہے۔ ابو علی فارسیؒ نے کہا: للہ غیب السمٰوٰت والارض سے مراد ہے کہ جو آسمانوں اور زمین میں غائب ہے اس کو اللہ جانتا ہے۔ غیب کو مضاف کیا اور یہ مفعول کی طرف مضاف ہے تو اس کی اضافت توسعاً ہے، کیونکہ حرف جر کو حذف کر دیا گیا ہے۔ آپ کہتے ہیں: غبت فی الارض وغبت ببلد کذا میں زمین میں غائب ہوا اور میں فلاں شہر میں غائب ہوا۔ والیہ یرجع الامر کلہ یعنی قیامت کے دن سارے کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ کیونکہ مخلوق کو تو اس کے اذن کے بغیر امر حاصل نہیں ہوگا۔ نافع اور حفص نے یرجع یاء کے ضمہ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی لوٹائے جائیں گے۔

آسمان و زمین کے ہر غیب کو جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہی ہے۔ اسی کی سب کو عبادت کرنی چاہیے اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جو بھی اس پر بھروسہ رکھے وہ اس کے لیے کافی ہے۔ حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ تورات کا خاتمہ بھی انہیں آیتوں پر ہے اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

سورہ یوسف

یہ تمام سورت مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات اور ایک ہزار سات سو چھہتر کلمات اور سات ہزار ایک

سو چھیانوے حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں اس کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا مفصل تذکرہ نہیں ہے، بلکہ سورہ الانعام اور سورہ مومن کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا اسم مبارک بھی مذکور نہیں ہے، یہ سورت مکی ہے۔

شان نزول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے علماء کا ایک گروہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ تورات کے قاری تھے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سورہ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے انھوں نے اسے تورات کے مطابق پایا جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات نازل ہوئی تھی۔ ان علماء نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کس نے سکھلایا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے اللہ نے مجھے سکھلایا ہے۔ علماء کی جماعت نے تعجب کیا جب آپ سے اس بات کو سنا وہ یہودیوں کی طرف واپس آئے اور انھیں کہا کیا تم جانتے ہو اللہ کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح تورات نازل کی گئی تو کچھ لوگ ان کے ساتھ مل کر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کے اوصاف کو پہچان لیا اور مہر نبوت جو آپ کے کندھوں کے درمیان تھی اسے دیکھا اور آپ کو سورہ یوسف کی قراءت کرتے ہوئے سنا۔ انھوں نے تعجب کیا اور کہا آپ کو کس نے سکھلایا؟ آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے سکھلایا اور اس وقت یہ آیت نازل

ہوئی (یوسف اور اس کے بھائیوں کے واقعہ میں سوال کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں) جوان کے معاملے کے متعلق سوال کرتا ہے یا ان کے متعلق جاننا چاہتا ہے تو اس وقت قبیلے کے وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔"(۱)

کچھ یہودیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنواسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنواسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لیے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورہ یوسف نازل فرمادی۔

تاریخی وجغرافی حالات

اس قصے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مختصراً اس کے متعلق کچھ تاریخی وجغرافی معلومات بھی ناظرین کے پیش نظر رہیں۔

حضرت یوسف (علیہ السلام)، حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے، حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے پوتے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پڑپوتے تھے۔ بائبل کے بیان کے مطابق (جس کی تائید قرآن کے اشارات سے بھی ہوتی ہے) حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے ۱۲ بیٹے، ۴ بیویوں سے تھے، حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے چھوٹے بھائی بن یمین ایک بیوی سے، اور باقی ۱۰ دوسری بیویوں سے۔

۱۔ [رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ]

فلسطین میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی جائے قیام حَبرون (موجودہ الخیل) کی وادی میں تھی جہاں حضرت اسحاق (علیہ السلام) اوران سے پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) رہا کرتے تھے۔اس کے علاوہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی کچھ زمین سکم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی۔

بائبل کے علما کی تحقیق اگر درست مانی جائے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پیدائش ۱۹۲۷ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں ہوئی اور ۱۹۱۰ ق م کے قریب زمانے میں وہ واقعہ پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتداء ہوتی ہے، یعنی خواب دیکھنا اور پھر کنویں میں پھینکا جانا۔اس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) کی عمر ۱۷ برس کی تھی، جس کنویں میں وہ پھینکے گئے وہ بائبل اور تلمود کی روایات کے مطابق سکم کے شمال میں دوتن (موجودہ دثان) کے قریب واقع تھا، اور جس قافلے نے انھیں کنویں سے نکالا وہ جلعاد (شرق اردن) سے آرہا تھا اور مصر کی طرف عازم تھا۔(جلعاد کے کھنڈرات بھی دریائے اردن کے مشرق میں وادی الیابس کے کنارے واقع ہیں۔)

مصر پر اس زمانہ میں پندرہویں خاندان کی حکومت تھی جو مصری تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (HYKSIS KINGS) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عربی النسل تھے اور فلسطین وشام سے مصر جاکر ۲ ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں سلطنت مصر پر قابض ہوگئے تھے۔عرب مؤرخین اور مفسرین قرآن نے ان کے لیے "عمالیق" کا نام استعمال کیا ہے جو مصریات کی موجودہ تحقیقات سے ٹھیک مطابقت رکھتا ہے۔مصر میں یہ لوگ اجنبی حملہ آور کی حیثیت رکھتے تھے اور ملک کی خانگی نزاعات کے سبب سے انھیں وہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔یہی سبب ہوا کہ ان کی حکومت میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں

ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، ملک کے بہترین زرخیز علاقے میں آباد کیے گئے اور ان کو وہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوا کیونکہ وہ ان غیر ملکی حکمرانوں کے ہم جنس تھے۔ پندرھویں صدی قبل مسیح کے اواخر تک یہ لوگ مصر پر قابض رہے اور ان کے زمانے میں ملک کا سارا اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔ اسی دور کی طرف سورہ مائدہ آیت ۲۰ میں اشارہ کیا گیا ہے اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اس کے بعد ملک میں ایک زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے ہکسوس اقتدار کا تخت الٹ دیا۔ اڑھائی لاکھ کی تعداد میں عمالقہ ملک سے نکال دیئے گئے۔ ایک نہایت متعصب قبطی النسل خاندان برسر اقتدار آ گیا اور اس نے عمالقہ کے زمانہ کی یادگاروں کو چن چن کر مٹا دیا اور بنی اسرائیل پر ان مظالم کا سلسلہ شروع کیا جن کا ذکر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قصے میں آتا ہے۔

مصری تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان چرواہے بادشاہوں نے مصری دیوتاؤں کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دیوتا شام سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ مصر میں ان کا مذہب رائج ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ہم عصر بادشاہ کو "فرعون" کے نام سے یاد نہیں کرتا کیونکہ "فرعون" مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ مصری مذہب کے قائل نہ تھے لیکن بائبل میں غلطی سے اس کو بھی "فرعون" ہی کا نام دیا گیا ہے۔ شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ "فراعنہ" ہی تھے۔

موجود زمانہ کے محققین جنھوں نے بائبل اور مصری تاریخ کا تقابل کیا ہے، عام رائے یہ رکھتے ہیں کہ چرواہے بادشاہوں میں سے جس فرمانروا کا نام مصری تاریخ میں اپوفیس (APOPHIS) ملتا ہے، وہی حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ہم عصر تھا۔

مصر کا دارالسلطنت اس زمانہ میں ممفس (منف) تھا جس کے کھنڈر قاہرہ کے جنوب میں ۱۴ میل کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں وہاں پہنچے۔ دو تین سال عزیز مصر کے گھر رہے۔ آٹھ نو سال جیل میں گزارے۔ ۳۰ سال کی عمر میں ملک کے فرمانروا ہوئے اور ۸۰ سال تک بلاشرکت غیرے تمام مملکت مصر پر حکومت کرتے رہے۔ اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال انھوں نے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اپنے پورے خاندان کے ساتھ فلسطین سے مصر بلا لیا اور اس علاقے میں آباد کیا جو دمیاط اور قاہرہ کے درمیان واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کا نام جشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے تک یہ لوگ اسی علاقے میں آباد رہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور انتقال کے وقت بنی اسرائیل کو وصیت کی کہ جب تم اس ملک سے نکلو تو میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے کر جانا۔ (یہ عربی کا محاورہ ہے) جس کا مطلب ہے میرے جسم کو نکال لے جانا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱۔ قرآن کی حقانیت اور حضرت یوسف کے خواب کا ذکر ہے آخر میں حضرت یوسف کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔

رکوع ۲۔ حضرت یوسف کے عبرت انگیز واقعہ کا آغاز۔ حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کے لیے ان بھائیوں کی اپنے باپ حضرت یعقوب سے درخواست۔ حضرت یعقوب کا اندیشہ اور بھائیوں کا حضرت یوسف کو لیجا کر کنوئیں میں ڈالنا۔ آخر میں حضرت یوسف کا اہل قافلہ کے ہاتھوں فروخت ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳۔ عزیز مصر کا حضرت یوسف کو خریدنا۔ پھر عزیز مصر کی بیوی کے مکروفریب سے بچنے کے لیے

حضرت یوسف کا دروازے کی طرف بھاگنا۔آخر میں عزیز مصر کی صاف گوئی کا بیان ہے۔

رکوع ۴۔شہر کی عورتوں میں حضرت یوسف کا چرچا اور ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵۔حضرت یوسف کا اعلان توحید، پھر حضرت یوسف کا اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر دینا۔

رکوع ٦۔بادشاہ کے خواب اور اس کی تعبیر کا بیان۔

رکوع ۷۔حضرت یوسف کی رہائی اور زلیخا کا اقبال جرم پھر حضرت یوسف کا اعلان برات مذکور ہے، آخر میں مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت یوسف کی تقرری کی گئی ہے۔

رکوع ۸۔حضرت یوسف کے بھائیون کا غلہ کے لیے حضرت یوسف کے پاس انا اور غلہ لے کر واپس جانا۔بھائیوں کی طرف سے اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کے لیے اصرار پر حضرت یعقوب کا اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لینا اور ان کو نصیحت کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹۔حضرت یوسف کا بنیامین سے خصوصی معاملہ اور چوری کے الزام میں بھائیوں کے سامان کی تلاشی، چوری برآمد ہونے پر حضرت یوسف کا بنیامین کو اپنے پاس روکنا اور بھائیوں کا حضرت یوسف سے اس کی رہائی کے لیے درخواست کرنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۰۔رکوع کے شروع میں بنیامین کے بارے میں بھائیوں کا آپس میں مشورہ کرنا اور اس معاملے میں حضرت یعقوب کے صبر و استقامت کا بیان ہے۔پھر حضرت یعقوب کی طرف سے بیٹوں کو حضرت یوسف کی تلاش کا حکم مذکور ہے، آخر میں حضرت یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا اور ان کے عفو و درگزر کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱۔ کنعان میں حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خوشبو محسوس ہونا اور پھر ان کی بینائی بحال ہونے کا بیان ہے اس کے بعد باپ بیٹوں کا سجدہ تعظیمی اور حضرت یوسف کی دعا مذکور ہے، آخر میں بتایا گیا کہ یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر وحی کی گئی ہیں تا کہ لوگو پر حجت قائم ہو جائے اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

رکوع ۱۲۔ شروع میں وحدانیت کی نشانیون کا ذکر ہے پھر تمام انبیاء کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے آخر میں بتایا گیا کہ یہ واقعات سمجھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لیے عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔

﴿ الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ۛ ۱ ﴾

الف۔ لام۔ را۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔

الف لام راء حروف مقطعات ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مابین ایک سر ہے اس پر سورہ بقرہ کے آغاز میں مفصل کلام ہو چکا ہے۔ آگے فرمایا، تلک ایت الکتاب المبین (یعنی یہ سورت یوسف کتاب مبین (قرآن حکیم) کی آیات ہیں۔ قرآن کو مبین کہا گیا یعنی بیان کرنے والا کیونکہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ الرٰ سورت کا نام ہے یعنی یہ سورت جس کا نام الرٰ ہے یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی، کتاب مبین سے مراد قرآن مبین ہے یعنی جس کا حلال، حرام، اس کی حدود، اس کے احکام، اس کی ہدایت اور اس کی برکت واضح ہے۔ ایک قول یہ ہے: یعنی یہ وہ آیات ہیں جن کا تمہارے ساتھ تورات میں وعدہ کیا گیا تھا۔

﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝٢ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ۝٣ ﴾

بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تا کہ تم سمجھو۔(۲) ہم آپ سے اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف وحی کیا ہے ایک بہترین قصہ سناتے ہیں اور بیشک اس سے پہلے آپ بالکل ہی بے خبر تھے۔(۳)

ابوالشیخ وابن مردویہ رحمہا اللہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں عربی ہوں قرآن عربی ہے اور جنت والوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کتاب مخصوص طور پر اہل عرب ہی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ بلکہ اس فقرے کا اصل مدعا یہ کہنا ہے کہ" اے اہل عرب، تمہیں یہ باتیں کسی یونانی یا ایرانی زبان میں تو نہیں سنائی جارہی ہیں، تمہاری اپنی زبان میں ہیں، لہٰذا تم نہ تو یہ عذر پیش کر سکتے ہو کہ یہ باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور نہ یہی ممکن ہے کہ اس کتاب میں اعجاز کے جو پہلو ہیں، جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، وہ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ رہ جائیں"۔

اس سورت کو باقی تمام قصص میں سے احسن القصص کیوں کہا گیا؟ ایک قول یہ ہے: کیونکہ قرآن میں کوئی ایسا قصہ نہیں جس میں وہ عبرتیں اور حکمتیں ہوں جو اس قصہ میں ہیں۔ اور اس کا بیان اس سورت کے آخر

میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب۔ایک قول یہ ہے: حضرت یوسف (علیہ السلام) کے اپنے بھائیوں کو درگزر کرنے، ان کی اذیتوں پر آپ کے صبر، ان کا آپ کو کنویں میں لٹکانے کے بعد آپ کا ان کو معاف کرنا اور ان کو معاف کرنے میں آپ کے کرم کے حسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام احسن القصص رکھا ہے حتیٰ کے آپ نے فرمایا: لاتثریب علیکم الیوم۔ایک قول یہ ہے: کیونکہ اس میں انبیاء صالحین، فرشتوں، شیاطین، جن، انسان، جانور، پرندے، بادشاہوں کی سیرت، مختلف ممالک، تاجر، علماء، جاہل، مردوں، عورتوں اور ان کے حیلوں اور فریبوں کا ذکر ہے اور اس میں توحید، فقہ، بین الاقوامی قانون، خوابوں کی تعبیر، سیاست، معاشرت، تدبیر معاش کا ان تمام فوائد کا ذکر ہے جو دین و دنیا کی اصلاح کرتے ہیں۔اور ایک قول یہ ہے: کیونکہ اس میں حبیب، محبوب اور ان دونوں کی سیرت کا تذکرہ ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہاں احسن بمعنیٰ اُعجب ہے۔بعض اہل معانی نے کہا: احسن القصص اس وجہ سے ہے کہ ہر وہ شخص جس کا اس میں ذکر ہے اس کا انجام سعادت تھا۔حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دیکھو، آپ کے باپ، آپ کے بھائیوں اور عزیز مصر کی بیوی کو دیکھو۔اور ایک قول یہ ہے: بادشاہ بھی حضرت یوسف (علیہ السلام) کی وجہ سے اسلام لایا اور اس کا اسلام عمدہ تھا۔اور خوابوں کی تعبیر چاہنے والا ساقی اور گواہ ان تمام کا معاملہ بھلائی پر ہی مبنی تھا۔[1]

﴿ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۴ ﴾

۱۔(الجامع لاحکام القرآن جز۹ ص۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے ابا! بیشک میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرپوتے تھے۔ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے ان کی چار بیویوں سے تھے۔ ان میں سے حضرت یوسف اور ان کے چھوٹے بھائی بن یمین ایک بیوی سے تھے اور باقی دس دوسری بیویوں سے۔ یہ لوگ فلسطین کے علاقے حَبرون کی وادی میں رہتے تھے۔ اسے اب الخیل کہا جاتا ہے۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، بائیبل کے علما کی تحقیق کے مطابق وہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے قریب زمانے میں کسی وقت پیش آیا تھا۔ حضرت یوسف کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا خواب میں ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھنا زمخشری نے کہا لفظ یوسف عبرانی زبان کا لفظ ہوتا تو یہ منصرف ہوتا کیونکہ یہ صرف علم ہے اور اس میں تنوین سے مانع کوئی چیز نہیں ہے سو اس پر تنوین نہ آنا اور اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عبرانی ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خواب میں یہ دیکھا کہ گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند نے ان کو سجدہ کیا ہے اور حضرت یوسف کے گیارہ بھائی تھے اس لیے گیارہ ستاروں کی گیارہ بھائیوں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سورج اور چاند کی باپ اور ماں کے ساتھ تعبیر کی گئی اور سجدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت یوسف کے سامنے تواضع سے جھک جائیں گے اور ان کے احکام کی پیروی کریں گے۔

﴿ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ ﴾

انہوں نے کہا کہ بیٹا! اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے لیے کوئی تدبیر کریں گے، کوئی بری تدبیر۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

امام ابن جریرؒ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) جب شام آئے تو ان کی زیادہ توجہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی بن یامین کی طرف تھی اور جب ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب کی حضرت یوسف کی طرف زیادہ محبت دیکھی تو وہ حضرت یوسف سے حسد کرنے لگے اور جب حضرت یوسف نے یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو منع کیا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کریں مبادا وہ ان کے خلاف کوئی سازش کریں۔ [۱]

سیدنا ابورزینؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے، وہ (گویا) پرندے کے پاؤں پر ہے، ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہو جائے تو پھر وہ واقع ہو جاتا ہے۔" [۲]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱٤٤٤۸)

۲۔[أبوداؤد، کتاب الأدب، باب فی الرؤیا: ۵۰۲۰۔ ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ماجاء فی تعبیر الرؤیا: ۲۲۷۸]

ہوئے سنا: ”جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ پسند کرتا ہو تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، سو وہ اس پر اللہ کی حمد کرے اور اسے بیان کر دینا چاہیے، لیکن اگر کوئی اس کے برعکس کوئی ایسا خواب دیکھتا ہے جو اسے ناپسند ہے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، سو وہ اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے ایسے خواب کا ذکر نہ کرے، تو یہ خواب اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“ (۱)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں ادا کرے اور کسی کو خواب کے متعلق نہ بتائے تو یہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔“ (۲)

سیدنا عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔“ (۳)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ نے فرمایا: ”نبوت میں سے صرف اب مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔“ صحابہ نے پوچھا، مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اچھے خواب۔“ (۴)

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ: ارشاد فرمایا: (○اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ)[فاطر:٦] ”یقیناً شیطان تمہارا دشمن

۱۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا من اللہ:٦٩٨٥]

۲۔[مسند الحمیدی:٢/٤٨٤، ح:١١٤٥]

۳۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ وأربعین جزءا من النبوۃ:٦٩٨٧]

۴۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب المبشرات:٦٩٩٠]

ہے، سوتم اسے دشمن جانو، یہ اپنی جماعت کو پکارتا ہے تا کہ انھیں اہل جہنم میں سے کر دے۔"

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو (عالم میں فساد کرنے کے لیے) بھیجتا ہے اور از روئے مرتبہ اس کے زیادہ قریب وہ شیطان ہوتا ہے جو بڑا افساد بپا کرے۔ کوئی شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیے، تو شیطان کہتا ہے، تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کروا دی، تو شیطان اسے قریب کرتے ہوئے کہتا ہے، ہاں، تو نے بڑا کام کیا ہے۔" راویٔ حدیث اعمش کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بلکہ وہ اسے سینے سے لگا لیتا ہے۔" (۱)

﴿ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ﴾

اور اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدہ کرے گا اور تمہیں باتوں کا انجام (خوابوں کی تعبیر) سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری فرمائے گا۔ جس طرح

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان۔۔۔ الخ: ۶۷/ ۲۸۱۳]

اس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا، بیشک تمہارا رب سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اول تو یہ نصیحت کی کہ تو اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا اور پھر فرمایا کہ میں سمجھ رہا ہوں اور یقین کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں تعبیر خواب کا علم بھی عطا فرمائے گا اور تم پر اپنا انعام پورا فرمائے گا جس میں نبوت کا عطا فرمانا بھی ہے۔

تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا نعمت کی تکمیل کی بھی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ ہے کہ نعمت کو اس طرح کامل کر دینا کہ وہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو اور ایسی نعمت انسان کے حق میں صرف نبوت ہے کیونکہ مخلوق کے تمام مناصب، منصب نبوت کے مقابلہ میں ناقص ہیں اور انسان کے حق میں تمام مطلق اور کمال مطلق صرف نبوت ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: جس طرح اس سے پہلے اس نے نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا اور وہ نعمت جو حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے باپ دادا میں مشترک ہے وہ صرف نبوت ہے کیونکہ اسی نعمت کی وجہ سے حضرت ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کو باقی انسانوں سے امتیاز حاصل ہوا لہٰذا اس آیت میں تکمیل نعمت سے مراد نبوت ہے۔ نیز اس آیت میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) سے فرمایا ہے: اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت مکمل فرمائے گا۔ اس آیت میں آل یعقوب سے مراد ان کے صلبی بیٹے نہیں ہیں بلکہ ان کی ذریت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت

یعقوب (علیہ السلام) کے صلبی بیٹوں کو نبوت نہیں دی گئی تھی۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم چالیس سال کے بعد دیا گیا تھا اور ان کی تعبیر میں کبھی خطا واقع نہیں ہوئی اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ ان کو خواب کی تعبیر کا علم سب سے زیادہ تھا اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی سب سے زیادہ خواب کی تعبیر کا علم تھا اور امت میں یہ علم سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تھا اور امام ابن سیرینؒ کو بھی اس کا علم بہت زیادہ تھا اور اس کے قریب سعید بن مسیبؒ کو اس کا علم تھا۔ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "معزز، معزز کے بیٹے، معزز کے پوتے اور معزز ہی کے پڑپوتے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں۔" [۲]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یوسف (علیہ السلام) کو آدھا حسن دیا گیا تھا۔" [۳]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یوسف (علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔" [۴]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال ہوا کہ لوگوں میں زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "جس کے دل میں اللہ کا ڈر سب سے زیادہ ہو۔" انھوں نے کہا، ہمارا

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (أم کنتم شہداء إذ حضر یعقوب الموت): ۳۳۸۲]

۳۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إلی السموات وفرض الصلوات: ۱۶۲]

۴۔ [مستدرک حاکم: ۵۷۰/۲، ح: ۴۰۸۲]

مقصود یہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”پھر سب لوگوں میں زیادہ بزرگ یوسف (علیہ السلام) ہیں، جو خود نبی تھے، جن کے والد نبی تھے، جن کے دادا نبی تھے، جن کے پڑ دادا نبی خلیل اللہ تھے۔“ انھوں نے کہا، ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا: ”پھر کیا تم عرب کے قبیلوں کی نسبت یہ سوال کرتے ہو؟“ انھوں نے کہا، جی ہاں! آپ نے فرمایا: ”سنو! جاہلیت کے زمانے میں جو ممتاز اور شریف تھے، وہ اسلام لانے کے بعد بھی ویسے ہی شریف ہیں، جب کہ انھوں نے دین میں سمجھ حاصل کر لی ہو۔“ [١]

﴿ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝٧ ﴾

یقیناً یوسف اور آپ (علیہ السلام) کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے، بہت سی نشانیاں ہیں۔

اسلام کی خبر جب مدینہ پہنچی تو یہود مدینہ نے چند آدمی مکہ بھیجے تاکہ وہ کفار مکہ کے ساتھ مل کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آزمائش کریں اور ان سے پوچھیں کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو بتائیں وہ کون سا نبی تھا جس کا ایک بیٹا شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گیا؟ یہود مدینہ جانتے تھے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھے لکھے نہیں ہیں، نیز مکہ میں کوئی تورات کا

١۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب (أم کنتم شہداء إذ حضر یعقوب الموت): ٣٣٧٤۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل یوسف: ٢٣٧٨]

عالم بھی نہیں ہے، لہٰذا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس واقعہ کا علم نہیں ہوگا۔

"پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں" اس فقرہ نے ان احادیث وآثار کے تصدیق فرمادی جن احادیث وآثارمی یہ بیان ہوا کہ قریش نے یہود کے ایماء پر یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو بتائیں وہ کون سا نبی تھا جس کا ایک بیٹا شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہوگیا؟ یہود مدینہ جانتے تھے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پڑھے لکھے نہیں ہیں، نیز مکہ میں کوئی تورات کا عالم بھی نہیں ہے، لہٰذا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس واقعہ کا علم نہیں ہوگا۔

اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف نازل فرمائی اور اس میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے واقعات اس قدر تفصیل سے بیان فرمائے کہ اتنی تفصیل تو یہود کی اپنی مقدس کتاب تورات میں بھی نہیں تھی، نیز یہ اس چیز کا بین ثبوت تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ اس تسلی بخش جواب کے مل جانے کے بعد بھی اگر یہ پوچھنے والے کتاب پر ایمان نہ لائے تو برادران یوسف (علیہ السلام) کی طرح ان کو بھی بالآخر ندامت اٹھانا پڑے گی۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے گیارہ بھائی تھے، جن میں ایک کا نام بن یامین تھا اور یہ حقیقی بھائی تھا۔ اور چھ سوتیلے بھائی روبن، شمعون، لاوی، یہودا، آشکار، زبلون جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خالہ کے بیٹے تھے۔ مزید چار سوتیلے بھائی جاد، آشر، دان اور نفتالی جو

دو حرموں میں سے تھے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو چاہتے تھے، اور ان کے بعد ان کے برادر بن یامین سے محبت فرماتے تھے۔

﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝۸ ﴾

جب انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یوسف اور اس کا بھائی (بنیامین) ہمارے والد کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں یقیناً ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی بنیامین سے ان کے باپ زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ وہ دونوں چھوٹے تھے، ان کی ماں فوت ہو چکی تھیں، نیز وہ دونوں اور بالخصوص حضرت یوسف (علیہ السلام) صورت اور سیرت کے اعتبار سے بھی باقی بھائیوں میں لاجواب تھے مگر باپ کے اس طرز عمل سے دوسرے دس بھائیوں کے دل میں حسد پیدا ہو گیا اور انہوں نے آپ میں مشورہ کیا کہ تعداد میں وہ زیادہ ہیں، نیز وہ جوان اور طاقتور ہیں گھر کے جملہ اخراجات کا انتظار بھی وہ کرتے ہیں، لہٰذا وہ زیادہ محبت کے مستحق ہیں اور ان کے مقابلہ میں چھوٹے بیٹوں سے زیادہ محبت کرنا ان کے باپ کی ناانصافی اور کھلی خطا ہے۔ اس سے ان کی مراد عقیدے کی خطا نہیں بلکہ دنیاوی معاملات کی کم فہمی تھی۔ یوسف علیہ کے بھائیوں کے نزدیک حالانکہ وہ بھی نہیں تھی۔

قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب (علیہ السلام) نے یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین کو دوسرے

بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امراخ تیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیبیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عن آیت یوسف کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ ان ابانا لفی ضلل مبین کہ واقعی ہمارا باپ اس بارہ میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے۔ اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی۔

﴿ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾ ﴾

"یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی سرزمین میں پھینک آؤ پھر تمہارے باپ کی توجہ تمہارے لیے خاص ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک بن جانا۔

یوسف کو راستے سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں یا تو اسے قتل کر ڈالو یا کہیں دور دراز جگہ پھینک آؤ، جہاں سے واپس نہ آسکے یہ کام کر کے توبہ کے ذریعہ نیک و صالح بن جانا، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

اللہ کی مرضی اور حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسف قتل نہ ہوں، ان کو نبوت و بادشاہت عطا کی جائے اور ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سامنے عاجز و بے بس کر کے لائے، چنانچہ بھائی کی گفتگو سن کر ان کے

دل نرم ہو گئے اور طے یہ ہوا کہ ان کو قتل کرنے کے بجائے کسی غیر آباد کنوئیں کہ تہہ میں ایسی جگہ ڈال دیا جائے جہاں وہ زندہ رہے تا کہ کوئی گزرنے والا قافلہ جب وہاں آئے تو اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے اس طرح اس کا پاپ ہی کٹ جائے گا اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝۱۰ ﴾

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اس کو کسی اندھے کنویں کی گہرائی میں ڈال دو اس کو کوئی قافلہ والا اٹھا لے جائے گا اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو (اس طرح کرو)۔

غیابۃ: اس کا معنی ہے گہرا گرھا یہاں مراد ہے کنوئیں کی گہرائی۔ یہ گہرائی نظر سے غائب ہوتی ہے اس لیے اس کو غیابۃ فرمایا۔ الجب: جب کا معنی کاٹنا اور اس سے مراد ہے بہت گہرا کنواں جس کو اندھا کنواں کہتے ہیں کیونکہ اس میں جھانک کر دیکھو تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ کنواں بیت المقدس میں تھا وہب بن منبہ نے کہا: یہ کنواں اردن میں تھا مقاتل نے کہا: یہ کنواں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے گھر سے تین فرسخ دور تھا۔ السیارۃ: جو لوگ راستہ میں سفر کرتے ہیں اس سے مراد ہے قافلہ انہوں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ حضرت یوسف کو اٹھا کر خود انہیں کسی دور دراز علاقہ میں نہ لے جانا پڑے کیونکہ اگر وہ خود کہیں جاتے تو ہو سکتا ہے ان کو حضرت یعقوب اجازت نہ دیتے اور اگر بغیر اجازت نہ دیتے اگر بغیر اجازت جاتے تو ہو سکتا ہے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو پتا چل جاتا۔ یلتقط: التقاط کا معنی ہے

راستہ سے کسی چیز کو اٹھانا جو بچہ راستہ میں پڑا مل جائے اس کو لقیط کہتے ہیں اور جو چیز راستہ میں گری پڑی مل جائے اس کو لقطہ کہتے ہیں اور اس کا غالب استعمال اس بچہ کے لیے ہوتا ہے جس کو پھینک دیا جائے۔ (۱)

قال قآئل منھم کہنے والا یہودا ہے، یہ حضرت یعقوب کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ روبیل ہے۔ اور یہ آپ کی خالہ کا بیٹا ہے وہی ہے جس نے فلن ابرح الارض کہا۔ ایک قول یہ ہے: وہ شمعون ہے۔

ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے جنگل میں سر راہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کوئی گذرنے والا قافلہ اسے نکال کر کسی دوسرے علاقے میں لے جائے اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور یوسف کی جان بھی بچ جائے گی۔ اکثر مفسرین کی رائے میں یہ قائل یہودا تھا جو سب سے بڑا تھا۔ آخر سب نے اتفاق کیا کہ یوسف کو قتل کرنے کے بجائے کسی گہرے کنوئیں میں پھینک دیا جائے جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے پتہ چلتا ہے۔ بھائیوں نے مل کر یہ پروگرام بنایا مگر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اس کا کوئی علم نہیں۔ اس سے ان کے غیب داں ہونے کی نفی ہوتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرزندان یعقوب (علیہ السلام) کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان کے والد گرامی غیب نہیں جانتے تھے کیونکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی یہی تعلیم تھی کہ اللہ کے سوا کوئی غیب داں نہیں۔ ورنہ وہ ایسا کوئی منصوبہ نہ بناتے۔

لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء

۱۔(الصحاح ج ۲ ص ۵۷۱، المصباح المنیر ج ۲ ص ۸۰۵، المغرب ج ۲ ص ۲۴۷)

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ لقطہ کا نہ اٹھانا افضل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، ابن زید، ربیع بن خیثم اور عطاء کا بھی یہی نظریہ ہے۔ قاضی شریح نے ایک درہم گرا ہوا دیکھا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ امام شافعی اور ابوالخطابؒ کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہے جہاں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس شخص کو اپنے اوپر یہ اطمینان حاصل ہو کہ وہ اس چیز میں خیانت نہیں کرے گا تو اس شخص کے لیے اس چیز کو اٹھانا افضل ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص پر اٹھانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض (توبہ:۷۱) مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ تو ان پر ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت واجب ہے۔ سعید بن مسیب، حسن بن صالح اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی لقطہ کو اٹھانا واجب ہے۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت سوید بن غفلہؓ نے لقطہ کو اٹھایا تھا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہم اور قیمتی چیز ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے اور وہ اٹھا کر اس کا اعلان کرے کیونکہ اس میں مسلمان کے مالک کی حفاظت ہے اور یہ اس کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے اور صحابہ میں سے کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی نیز لقطہ کو اٹھا کر اپنے آپ کو حرام کھانے اور اعلان نہ کر کے ترک واجب کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے زیادہ محفوظ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ لقطہ کو نہ اٹھایا جائے جس طرح یتیم کے مال کا ولی نہ بننا بہتر ہے اور یہ خیال کہ لقطہ نہ اٹھانے سے ایک مسلمان کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سود مند نہیں ہے کہ بھولے بھٹکے اونٹ وغیرہ کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے

حالانکہ مال ضائع ہونے کا خطرہ اس میں بھی ہے۔ (۱)

لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ لقطہ کے اعلان کی مدت ایک سال ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباسؓ سے یہی روایت ہے۔ ابن مسیب، شعبیؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر سے دوسری روایت ہے کہ تین ماہ تک اعلان کرے اور ایک اور روایت ہے کہ تین سال تک اعلان کرے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں تین سال تک ایک سو دینار کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زید بن خالد کو ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ راوی نے کہا مجھے پتا نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال، امام ابوداؤد نے کہا کہ راوی کو اس میں شک ہے۔ (۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: لقطہ کا بازاروں میں اور مساجد کے دروازوں وغیرہ پر ایک سال تک اعلان کرے پہلے ہفتہ ہر دن صبح و شام اعلان کرے پھر ہر دن میں ایک مرتبہ پھر ہر ہفتہ میں پھر ہر مہینہ میں اور صحیح یہ ہے کہ جو چیز حقیر ہو اس کا اعلان ایک سال نہ کیا جائے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کیا جائے جتنی مدت میں یہ گمان ہو جائے کہ اب مالک نے اس سے اعراض کر لیا ہوگا۔ (۳)

۱۔ (المغنی ج ۵ ص ۲۱۷۔۲۱۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (المغنی ج ۶ ص ۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

۳۔ (مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۴۔۴۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

قاضی ابوالولید مالکی لکھتے ہیں کہ جو چیز قیمتی ہو اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے بشرطیکہ وہ مال غنیمت سے نہ ہو۔ (۱)

﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ
لَنٰصِحُوْنَ ۝﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ ۝﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ
يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ
وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝﴿۱۴﴾ ﴾

انھوں نے کہا اے ہمارے ابا جان، کیا بات ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے بیشک ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔ (۱۱) کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ کھائے پیئے اور کھیلے کودے ہم بیشک اس کے نگہبان ہیں۔ (۱۲) یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کہ بیشک مجھے یہ بات رنجیدہ کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے یہ خوف بھی ہے کہ تم کھیل میں اس سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ (۱۳) انہوں نے کہا کہ اگر اسے بھیڑیا

۱۔ (ہدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کھالے اور ہم ایک پوری جماعت ہیں تب تو ہم بالکل گئے گذرے ہوں گے۔

(۱۴)

مشورہ طے ہو جانے کے بعد سب جمع ہو کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ سیر و سیاحت اور شکار کرنے کے لیے نہیں بھیجتے کیا آپ کو ہم پر اعتماد نہیں؟ بھلا ہم سے زیادہ اس کا خیر خواہ دوسرا کون ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم کی اس آیت گیارہ اور بارہ کو بار بار پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو کہ انسان بعض اوقات کتنا مکار، کتنا فریبی، کتنا دھوکا باز اور کتنا ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور سفید جھوٹ پر کس طرح رنگ بھرتا ہے اور یہ کام کن کن خاندانوں اور کیسے کیسے شاندار گھروں اور بڑی بڑی شخصیتوں کے ہاں ہوتے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ یہ صرف یعقوب ہی کے بیٹوں کا کردار تھا بلکہ اس کردار کے ادا کرنے والے آج بھی سارے بڑے بڑے گھرانوں میں موجود ہیں خصوصاً جن گھرانوں میں ذرا بھی اقتدار کی ہوس ہے وہاں ان کی آج بھی کثرت ہے۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو بھیڑیے کا خطرہ اس لیے تھا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ بھیڑیئے نے حضرت یوسف (علیہ السلام) پر حملہ کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے خواب دیکھا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی پر ہیں اور حضرت یوسف وادی کے نیچے ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے حضرت یوسف کو گھیر لیا وہ ان کو پھاڑ کھانا چاہتے تھے پھر ایک نے ان کو ہٹایا پھر زمین پھٹ گئی اور حضرت یوسف (علیہ السلام) اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ ان دس بھیڑیوں سے مراد ان کے دس بھائی تھے جب وہ حضرت یوسف کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور جس نے ان کو ہٹایا وہ ان کا بڑا بھائی یہوذا تھا اور زمین میں چھپنے سے مراد حضرت یوسف کا تین دن کنوئیں میں قیام کرنا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے یہ اس لیے کہا تھا کہ ان کو ان بھائیوں سے خطرہ تھا اور آپ کی بھیڑیئے سے مراد یہی لوگ تھے۔ حضرت یعقوب کو ان لوگوں سے یہ خطرہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیں گے اور آپ نے کنایتاً ان ہی کو بھیڑیا فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت یعقوبؑ نے ان کو بھیڑیا فرمایا تھا ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ان بھائیوں سے خطرہ نہیں تھا اگر آپ کو ان سے خطرہ ہوتا تو آپ حضرت یوسفؑ کو ان کے ساتھ نہ بھیجتے آپ کو دراصل بھیڑیئے ہی کا خطرہ تھا کیونکہ اس علاقہ کے صحارئ میں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے۔ [۱]

مروی ہے کہ اس سے قبل یعقوب (علیہ السلام) نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے وہ کسی پہاڑ پر کھڑے ہیں اور یوسف (علیہ السلام) نیچے صحرا میں ہیں اتنے میں دس بھیڑیوں نے ان پر حملہ کر دیا پھر انہی میں سے ایک بھیڑیے نے انھیں بچایا۔ پھر یوسف (علیہ السلام) تین دن کے لیے زمین میں غائب ہو گئے۔

اس خواب میں ۱۰ بھیڑیوں سے مراد ۱۰ برادران یوسف تھے جنہوں نے یوسف (علیہ السلام) کے قتل کا منصوبہ بنایا پھر انہی میں سے یہودا نے انھیں قتل سے روکا اور بعد میں انھوں نے یوسف علیہ سلام کو کنویں میں پھینکا اور آپ تین دن کنویں میں رہے یہ خواب دیکھنے کے بعد یعقوب (علیہ السلام) کو اپنے بیٹے یوسف (علیہ السلام) کی زیادہ فکر رہتی تھی۔

باپ کے جواب میں سب کے سب کہنے لگے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا جائے۔ جبکہ ہم سب کے سب اکٹھے اور طاقتور ہیں۔ اگر یوسف کو ہمارے جیتے جی کوئی نقصان پہنچا تو ہم سے بڑھ کر کون نقصان پانے والا ہوگا۔ عُصۡبَة کا معنیٰ گھوڑوں، پرندوں کا جھنڈ اور

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۹ ص ۱۲٤)

مردوں کی اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جو دس افراد پر مشتمل اور ایک دوسرے کے مدد ومعاون ہوں۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاَجْمَعُوٓا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ ۚ
وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَـتُنَبِّئَنَّهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۞۱۵

پھر جب وہ یوسفؑ کو لے گئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسے اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ضرور انھیں ان کے اس کام کی خبر دے گا اس حال میں کہ وہ سمجھتے نہ ہونگے۔

حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کا راستہ میں زدوکوب کرنا حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کے اصرار پر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے انہیں حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ جب حضرت یوسف اپنے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ میں ان کے ساتھ شدید عداوت کا اظہار کیا ایک بھائی حضرت یوسفؑ کو مارتا تو وہ دوسرے بھائی سے فریاد کرتے تو وہ بھی ان کو مارتا پیٹتا اور انہوں نے ان میں سے کسی کو رحم دل نہ پایا۔قریب تھا کہ وہ حضرت یوسف کو قتل کر دیتے اس وقت حضرت یوسف کہہ رہے تھے: اے یعقوب! کاش آپ جانتے کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے تب یہوذا نے کہا: کیا تم لوگوں نے مجھ سے یہ پکا عہد نہیں کیا تھا کہ تم لوگ اس کو قتل نہیں کرو گے تب وہ حضرت یوسف کو کنوئیں پر لے گئے اور ان کو کنوئیں کی منڈی پر کھڑا کر کے ان کی

قمیص اتاری جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قمیص پر خون لگا کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو دیں گے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان سے کہا: میری قمیص واپس کردو تا کہ میں اس سے اپنے بدن کو چھپاؤں۔ بھائیوں نے کہا: اب تم سورج، چانداور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تا کہ وہ اس کنوئیں میں تمہاری غمگساری کریں پھر انہوں نے حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینک دیا تا کہ وہ پانی میں ڈوب کر مرجائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گر گئے پھر انہوں نے کنوئیں کے ایک پتھر کی پناہ لی اور اس پتھر پر کھڑے ہوگئے۔ وہ اس پر کھڑے ہوئے رو رہے تھے کہ ان کے بھائیوں نے ان کو آواز دی حضرت یوسف یہ سمجھے کہ شاید ان کو رحم آ گیا ہے انہوں نے کہا: لبیک۔ انہوں نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضرت یوسف کا نشانہ لیا اب یہوذا نے ان کو منع کیا اور یہوذا ہی ان کو کنوئیں میں کھانا پہنچاتا رہا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا اے وہ جو حاضر ہے غائب نہیں! اے وہ جو قریب ہے بعید نہیں! اے وہ جو غالب ہے مغلوب نہیں! میری اس مشکل کو آسان کر دے اور مجھے اس کنوئیں سے نجات عطا فرما اور یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے کپڑے اتار لیے گئے تو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے ان کو جنت کی ایک ریشمی قمیص پہنائی پھر حضرت ابراہیم نے وہ قمیص حضرت اسحاق کو دی اور حضرت اسحاق نے وہ قمیص حضرت یعقوب کو دی اور حضرت یعقوب نے اس قمیص کو ایک غلاف میں ڈال کر وہ غلاف حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا پھر حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کنوئیں میں آئے اور غلاف سے وہ قمیص نکال کر حضرت یوسف کو پہنا دی۔ [۱]

۱۔(جامع البیان جز۱۲ص۲۰۹،تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۱۳۷۶،زادالمسیر ج۴ ص۱۹۰۔۱۸۹)

ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی۔ حالانکہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر آٹھ، نو سال یا ۱۶، ۱۷ سال کی بتلائی جاتی ہے۔ میرا قلبی میلان یہ ہے کہ حضرت یوسف کی عمر آٹھ یا نو سال تھی۔ ۱۶ تا ۱۷ سال کا بچہ جوان یا جوانی کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ بالخصوص جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر نامزد کرنا ہوتا ہے وہ صحت کے اعتبار سے اپنی عمر سے بہت زیادہ سمجھدار اور کافی حد تک جسمانی طور پر بڑا دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا نہایت چھوٹی عمر میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلبی طور پر اطمینان بخشا اور فکری اعتبار سے انہیں پرسکون کر دیا کہ تجھے گھبرانا نہیں چاہیے۔ وقت آنے پر سب کچھ تیرے سامنے کر دیا جائے گا۔ وحی کی اقسام میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے جو کام لینا چاہتا ہے اس کے کرنے کا اس کے دل میں القاء کر دیتا ہے۔ جس کی قرآن مجید کے حوالے سے دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔ اے انسان تیرے رب نے مکھی کی طرف وحی کی ہے کہ وہ پہاڑوں اور انگور کی بیلوں میں اپنا گھر بنائے پھر پھلوں سے رس چوس کر اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلتی ہوئی اپنے پیٹ سے مختلف رنگوں کا شہد نکالے جس میں لوگوں کے لیے شفاء رکھ دی گئی ہے۔ یقیناً اس میں غور کرنے والے لوگوں کے لیے راہنمائی کا سامان موجود ہے۔ (النحل: ۶۸ تا ۶۹)

موسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی (یعنی القا کیا) کہ اسے دریا میں ڈال دے، اس پر ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم موسیٰ کو آپ کی طرف لوٹائیں گے۔ اور اسے نبوت سے سرفراز کریں گے۔ (القصص: ۷)

کہتے ہیں یہ کنواں جس جگہ تھا اسے آج دوتن کہا جاتا ہے۔ یہ جگہ نواحی شام میں طبریہ کے مقام پر ہے اور

آج کل کنوئیں والی جگہ پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔[1]

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ
اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ
بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

(یہ تمام معاملہ کرنے کے بعد) وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ (۱۶) اور کہنے لگے، ابا جان ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اسے کھا گیا۔ اور آپ ہمارا کبھی بھی یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔ (۱۷) وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ ان کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو

۱۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا عنوان چاہ یوسف صفحہ 758)

میرے لیے صبر ہی بہتر ہے۔اور جو باتیں تم بنا رہے ہو،ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔(۱۸)

برادران یوسف کے جھوٹے عذر

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے رات کے وقت کا انتخاب انہوں نے اس لیے کیا تھا کہ یہ وقت ان کے عذر پیش کرنے کے لیے زیادہ مناسب تھا۔روایت ہے کہ جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ان کے رونے کی آواز سنی تو پوچھا: کیا ہوا؟ کیا تمہاری بکریوں کو کوئی حادثہ پیش آ گیا؟ انہوں نے کہا: نہیں! پوچھا: یوسف کہاں ہے؟ انہوں نے کہا : ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کر رہے تھے تو اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا۔حضرت یعقوب نے ایک چیخ ماری اور رونے لگے ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے کہا: اس کو بھیڑیا کھا گیا تو حضرت یعقوب بے ہوش ہو کر گر گئے۔انہوں نے ان کو ہوش میں لانے کے لیے پانی کے چھینٹے مارے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی پھر انہوں نے ان کو پکارا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر یہوذا نے ان کے سانس نکلنے کے مواضع پر ہاتھ رکھا تو اس کو ان کے سانس لینے کا پتا نہیں چلا تب یہوذا نے کہا: قیامت کے دن ہمیں سخت عذاب ہو گا ہم نے اپنے بھائی کو ضائع کر دیا اور اپنے باپ کو قتل کر دیا پھر سحری کے وقت سے پہلے حضرت یعقوب کو ہوش نہیں آیا اس وقت حضرت یعقوبؑ کا سر روبیل کی گود میں تھا حضرت یعقوبؑ نے اس سے کہا: کیا میں نے اپنے بیٹے کو تمہارے پاس امانت نہیں رکھا تھا؟ اور کیا میں نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا؟ اس نے کہا: اے ابا! اپنا رونا بند کریں تو میں آپ کو اس کا سبب بتاؤں

پھر کہا: ہم آپس میں دوڑنے کا مقابلہ کررہے تھے اور یوسفؑ کو ہم نے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا اس اثناء میں اس کو بھیڑیا کھا گیا پھر حضرت یعقوبؑ نے پوچھا: اس کی قمیص کہاں ہے؟ تو انہوں نے حضرت یعقوب کے چہرے پر وہ قمیص پھینک دی حتیٰ کہ حضرت یعقوب کے چہرے پر بھی قمیص کا رنگ لگ گیا۔ (۱)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ سفر میں تھیں، آپ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا حضرت عائشہ آپ سے آگے نکل گئیں (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) پھر جب میرا بدن بھاری ہوگیا تھا تو میں نے ایک بار پھر مقابلہ کیا اس وقت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ سے آگے نکل گئے۔ آپ نے فرمایا: یہ پچھلی بار کا بدلہ ہے۔ (۲)

اے ابا جان! ہم ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کررہے تھے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا پس اس کو بھیڑیئے نے کھالیا اور آپ ہماری بات ماننے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں (یوسف: ۱۷) ان کے اس قول کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ کسی سچے آدمی کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم آپ کے نزدیک نہایت معتبر اور سچے بھی ہوتے پھر بھی آپ ہم پر جھوٹ کی تہمت لگاتے کیونکہ آپ کو یوسف سے بہت شدید محبت ہے اور آپ یہی گمان کرتے کہ ہم جھوٹے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر چند کہ ہم سچے ہیں لیکن آپ ہم پر جھوٹ کی تہمت لگائیں گے اور ہماری تصدیق نہیں کریں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ (یعقوب نے)

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۱۱، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۲۸)

۲۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۷۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۹، ۲۶۴، قدیم ۲۶۳۳۷، جدید دار الفکر، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۸)

کہا: بھیڑیئے نے تو خیر نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑلی ہے۔
حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی خبر کے من گھڑت ہونے کی وجہ یہ سن کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) رونے لگے اور انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: مجھے اس کی قمیص دکھاؤ انہوں نے اس قمیص کو سونگھا اور چوما پھر وہ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے تو وہ ان کو کہیں سے بھی پھٹی ہوئی نہیں دکھائی دی۔ انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میں نے آج سے پہلے اتنا عقلمند بھیڑیا کوئی نہیں دیکھا اس نے میرے بیٹے کو کھالیا اور اس کو قمیص کے اندر سے نکال لیا اور قمیص بالکل نہیں پھٹی۔
حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح انہوں نے بیان کیا ہے انہوں نے پھر اپنا بیان بدلا اور کہا: اس کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ حضرت یعقوبؑ نے غصہ میں ان سے منہ موڑ لیا اور وہ غم زدہ ہوکر رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا: اے میرے بیٹو! بتاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اگر وہ زندہ ہے تو وہ مجھے لاکر دو اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کو کفن پہناؤں اور دفن کروں۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے آپس میں کہا: کیا تم ہمارے باپ کا حال نہیں دیکھ رہے وہ کس طرح ہمیں جھٹلا رہے ہیں آؤ اس کو کنوئیں سے نکال کر اس کے اعضاء کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیں اور پھر اپنے باپ کے پاس اس کے کٹے ہوئے اعضاء لے کر آئیں تب وہ ہماری بات کی تصدیق کریں گے اور ان کی امید منقطع ہوگی تب یہودا نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں ساری عمر تمہارا دشمن رہوں گا اور میں تمہارے باپ کو تمہارے سارے کرتوت بتادوں گا۔ انہوں نے کہا: اب جب کہ تم ہم کو اس تجویز پر عمل کرنے سے روک رہے ہو تو آؤ چلو ایک بھیڑیئے کا شکار کرتے ہیں، پھر انہوں نے ایک بھیڑیئے کا شکار کیا اور اس کو خون آلود کردیا اور اس کو رسیوں سے باندھ کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے پاس لے کر آئے

اور کہا: اے ابا! یہ ہے وہ بھیڑیا جو ہماری بکریوں کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہماری بھائی کو بھی اسی نے پھاڑ کھایا ہے اور یہ دیکھیں اس کے اوپر خون بھی لگا ہوا ہے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: اس کو کھول دو۔ انہوں نے اس کو کھول دیا۔ بھیڑیئے نے ایک جھرجھری لی اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے قریب آنے لگا حضرت یعقوب نے اس سے کہا: قریب آ، قریب آ، حتیٰ کہ حضرت یعقوب نے اپنا رخسار اس کے چہرے پر رکھا اور کہا: اے بھیڑیئے! تو نے میرے بیٹے کو کیوں کھایا اور کیوں مجھے اتنے غم میں مبتلا کیا پھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! اس کو گویائی عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے اس بھیڑیئے کو گویائی عطا کر دی تو اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو منتخب کر کے نبی بنایا ہے میں نے آپ کے بیٹے کا گوشت نہیں کھایا نہ اس کی کھال کو پھاڑا ہے نہ اس کے بالوں کو نوچا ہے اور اللہ کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں دیکھا میں تو ایک مسافر بھیڑیا ہوں میں مصر کے مضافات سے آ رہا ہوں میرا بھائی گم ہو گیا تھا میں اس کی تلاش میں نکلا تھا مجھے معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اسی اثناء میں آپ کے بیٹوں نے مجھے شکار کر لیا اور مجھے باندھ کر یہاں لے آئے اور بیشک انبیاء کا گوشت ہم پر اور تمام وحشی جانوروں پر حرام کر دیا گیا ہے اور اللہ کی قسم! اب میں ایسے شہر میں نہیں ٹھہروں گا جس میں نبیوں کی اولاد وحشی جانوروں پر جھوٹ باندھتی ہے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اس کو چھوڑ دیا اور کہا: اللہ کی قسم! تم اپنے خلاف حجت کو پکڑ کر لائے ہو یہ وحشی جانور پانے بھائی کو تلاش کرنے کی مہم پر نکلا ہے اور تم نے انسان ہو کر اپنے بھائی کو ضائع کر دیا۔ (1)

1۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۱۳٤۔۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱٤۱۵ھ)

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے قصہ میں تین بار حضرت یوسف کی قمیص کا ذکر آیا ہے ایک بار حضرت یوسف کے بھائیوں نے اس پر جھوٹا خون لگا کر اس قمیص کو حضرت یعقوب کے سامنے پیش کیا اور دوسری مرتبہ حضرت یوسف زلیخا سے بھاگ رہے تھے اور عزیز مصر کا سامنا ہوا تو اس کے اہل سے کسی نے گواہی دی کہ یوسف کی قمیص دیکھو اگر وہ سامنے سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف مجرم ہے اور اگر وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو زلیخا مجرم ہے اور قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی اور تیسری بار جب حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو اپنی قمیص دی اور کہا: یہ قمیص لے جا کر میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہیں کیا تھا اور کہا تا کہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنا لی ہے اس کی کئی وجوہات تھیں: اول اس لیے کہ حضرت یعقوب کے خواب کی تعبیر پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو فضیلت اور نبوت سے سرفراز فرمائے گا اور ان کے والدین اور ان کے گیارہ بھائی ان کی تعظیم کے لیے ان کو سجدہ کریں گے اور اس تعبیر کے پورے ہونے سے پہلے ان پر موت نہیں آسکتی تھی دوسرے س وجہ سے کہ ان کے بائیوں کے بیان میں تعارض تھا کبھی وہ کہتے تھے کہ یوسف کو بھیڑیئے نے کھالیا اور کبھی وہ کہتے تھے کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا تیسرے اس وجہ سے کہ جس کو وہ باندھ کر لائے تھے اس نے بتا دیا کہ یہ جھوتے ہیں اور اس نے حضرت یوسف کو نہیں کھایا اور چوتھے اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نرنبوت سے جانتے تھے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) زندہ ہیں۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے صبر کرنے کے بجائے اپنے بیٹوں کے جرم کے خلاف تفتیش کیوں نہیں کی؟ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے کہا: پس اب صبر جمیل کرنا ہی بہت رہے۔ امام رازی نے

اس مقام پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر تو صبر کرنا واجب ہے لیکن ظالموں کے ظلم اور سازش کرنے والوں کی سازش پر صبر کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کے ظلم اور سازش کا ازالہ کرنا واجب ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ کوئی دوسرا ان کے ظلم کا شکار ہو رہا ہو اور یہاں پر جب حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کا جھوٹ کھل گیا اور ان کی خیانت ظاہر ہوگئی تو اس پر حضرت یعقوب و نے کیوں صبر کیا اور انہوں نے اس معاملہ کا کھوج لگانے اور اس کی تفتیش کرنے کی پوری کوشش کیوں نہیں کی تاکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ان کے بھائیوں کی طرف سے نازل کردہ مصیبت سے نجات دلائی جاتی اور ان کے بھائیوں سے ان کے ظلم کا بدلہ لیا جاتا، یہ اعتراض اس وجہ سے اور قوی ہو جاتا ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خوا کی تعبیر کے علم کی وجہ سے یقین تھا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) زندہ ہیں اور ان کو وحی کے ذریعہ بھی یہ معلوم تھا کہ حضرت یوسف زندہ سلامت ہیں نیز حضرت یعقوب (علیہ السلام) اس علاقہ میں ایک معزز اور شریف انسان کی حیثیت سے مشہور تھے اگر وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا سراغ لانے کی کوشش کرتے تو لوگ بھی آپ کی مدد کرتے اس سے معلوم ہوا کہ ان حالات میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا حضرت یوسف کے معاملہ میں صبر کرنا عقلاً اور شرعاً درست نہ تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے معاملہ میں ان کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے نیز ان کو قرائن سے معلوم تھا کہ ان کے بیٹے بہت قوی اور زور آور اور خود سر ہیں ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے ان کے خلاف تفتیش کرنی شروع کی تو اپنے دفاع میں ان کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو قتل کر ڈالیں گے پس حضرت یوسف (علیہ السلام) کی زندگی اور سلامتی کی خاطر حضرت یعقوب (علیہ السلام)

نے ان بیٹوں کے خلاف کارروائی نہیں کی اور بڑی مصیبت کے مقابلہ میں چھوٹی مصیبت کو برداشت کرلیا اوران کے فراق کوان کی موت پر ترجیح دی دوسری وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کے خلاف تفتیش اور کارروائی کرتے تو لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹوں نے اغوا کی واردات کی ہے اوراس میں بھی حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی سب کی اور بدنامی تھی نیز جب باپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے پر ظلم کیا ہے تو یہ باپ کے لیے سخت عذاب اور تکلیف کا باعث ہے اگر وہ ظالم بیٹے کو یونہی چھوڑ دے اوراس کو کوئی سزا نہ دے تو مظلوم بیٹے کے لیے اس کا دل جلتا رہے گا اور اگر وہ اس کو قرار واقعی سزا دے تو اس سے بھی اس کو تکلیف ہوگی کیونکہ وہ بھی بہرحال اس کا بیٹا ہے اور جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) اس آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے اس معاملہ میں صبر اور سکوت کرنا اوراس معاملہ کواللہ کے حوالے کر دینا ہی بہتر جانا۔

صبر جمیل کی تعریف مجاہدؒ نے کہا: صبر جمیل وہ ہے جس میں گھبراہٹ، بے قراری اور بے چینی نہ ہو۔ حبان بن حبلہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صبر جمیل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ صبر ہے جس میں کسی سے شکایت نہ کی جائے ثوری کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ صبر میں تین چیزیں ہیں اپنا درد کسی سے نہ کہو اور نہ اپنی مصیبت کسی سے بیان کرو اور نہ اپنی تعریف کرو۔ حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی بھنویں جھک گئی تھیں وہ ان کو کپڑے کی ایک دھجی سے اوپر کر رہے تھے ان سے پوچھا گیا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرے غم کو بہت لمبا عرصہ گزر چکا ہے تب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے یعقوب! کیا تم مجھ سے

شکایت کرر ہے ہو؟ انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے قصور ہو گیا تو اس کو معاف فرما دے۔ (۱)

﴿ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ
يَٰبُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا
يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَٰهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا
فِيهِ مِنَ ٱلزَّٰهِدِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾

اور ایک قافلہ آیا تو انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا سو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ کہنے لگا! خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور انھوں نے اس کو مال تجارت سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کرر ہے تھے۔ (۱۹) اور انہوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا۔ اور انھیں اس میں کچھ رغبت نہ تھی۔ (۲۰)

یہ قافلہ مدین سے مصر کی طرف جار ہا تھا اور راستہ بھول کر اس جنگل میں آ گیا۔ جہاں سے آبادی بہت دور تھی۔ اسے پانی کی ضرورت ہوئی تو یہی کنواں نظر پڑا پانی لانے والے کو بھیجا۔ یہ پانی لینے جو گیا تھا اس کا نام مالک بن زعر خزاعی تھا اور یہ مدین کا رہنے والا تھا۔

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۱۷۔۲۱۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس نے کنوئیں میں ڈول ڈالا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے وہ ڈول پکڑ لیا اور اس میں لٹک گئے مالک نے ڈول کھینچا دیکھا کہ پانی کے بجائے ایک حسین وجمیل بچہ آیا ہے جس کے حسن جہاں افروز نے آنکھیں خیرہ کردیں۔ یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ساتھ لے کر قافلہ میں آیا اور مژدہ دیا یبشریٰ ھذا غلم۔ کہا سب نے آپ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ مصر میں پہنچ کر اس س کافی ووافی قیمت حاصل کریں گا ے محفوظ طور پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو انہوں نے ایک خطیر رقم سمجھ کر چھپا لیا۔

آپ (علیہ السلام) کے بھائی اس جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے اور کنوئیں کی خبر بھی رکھتے تھے۔ آج جو دیکھا تو حضرت کو اس کنوئیں میں پایا تلاش کے بعد انہیں اس قافلہ پر شبہ ہوا۔ تجسس کرنے پر مالک بن زعر خزاعی کے پاس حضرت یوسف (علیہ السلام) کو پایا اس سے انہوں نے کہا یہ ہمارا غلام ہے ہمارے پاس سے فرار ہو گیا ہے یہ کسی کام کا نہیں ہے نافرمان ہے اگر تم خریدنا اچاہتے ہو تو ہم اسے نہایت ارزاں بیچ دیں گے اسے کہیں دور لے جا کر بیچ دینا تاکہ اس کی خبر ہمارے کان نہ سنیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) خاموش ان کی باتیں سنتے رہے اور خوف سے کچھ نہ فرمایا۔ (روح المعانی میں اسی طرح ہے۔ حیث قال وذالک ان بعضھم رجع یتحقق امرہ فراہ عند السیارۃ فاخبر اخوتہ فجاء واالیھم فقالوا ھذا غلام ابق لنا فاشترہ منا فاشتروہ وسکت یوسف مخافۃ ان یقتلوہ۔۔

وفی روایۃ انھم قالوا بالعبرانیۃ لاتنکر العبودیۃ نقتلک فاقر بھا واشتروہ منھم۔۔

برادران یوسف نے عبرانی زبان میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دھمکی دی کہ ہماری غلامی سے انکار نہ کرنا ورنہ ہم تجھے قتل کردیں گے چنانچہ آپ خاموش رہے اور انہوں نے آپ کو بیچ دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ کان یھودا یاتیہ بالطعام فاتاہ یوم اخرج فلم یجدہ فی الجب ووجدہ عند الرفقۃ فاخبر اخوتہ

فاتوھم فقالوا ما قوا۔۔

یہودا حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لیے روزانہ کھانا لاتا تھا۔آج جو کھانا لایا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں میں نہ پایا تو اس نے اپنے بھائیوں کو خبر دی اور وہ آئے اور قافلہ والوں سے باتیں کیں جو مذکور ہو چکی ہیں اور ثمن بخس کی تعریف میں راغبؒ کہتے ہیں: باخس ای ناقص عن القیمۃ نقصانا ظاھراً۔۔باخس یہ ہے کہ قیمت اتنی کم ہو جس میں کھلا نقصان ہو۔

مقاتلؒ کہتے ہیں: زیف ناقص العیار۔۔آپ کے مطابق قیمت نہ لی۔

قتادہؒ کہتے ہیں: بخش ظلم لانہ ظلموہ فی بیعہ۔۔بخس بمعنی ظلم ہے اس لیے کہ بھائیوں نے ان کے بیچنے میں ظلم ہی کیا تھا۔

ابن عباسؓ اور ضحاکؒ کہتے ہیں: البخس الحرم وکان ذالک حرما لانہ ثمن الحرام۔۔بخس بمعنی حرام ہے اور یہ سودا حرام ہی تھا اس لیے کہ آزاد کا بیچنا حرام ہے۔

مختصر یہ کہ وہ ثمن بخس اور گنتی کے درہم بقول قتادہؒ بیس درہم تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق بائیس درہم ہیں۔

ایک روایت میں بیس درہم اور ایک جوڑا اور جوتی تھی۔

ایک قول ہے کہ تیس درہم اور حلہ اور جوتی تھی۔

ایک قول ہے کہ اٹھائیس درہم اور جوتی تھی۔

عکرمہؒ کہتے ہیں: چالیس درہم تھے۔

پھر مالک بن زعر اور قافلہ والے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو مصر میں لائے۔

اس زمانہ میں شاہ مصر ریان بن ولید بن نزوان عملیقی تھا اور یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی حین حیات میں بعد ایمان لانے کے مر گیا پھر اس کے بعد قابوس بن مصعب والی سلطنت ہوا آپ نے اسے بھی دعوت ایمان دی لیکن اس نے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اس نے عنان حکومت قطفیر مصریؒ کے ہاتھ میں دے رکھی تھی تمام خزائن مصر اس کے تحت تصرف تھے۔

قطفیر کے نام میں اختلاف ہے بعض نے اظفر بتایا بعض نے قطورا بھی لکھا لیکن پہلا قول حضرت ابن عباسؓ سے ہے اور وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بائبل، توراۃ میں فوطیفار ہے۔

علامہ بغویؒ لکھتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یوسف کو تہائی حسن ہمارے حسن سے ملا۔

اور ثعلبیؒ کعب احبارؓ سے راوی ہیں: انہ قال کان یوسف حسن الوجہ جعد الشعر ضخم العینین مستوی الخلق ابیض اللون غلیظ الساعدین والساین خمیص البطن صغیر السرۃ وکان اذا تبسم رایت النور فی ضوء حلقہ وان تکلم رایت شعاع النور من ثنایاہ ولا یستطیع احد وصفہ وکان حسنہ کضوء النھار عند اللیل وکان یشبہ آدم (علیہ السلام) یوم خلقہ قبل ان یصیب الخطیئۃ۔۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نہایت حسین چہرہ والے گھونگریالے بال، موٹی موٹی آنکھیں، موزوں قامت، سفید رنگ، بھرے ہوئے بازو اور پنڈلیاں، پچکا ہوا شکم، ناف نہایت چھوٹی رکھتے تھے، جب آپ تبسم فرماتے تو نور آپ کے تبسم میں چمکتا۔ جب گفتگو فرماتے تو دانتوں کی کیلوں سے شعاع نور نکلتی کسی میں آپ کے حسن کی تعریف کرنے کی قوت نہیں کہ اصل حلیہ بیان کر سکے آپ حسن آدم (علیہ السلام) کے مشابہ تھے۔

جب حضرت یوسف (علیہ السلام) بازار مصر میں لائے گئے تو ہر شخص کے دل میں آپ کی طلب پیدا ہوئی خریداروں نے قیمت بڑھانی شروع کی حتیٰ کہ آپ کے وزن کے برابر سونا اور اتنا ہی مشک اتنی ہی چاندی اور اتنا ہی حریر قیمت لگ گئی۔

آپ کی عمر مبارک اس وقت ۱۰، ۱۲ سال، تیرہ سال یا سترہ سال کی تھی۔ آپ کا وزن چار سو رطل تھا۔ غرضیکہ نرخ بالا ہوتے ہوتے رعایا میں سے آپ کو کوئی نہ خرید سکا آخر عزیز مصر نے آپ کو خرید لیا اور دوسرے خریدار منہ تکتے رہ گئے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ ﴾

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے قدر و منزلت سے رکھو۔ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور تا کہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر دینا سکھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن بہت سے

لوگ نہیں جانتے۔

حضرت وہب بن منبہؒ اس سے مروی ہے کہ قافلہ والے یوسف علیہ سلام کو مصر لے گئے تو آپ کو وہاں جا کر فروخت کیا حضرت وہب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب اہل قافلہ یوسف کو مصر لے جا رہے تھے تو راستہ میں وہ قبرستان آ گیا جس میں آل یعقوب کی قبریں تھیں تو یوسف (علیہ السلام) اپنی والدہ کی قبر پر گر پڑے اور بھائیوں نے آپ کے ساتھ جو ظلم کیا تھا اس کی فریاد کی اب وہاں رو رہے تھے کہ اہل قافلہ میں سے ایک حبشی غلام نے آپ کو ٹھوکر ماری کہ یہاں کیا کر رہے ہو تو اسی وقت سیاہ بادل چھا گیا اور ایسا غبار اٹھا کہ ہر چیز اس میں چھپ گئی قافلہ کے سردار نے اہل قافلہ سے کہا کہ ضرور تم میں سے کسی نے ایسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے یہ ماحول پیدا ہو گیا ہے اس حبشی غلام نے کہا کہ میں نے اس کنعانی لڑکے کو مارا ہے مجھے لگتا ہے کہ یہ سارا اس وجہ سے ہوا وہ سردار یوسف السلام کے پاس آیا اور کہا اے لڑکے تمہارے ساتھ اس غلام نے ظلم کیا ہے اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو بدلہ لے لو ورنہ معاف کر دو آپ نے اسے معاف کر دیا تو اسی وقت بادل چھٹ گیا غبار ڈھل گیا اور آسمان روشن ہو گیا اس کے بعد قافلہ کا سردار آپ کا بہت احترام کرنے لگا۔ (۱)

مصر میں یوسف کو بیچا جانا الغرض آپ کو مصر میں لایا گیا وہاں جب آپ کو دریائے نیل سے غسل کروا کر گدا خوبصورت کپڑے پہنائے گئے تو بازار مصر کی دیواریں آپ کے حسن و جمال سے چمک اٹھیں۔ (۲)

حضرت وہبؒ ہی سے مروی ہے کہ جب آپ کو فروخت کے لیے کھڑا کیا گیا تو لوگ بڑھ چڑھ کر آپ کی

۱۔ (جامع البیان جلد 12 ص 230)

۲۔ (قرطبی جلد 9 ص 159)۔

قیمت مقرر کرنے لگے یہاں تک کہ آپ کی قیمت اتنی بڑھی کہ آپ کو ایک بار سونے میں دوسری بار چاندی میں تیسری بار قسطوری وریشم میں تولا جائے اور آپ کا وزن اس وقت چار سو رطل تھا اور آپ کی عمر تیرہ برس تھی تو اس قیمت پر عزیز مصر (حاکم مصر) قطفیر نے آپ کو خریدا اور گھر لے گیا اور اپنی بیوی زلیخا سے کہنے لگا اس لڑکے کو بہت عزت واحترام کیساتھ گھر رکھو ممکن ہے ہم اسے بیچ دیں اور یہ ہمیں بہت بڑا نفع دے جہاں اسے بیٹا بنا لے کیوں کہ وہ بے اولاد تھا یہ روایات بھی ہیں کہ وہ اولاد کے قابل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس طرح ہم نے یوسف کو زمین میں اختیار دیا، یعنی کنعان کے کنوئیں سے نکال کر عزیز مصر کے گھر پہنچا دیا اور وہ عزیز مصر کے گھر میں رہنے کی وجہ سے بڑے اختیارات کے مالک تھے اللہ فرماتا ہے یہ ہم نے اس لیے بھی کیا تا کہ ہم یوسف پر دنیوی خزانوں کی طرح علوم و معارف کے خزانے بھی کھولی اور انھیں بذریعہ وحی علم تعبیر خواب عطا فرمائے اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے جانی ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا لوگوں میں سب سے اچھی فراست کا ظہور تین آدمیوں سے ہوا، ایک عزیز مصر تھا جس نے حضرت یوسف کے چہرے سے سعادت کے آثار بھانپ کر کہا شاید یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے۔ دوسری حضرت شعیب (علیہ السلام) کی بیٹی تھیں جنہوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) میں شرافت کے آثار دیکھ کر اپنے والد سے کہا: یا بت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ (القصص:۲۶) اے ابا جان! آپ انہیں اجرت پر رکھ لیں بیشک جن کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں بہترین شخص وہ ہے جو طاقتور اور ایمان دار ہو۔ اور تیسرے شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جنہوں نے حضرت عمرؓ میں حکمرانی اور جہاں بانی کی استعداد اور صلاحیت دیکھ کر ان کو اپنے

بعد اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ [۱]

امام قرطبی فرماتے ہیں یعقوب (علیہ السلام) نے چاہا کہ یوسف کا خواب پوشیدہ رہے مگر اللہ نے اسے ظاہر کر دیا برادران یوسف نے چاہا کہ وہ رو دھو کر اور جھوٹ پر مبنی خون آلود قمیض دکھا کر اپنے والد کو دھوکا دے سکیں۔ مگر اللہ نے ان کا جھوٹ ظاہر کر دیا اسی طرح بعد میں زلیخا نے یوسف (علیہ السلام) پر تہمت رکھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی ظاہر کر دی الغرض اللہ رب العزت ہی اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

اللہ کے امر کے غالب ہونے کے محامل

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کرنے پر غالب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو کر گزرتا ہے آسمان اور زمین میں کوئی اس کی قضاء کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے حکم کو روک سکتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ حضرت یوسف کے امور اور ان کے معاملات پر غالب ہے ان کے امور اور ان کے معاملات کا انتظام اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان کی اپنی سعی اور کوشش کا دخل نہیں ہے، ان کے بھائیوں نے ان کو ہر قسم کی برائی اور ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی پہنچانے کا ارادہ کیا پس جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تدبیر کے مطابق تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام امور اور معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں اور جو شخص بھی دنیا کے احوال اور عجائب میں غور کرے گا اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲، ص ۲۳۰، معالم التنزیل ج ۲، ص ۳۱۵ الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۴۱۔۱۳۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۲۴، روح المعانی جز ۲، ص ۳۱۴۔۳۱۰)

ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا غالب ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز غالب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر گالب ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے متعلق فرماتا ہے: ہوجا، تو وہ ہوجاتی ہے۔ اور اکثر لوگ نہیں جانتے اس کا معنی یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کے غیب پر مطلع نہیں ہیں بلکہ کوئی شخص بھی از خود غیب کو نہیں جانتا، سوا ان کے جن کو وہ خود کسی غیب پر مطلع فرمادے۔

قصہ یوسفؑ میں تقدیر کے غالب آنے کی مثالیں

(۴) حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے اس خواب کو نہ بیان کریں پھر اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی تقدیر غالب آ گئی حتیٰ کہ یوسف (علیہ السلام) نے یہ خواب بیان کردیا پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو قتل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی حتیٰ کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) بادشاہ بن گئے اور ان سب نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو سجدہ کیا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے والد کی پوری توجہ اور ان کی محبت کو صرف اپنے لیے حاصل کرلیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا غالب آ گئی حتیٰ کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا دل ان سے بیزار ہوگیا بھائیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کر کے نیک اور صالح بن جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ گئی وہ اپنے گناہوں کو بھول گئے اور ان پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ تقریباً چالیس سال کے بعد انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور اپنے والد سے کہا انا کنا خاطئین بیشک ہم خطا کرنے والے تھے اور انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ جب وہ اپنے باپ کے

پاس روتے ہوئے جائیں گے اور ان کو خون آلود قمیص دکھائیں گے تو وہ اپنے باپ کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا غالب آگئی اور ان کے باپ نے ان کی باتوں سے دھوکا نہیں کھایا اور انہوں نے کہا بل سولت لکم انفسکم امرا بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے اور انہوں نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان کے باپ کے دل سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت زائل ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کا امر غالب آگیا اور ان کے باپ کے دل میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت اور الفت اور زیادہ ہو گئی اور عزیز مصر کی اہلیہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عزیز مصر سے شکایت کرنے میں پہل کرے گی تو اس کو حضرت یوسف کے خلاف بدگمان کر دے گی لیکن اللہ کی تقدیر غالب آگئی اور عزیز مصر نے اپنی اہلیہ کو قصوروار قرار دے دیا اور کہا: استغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین اپنے گناہ سے توبہ کرو بیشک تم خطا کاروں میں سے ہو اور حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قید خانہ سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کی اور جس شخص نے قید سے رہا ہو کر بادشاہ کو شراب پلائی تھی اس سے کہا بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا لیکن اللہ کا امر غالب آگیا اور وہ شراب پلانے والا بادشاہ سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر کرنا بھول گیا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) مزید کئی سال تک قید خانہ میں رہے۔

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم عطا کیا اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

پختگی کی عمر میں متعدد اقوال

مجاہدؒ نے کہا: شادہ (پختگی کی عمر) سے مراد ہے تینتیس (۳۳) سال کی عمر، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تیس اور کچھ سال، ضحاک نے کہا: بیس سال، ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اٹھارہ اور تیس سال کے درمیان۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اشد کا معنی ہے قوت اور شباب کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سل ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال یا تینتیس سال ہو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کسی حدیث میں اس وقت ان کی عمر کی تعیین کی تصریح نہیں ہے اور نہ ہی عمر کی کسی تعیین پر اجماع امت ہے اس لیے اس لفظ سے وہی مراد لینا چاہیے جس طرح اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یعنی جب وہ اپنی قوت اور شباب کی انتہاء کو پہنچ گئے۔ [۱]

حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا، مجاہد نے کہا یعنی نبوت سے پہلے عقل اور علم عطا فرمایا۔ [۲]

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: حکم کی تفسیر میں چار قول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا حکم سے مراد فقہ اور عقل ہے۔

(۲) ابن السائب نے کہا حکم سے مراد نبوت ہے۔

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۳۲۔۲۳۱)

۲۔ (جامع البیان جز ۱۲، ص ۲۳۲۔۲۳۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۳) زجاج نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو حکیم بنادیا گیا اور زجاج نے کہا ہر عالم حکیم نہیں ہوتا حکیم وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو استعمال کرے اور اس سے جہل کا استعمال کرنا ممتنع ہو۔

(۴) ثعلبی نے کہا حکم سے مراد ہے صحیح اور درست بات کہنا ارباب لغت نے کہا عرب کے نزدیک حکم وہ قول ہے جس میں جہل اور خطاء نہ ہو اور نفس جس چیز کی خواہش کرے اور اس میں ضرر ہو تو وہ اس خواہش کو رد کردے اور اسی وجہ سے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کیونکہ وہ ظلم اور کج روی سے روکتا ہے۔ اور علم کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) فقہ (۲) خواب کی تعبیر کا علم۔ [۱]

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں حکم اور علم کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حکم اور حکمت کا اصل میں معنی ہے نفس کو اس کی خواہش سے روکنا اور جو کام انسان کے لیے نقصان دہ ہو اس سے منع کرنا اور حکم سے مراد حکمت عملیہ ہے اور علم سے مراد حکمت نظریہ ہے اور حکمت عملیہ کو حکمت علمیہ پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ ریاضت کرنے والے پہلے حکمت عملیہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر اس سے ترقی کر کے حکمت علمیہ تک پہنچتے ہیں اور مفکرین پہلے حکمت نظریہ کو حاصل کرتے ہیں اس کے بعد حکمت عملیہ کو حاصل کرتے ہیں اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا طریقہ پہلا تھا کیونکہ پہلے انہوں نے مصائب اور مشکلات پر صبر کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مکاشفات کے دروازے کھول دیئے اور فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ (حکمت عملیہ سے مراد ہے نفس کو برائیوں سے بچانا اور نیکیوں سے آراستہ کرنا اور حکمت علمیہ سے مراد ہے نفس الامر اور واقع کے حقائق کا علم اور ادراک)

(۲) حکم سے مراد ہے نبوت کیونکہ نبی مخلوق پر حاکم ہوتا ہے اور علم سے مراد ہے دین اور شریعت کا علم۔

۱۔ (زاد المسیر ج٤، ص٢٠١۔٢٠٠، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

(۳) حکم سے مراد ہے نفس مطمئنہ کا نفس امارہ پر حاکم ہونا حتیٰ کہ قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ مغلوب اور مقہور ہو جائیں اور عالم قدس سے انوار الٰہیہ کا جو ہر نفس پر فیضان ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی قوت عملی اور قوت علمی دونوں کامل ہو چکی تھیں۔ (۱)

علامہ قرطبی نے کہا اگر ان کو بچپن میں نبوت دی گئی تھی تو اس سے مراد ہے ان کے علم اور فہم میں زیادتی فرمائی۔ (۲)

وکذٰلک نجزی المحسنین اس سے مراد مومنین ہیں۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد مصائب پر صبر کرنے والے ہیں جس طرح حضرت یوسف (علیہ السلام) نے صبر کیا۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ طبری نے کہا: اس آیت کریمہ میں اگرچہ ظاہر محسن ہو سکتا ہے مگر اس سے مراد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس طرح میں نے تمام کارروائی کے بعد یوسف کے ساتھ کیا پھر اسے عطا کیا جو کچھ عطا کیا اسی طرح میں آپ کو بھی آپ کی قوم کے ان مشرکوں سے نجات دوں گا جو آپ کے ساتھ دشمنی کا ارادہ رکھتے ہیں اور زمین میں تجھے قرار بخشوں گا۔

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾

۱۔ (تفسیر کبیر ج ٦ ص ٤٣٧، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۹ ص ١٤٢)

اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے یوسفؑ کو اپنی طرف ورغلانا چاہا، اس نے دروازے بند کر لیے اور یوسف سے کہنے لگی جلدی آجاؤ یوسفؑ نے کہا: اللہ کی پناہ! میرے پروردگار نے تو مجھے بہت اچھی منزلت بخشی (اور میں یہ کام کروں گا؟) بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ۔

وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راگب کیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کے گھر میں رہتا ہو اس کے زیر احسان ہو وہ اس کا ماتحت ہوتا ہے اور گھر والے کا اس پر مکمل تسلط اور اقتدار ہوتا ہے سو حضرت یوسف (علیہ السلام) اس کی مکمل دسترس میں تھے اور ان کے لیے اس کی فرمائش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا لیکن ان پر خوف خدا کا اس قدر غلبہ تھا کہ باوجود اس بات کے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے زیر احسان تھے اور اس کے زیر اقتدار اور زیر تسلط تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی فرمائش پوری کرنے سے صاف انکار کر دیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جب اس معنی کو اس طرح تعبیر فرمایا اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے ان کو اپنی طرف راغب کیا تو اس پیرائے میں تعبیر کرنے سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی کمال نزاہت ظاہر ہوئی جو اس طرز سے واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر یوں کہا جاتا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اپنی طرف راغب کیا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی معجز نظام بلاغت کا اظہار ہوتا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ورغلانا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) مصر میں جس عورت کے گھر میں تھے اس کے خاوند نے اس کو یہ تاکید کی تھی کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بہت تعظیم اور تکریم کے ساتھ رکھے۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) بہت حسین اور جمیل تھے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے جب وہ عورت حضرت یوسف (علیہ السلام) کو سات کمروں کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں لے گئی اور ہر کمرہ کا دروازہ بند کر کے تالا لگاتی چلی گئی پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے نفس کی طرف راغب کرنے کے لیے کہنے لگی: اے یوسف! تمہارے بال کتنے حسین ہیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ بال الگ ہونگے۔ اس نے کہا: تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہے آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میرے جسم سے یہ آنکھیں بہہ جائیں گی۔ اس نے کہا: تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے آپ نے فرمایا: اس کو مٹی کھا جائے گی۔ اس نے کہا: تمہاری صورت کتنی اچھی ہے آپ نے فرمایا: میرے رب نے یہ صورت رحم میں بنائی تھی۔ اس نے کہا: اے یوسف! تمہاری صورت میرے جسم میں حلول کر چکی ہے آپ نے فرمایا: اس میں شیطان تمہاری معاونت کر رہا ہے۔ اس نے کہا: میں نے تمہارے لیے ریشم کا بستر بچھا دیا ہے، اٹھو اور میری خواہش پوری کرو۔ آپ نے فرمایا: پھر جنت سے میرا حصہ جاتا رہے گا۔ اس نے کہا: میرے ساتھ چھپ جاؤ آپ نے فرمایا: میرے رب سے کوئی چیز نہیں چھپ سکتی۔ وہ اسی طرح آپ کو مائل کرتی رہی اور آپ اس سے گریز فرماتے رہے۔ [1]

قَالَ مَعَاذَ اللهِ: یوسف (علیہ السلام) کے سامنے جب بچنے کی کوئی راہ نہ رہی تو انھوں نے اس ذات پاک کی پناہ مانگی جس کی پناہ ملنے کے بعد کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ "مَعَاذَ" مصدر میمی ہے، معنی ہے: "أَعُوذُ بِاللهِ مَعَاذًا مِمَّا تُرِيدِينَ" یعنی تم جو چاہتی ہو میں اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی پناہ میں لے کر اس سے بچا لے۔

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۴۷۵، الوسیط ج ۲، ص ۶۰۷، معالم التنزیل ج ۲، ص ۵۲ ۳، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۴۵)

اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ: اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور مفسرین میں سے ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک معنی کو ترجیح دی ہے۔ ایک تو یہ کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، بیشک وہ اللہ میرا مالک ہے، اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا، اس کی نافرمانی کر کے میں ظالموں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا معنی ہے کہ میں اس کام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، تم اس عزیز مصر کی بیوی ہو جو میرا مالک ہے، میں اس کا غلام ہوں، اس نے میرے لیے رہنے کا ایسا اچھا انتظام کیا ہے، میں اپنے مالک کی خیانت کیسے کر سکتا ہوں، یہ تو سراسر ظلم ہے۔ پہلے معنی میں عزیز کی بیوی کو اللہ سے ڈرایا اور اس کے احسان یاد دلائے ہیں، دوسرے معنی میں اسے خاوند کی شرم دلائی ہے، شاید اس طرح ہی وہ باز آ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں معنی درست ہیں، دونوں بیک وقت مراد بھی ہو سکتے ہیں، مگر دوسرا معنی زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی تقدیر پر شاکر ہو کر اپنے آپ کو عزیز مصر کا غلام سمجھتے تھے اور ہر طرح اس کی خدمت اور اطاعت کرتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے مالک اور مربی کے احسان کا بدلہ اس پر ظلم کے ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے اور لفظ "رب" غلام کے مالک کے لیے یوسف (علیہ السلام) کی زبانی اسی سورت میں کئی جگہ آیا ہے، فرمایا: (قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ) [یوسف: ٥٠] اور فرمایا: (اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا) [یوسف: ٤١] اور فرمایا: (فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ) [یوسف:٤٢]

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ: یعنی زنا ظلم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ زنا اپنے آپ پر ظلم ہے، اس عورت پر ظلم ہے، اس کے خاوند پر ظلم ہے، اپنے خاندان اور اس کے خاوند کے خاندان دونوں پر ظلم ہے کہ کسی خاندان کا بچہ دوسرے خاندان کا بچہ شمار ہوگا، نسب برباد ہوگا۔ زنا پوری

انسانیت پر ظلم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاۗءَ سَبِيْلًا)[بنی اِسرائیل:۳۲] ”اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بیشک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔“ یعنی زنا بے حیائی ہونے کے ساتھ ایک برا راستہ ہے جو آج تمہیں دوسرے کی عزت برباد کرنے کے لیے لے گیا ہے تو کل کسی کو تمہارے گھر بھی لے آئے گا، مثلاً شریعت نے جب آپ کو چوری سے روکا ہے تو اس نے صرف آپ کو نہیں روکا بلکہ کروڑوں، اربوں کو آپ کی چوری کرنے سے روکا ہے۔ اگر آپ باز نہ آئے تو دوسرے کیوں باز آئیں گے؟ مسلمانوں کے نسب کے محفوظ رہنے اور ان کے معاشرے کی پاکیزگی پر کفار کو بیحد حسد ہے۔ وہ اس شرف سے محروم ہو جانے کے بعد اب ہم میں بھی بے حیائی پھیلا کر ہمیں اس شرف سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یوسف (علیہ السلام) کا طرز عمل اس معاملے میں ہمارے لیے بہترین چراغ راہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورت کے اسی وصف کو بیان کرتے ہوئے عورتوں سے فرمایا: ”میں نے تم سے زیادہ ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود کسی عقل مند شخص کی عقل کو گم کر دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے، سوائے محرم کے۔“ [۲]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب بھی کوئی

۱۔[مسند أحمد:۲/ ٦٦، ٦٧، ح:٥٣٤٢]

۲۔[بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم:٥٢٣٣]

شخص کسی اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔“ [۱]

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ : امام بخاریؒ نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ (هَيْتَ لَكَ) حورانی زبان کے الفاظ ہیں، جو ”هَلُمَّ “ یعنی آیئے کے معنی میں ہیں سعید بن جبیرؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ [۲]

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ (اس دن) اپنے سائے تلے جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا

1 عادل بادشاہ۔

2 وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری۔

3 وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا رہتا ہے (کہ کب اذان ہو اور وہ پھر مسجد میں جائے)۔

4 وہ دو شخص جو آپس میں محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہوں، اسی پر ملتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔

5 وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے اور اسے اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی۔

6 وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی اور صاحب حسن و جمال عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

7 وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور پھر اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔“ [۳]

۱۔[مسند أحمد: ۲۶/۱، ح: ۱۷۸۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة: ۲۱٦٥۔ ابن حبان: ٤٥٧٦]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وراودته التی ہو۔۔الخ)، قبل الحدیث: ٤٦٩۲]

۳۔[بخاری، کتاب الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰة وفضل المساجد: ٦٦٠۔ مسلم، کتاب الزکوة، باب فضل إخفاء الصدقة: ۱۰۳۱]

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بلا شبہ یقیناً اس عورت نے ان کا قصد کیا اور یوسف بھی اس کا قصد کرتے اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ یوں اس لیے کیا گیا تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بیشک وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

اس آیت میں لفظ" وَهَمَّ بِهَا " بمعنی خیال یوسف (علیہ السلام) اور زلیخا دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ زلیخا کو گناہ کا خیال تھا۔ یوسف (علیہ السلام) کے متعلق بھی اسے ہی خیال کا وہم ہوسکتا تھا اور یہ باجماع امت شان نبوت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کبیرہ، صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ کبیرہ گناہ نہ تو قصداً ہوسکتا ہے اور نہ سہواً ہوسکتا ہے۔ البتہ صغیرہ گناہ سہواً وخطا کے طور پر سرزد ہونے کا امکان ہے۔ مگر اس پر بھی انبیاء (علیہ السلام) کو قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔

عربی زبان میں لفظ" وَهَمَّ بِهَا " دو معنوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

۱۔ کسی کام کا پختہ ارادہ اور عزم کر لینا۔

۲۔ محض دل میں وسوسہ اور خیال کا پیدا ہونا جو انسان کے اختیار میں ہوتا نہ اس پر کوئی مواخذہ اور گناہ

ہے۔

معلوم ہوا کہ اگرچہ آیت میں لفظ "هَمَّ" زلیخا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) دونوں کے لیے بولا گیا مگر ان دونوں کے "هَمَّ" میں بڑا فرق ہے۔ پہلا هَمَّ گناہ ہے اور دوسرا هَمَّ غیر اختیاری وسوسہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد جو ارشاد فرمایا "لولا ان لا برھان ربہ" اس کی جزا محذوف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو اس خیال میں مبتلا ہو جاتے۔

قرآن کریم نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ جو "برہان ربی" یوسف (علیہ السلام) کے سامنے آئی وہ کیا تھی؟ اسی لیے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرینؒ، حسن بصریؒ وغیرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی صورت اس طرح سامنے کی کہ وہ اپنی انگلی اپنے منہ میں دبائے ہوئے یوسف کو متنبہ کر رہے تھے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیز مصر کی صورت ان کے سامنے کر دی۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی نظر چھت پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا "لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا" بعض مفسرین نے فرمایا کہ زلیخا کے کمرہ میں ایک بت تھا۔ اس نے بت پر پردہ ڈالا تو یوسف (علیہ السلام) نے وجہ پوچھی اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے۔ اس کے سامنے گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا معبود اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔ بہرحال حضرت یوسف (علیہ السلام) نے برہان دیکھی جس سے ان کے دل سے وسوسہ جاتا رہا۔

(كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ)[یوسف:٢٤]

”یعنی ہم نے یوسف کو یہ برہان اس لیے دکھائی کہ ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ کیونکہ یوسف (علیہ السلام) ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں۔“

لفظ مخلصین اس جگہ بفتح لام مخلص کی جمع ہے۔ جس کے معنیٰ منتخب کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح خلق کے لیے انتخاب فرمایا ہے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظتی پہرہ ہوتا ہے کہ وہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہوسکیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ سوء اور فحشاء کے استعمال فرمائے ہیں۔ سوء کے لفظی معنیٰ برائی کے ہیں۔ مراد اس سے صغیرہ گناہ ہے اور فحشاء کے معنی بے حیائی کے ہیں اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو کبیرہ اور صغیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) کو یہ ابتلاء پیش آئی تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ آپ کا یہ مخلص بندہ گناہ کے خیال میں ہے حالانکہ وہ اس کے وبال کو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انتظار کرو۔ اگر وہ گناہ کرلے تو جیسا کرے۔ وہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو اور اگر وہ اس کو چھوڑ دے تو اس کے نامہ اعمال میں گناہ کے بجائے نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے میرے خوف سے اپنی خواہش کو چھوڑ دیا ہے۔ (رواہ مسلم: باب اذا ہم العبد بحسنۃ)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں، اگر وہ اس پر عمل نہ کرے، جب وہ عملاً نیکی کر لیتا ہے تو میں اسے دس گنا لکھتا ہوں اور جب کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل

نہیں کرتا تو میں اس سے درگزر فرماتا ہوں اور جب وہ عملاً برائی کر لیتا ہے تو میں ایک ہی برائی کا گناہ لکھتا ہوں۔"[۱]

﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٢٥ ﴾

اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ پھاڑ دیا اور دونوں نے دروازے کے پاس عورت کے خاوند کو پایا عورت (زلیخا) بولی! جو شخص تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسفؑ پر الزام لگانا

یعنی حضرت یوسف (علیہ السلام) اور وہ عورت ہر دو شخص ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ارادہ تھا کہ وہ جلدی سے آگے نکل جائیں

---

[۱]۔ [مسند أحمد: ۲/ ۳۱۵، ح: ۸۱۸۶۔ بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (یریدون أن یبدلوا کلم اللہ): ۷۵۰۱۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب إذا ھم العبد بحسنة کتبت: ۱۲۹]

تا کہ دروازوں سے باہر جا کر اس عورت کے بچھائے ہوئے بدکاری کے جال سے نکل جائیں اور اس عورت کا ارادہ تھا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو نکلنے نہ دے اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو پالیا اور پیچھے سے ان کی قمیص پکڑ کر کھینچی اور زور سے کھینچنے سے قمیص پھٹ گئی کیونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) بھاگ رہے تھے اور وہ پیچھے سے کھینچ رہی تھی اور اس زورا زوری میں وہ قمیص پیچھے سے پھٹ گئی اور جب وہ دونوں دروازے سے باہر نکلے تو دروازے کے قریب اس کا شوہر کھڑا تھا اس عورت نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) پر جھوٹا الزام لگانے کے لیے بولنے میں پہل کی اور کہنے لگی اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اس کو قید کیا جائے یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے یعنی اس کو کوڑے لگائے جائیں۔ عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف (علیہ السلام) سے جو شدید محبت تھی اس وجہ سے اس نے پہلے ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر پھر اس کے بعد ان کو سزا دینے کا ذکر کیا کیونکہ محب یہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب کو اذیت پہنچائی جائے اس عورت نے صراحتاً یہ نہیں کہا کہ یوسف (علیہ السلام) کا میرے ساتھ زنا کا ارادہ تھا بلکہ یوں کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنی نوجوانی کی عمر، قوت اور زور کے کمال اور شہوت کی انتہاء کے باوجود اپنے آپ کو گناہ میں ملوث ہونے نہیں دیا تو اس کو حیا آئی کہ وہ ان کی طرف صراحتاً زنا کی نسبت کرے اس لیے اس نے کنایہ اور تعریض کے ساتھ کہا کہ اس نے میرے ساتھ برائی کا اردہ کی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو گناہ کی ترغیب دی اور اپنی طرف مائل کرنا اور رجھانا چاہا اور اس کے جواب میں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس کو سختی سے منع کیا، ڈانٹا

اور مارا تو اس کو اس نے برائی کے ساتھ تعبیر کیا ہو اور اپنے خاوند کے ذہن میں یہ ڈالا ہو کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ (١)

﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ ﴾

(یوسفؑ) نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی : اگر یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہو تو عورت سچ کہتی ہے، اور وہ جھوٹے ہیں۔ (٢٦) اور اگر ان کی قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹ بولتی ہے، اور وہ (یوسف) سچے ہیں۔ (٢٧)

اس گواہ کے بارے میں چار مختلف اقوال ہیں۔

پہلا: وہ بچہ تھا گود میں اس نے کلام کیا۔ سہیلی نے کہا: صحیح ہے۔ اس حدیث طیبہ کی وجہ سے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لم یتکلم فی المھد الا ثلاثۃ گود میں سوائے تین

١۔ (زاد المسیر و تفسیر کبیر)

بچوں کے اور کسی نے کلام نہیں کیا۔ ان میں آپ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے گواہ کا ذکر بھی فرمایا۔ ابونصر قشیری نے کہا: اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ گھر میں گود میں ایک بچہ تھا اور وہ زلیخا کی خالہ کا بیٹا تھا۔ سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: "بچپنے میں چار نے کلام کیا"۔ اور آپ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے گواہ کا ذکر فرمایا۔ یہ بھی ایک قول ہے۔

دوسرا: کہ گواہ اصل کا پھٹنا تھا۔ اس کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ اور یہ لغوی اعتبار سے صحیح مجاز ہے۔ کیونکہ زبان حال مقال کی نسبت زیادہ بلیغ ہوتی ہے اور بعض اوقات عرب کلام کو جمادات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور اسکی صفات کی خود اسی کے بارے میں خبر دیتے ہیں اور یہ ان کے اشعار اور کلام میں بہت زیادہ ہے اور اس سلسلہ میں کسی کا بڑا خوبصورت قول ہے: دیوار نے کیل کو کہا کہ تو نے مجھے کیوں چیرا؟ اس نے اسے کہا: اس سے پوچھ اس نے مجھے کیوں گاڑا؟ مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد: من اھلھا اس کے قمیض ہونے کو باطل قرار دے دیتا ہے۔

تیسرا: وہ اللہ کی مخلوق میں سے مخلوق ہے نہ تو انسان، نہ ہی جن۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد: من اھلھا رد کر دیتا ہے۔ چوتھا: وہ عقلمند اور حکیم آدمی تھا۔ وزیر اپنے معاملات میں اس سے مشورہ لیتا تھا اور وہ عورت کے اہل میں سے تھا اور رہتا اس کے خاوند کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا: میں نے دروازے کے پیچھے سے کھینچنے، خود کر ترجیح دینے اور قمیض کے پھٹنے کے بارے میں سنا یہ معلوم نہیں کہ تم میں سے کون آگے تھا؟ پس اگر قمیض کی پھٹن اس (یوسف) کے آگے کی طرف سے ہے تو تو سچی ہے اور وہ اس کے پیچھے سے ہے تو پھر وہ سچا ہے۔ پھر ان سب نے قمیض کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ یہ

حضرت حسن بصری، عکرمہ، قتادہ، ضحاکؒ، مجاہدؒ اور سدیؒ کا قول ہے۔ سدی نے کہا: یہ اس کے چچا کا بیٹا تھا اور اس نے یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور اس باب میں یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباسؓ سے اسرائیل عن سماک عن عکرمہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ داڑھی والا آدمی تھا۔ سفیان عن جابر عن ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس کہا کہ آپ نے فرمایا: وہ بادشاہ کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ عکرمہ نے کہا: وہ بچہ نہیں تھا البتہ ایک حکیم آدمی تھا۔ سفیان نے عن منصور عن مجاہد روایت کیا ہے؛ وہ ایک آدمی تھا۔ ابو جعفر نحاس نے کہا کہ وہ عقلمند اور حکیم آدمی تھا بادشاہ نے اس سے مشورہ لیا تو اس نے یہ دلیل پیش کی؟ اگر وہ بچہ ہوتا تو اس کی شہادت تو عادت کو بطور دلیل پیش کرنے سے مستغنی کر دیتی کیونکہ بچے کا کلام کرنا تو معجزہ وکرامت ہے اور یہ عادت سے استدلال کرنے کی نسبت زیادہ واضح تھا۔ یہ بات نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث۔ تکلم أربعۃ صغار، منھم صاحب یوسف، کے مخالف بھی نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ صغیر تھا، بوڑھا نہ تھا۔ اور اس سلسلے میں ایک اور دلیل بھی ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے اور یہ روایت بھی متواتر ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا گواہ بچہ نہیں تھا۔

امام قرطبیؒ نے کہا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، ابن جبیر، ہلال بن یساف اور ضحاک سے رویت ہے کہ وہ بچہ تھا گود میں۔ اگر یہ بچہ ہوتا تو اس کا صرف کلام کر دینا ہی دلیل ہوتا اور قمیض کے ذریعے استدلال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور اس صورت میں یہ خلاف عادت اور معجزہ کی ایک قسم بنتی۔ واللہ اعلم، انشاء اللہ سورہ "البروج" میں ان بچوں کا بیان آئے گا جنہوں نے پنگھوڑے میں گفتگو کی۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب (عزیز مصر نے) اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عورت سے) کہنے لگا کہ بیشک یہ تم عورتوں کا فریب ہے بلا شبہ تم عورتوں کا مکر وفریب بہت بڑا ہوتا ہے۔(۲۸) یوسف! اس معاملے سے درگزر کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ یقیناً تو ہی خطا کاروں سے ہے۔(۲۹)

عزیز مصر کی بیوی کو معافی مانگنے کی تلقین یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس گواہ کا قول ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس عورت کے خاوند یعنی عزیز مصر کا قول ہو عزیز مصر نے جو حضرت یوسف (علیہ السلام) سے یہ کہا کہ اے یوسف! تم اس سے درگزر کرو اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس بات کو مخفی رکھو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ اگر یہ بات پھیل جاتی تو اس سے عزیز مصر کی بدنامی ہوتی کیونکہ اگر کسی شخص کی بیوی بد چلن ہو تو یہ اس شخص کے لیے موجب عار ہوتا ہے اور جب حضرت یوسف (علیہ السلام) کا بے قصور ہونا اور اس عورت کا مجرم ہونا ظاہر ہوگیا تو اس گواہ نے کہا کہ تم اپنے خاوند سے معافی مانگو کیونکہ تم نے اس کی امانت میں خیانت کرنے کی جسارت کی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے خاوند نے کہا ہو کہ تم اپنے گناہ کی اللہ سے معافی مانگو، کیونکہ اگر چہ وہ لوگ کافر اور بت پرست تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ماننے والے

تھے۔حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قید خانہ میں فرمایا تھا: ءارباب متفرقون خیرام اللہ الواحد القھار (یوسف:۳۹) کیا الگ الگ کئی معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا: بیشک تم گناہ گاروں میں سے تھیں، اس کے خاوند نے اپنی بیوی کی طرف گناہ کی نسبت کی اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاوند کو ابتداء ہی سے یہ معلوم تھا کہ قصوروار اور خطا کار اس کی بیوی ہے نہ کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیوی غلط حرکتیں کرتی رہتی ہے۔بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے خاوند میں غیرت کا مادہ بہت کم تھا ورنہ اگر اس میں غیرت اور حمیت ہوتی تو وہ ایسی بدچلن اور بدقماش عورت کو قتل کر دیتا یا اس کو بہت سخت اور عبرت ناک سزا دیتا پھر طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا لیکن اس نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ بیوی سے یہ کہا کہ تم اپنے گناہ کی معافی مانگو۔علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ مصریوں میں غیرت کا مادہ کم ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے غیرت کا مادہ سلب کرلیا ہو۔

عورتوں کے مکر کا عظیم ہونا عزیز مصر نے کہا یا عورت کے عم زاد نے

تم عورتوں کی سازش بہت عظیم ہوتی ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: وخلق الانسان ضعیفا۔(النساء:۲۸) اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔پس جب انسان فی نفسہٖ ضعیف ہے تو انسان کی ایک صنف یعنی عورت کا مکر اور ان کی سازش عظیم کیسے ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی خلقت فرشتوں، جنات، آسمانوں، سیاروں اور پہاڑوں کی بہ نسبت ضعیف ہے اور عورتوں کا مکر اور ان کی سازش مردوں کے مکر اور ان کی سازش کے مقابلہ میں عظیم ہوتی ہے اس کی تائید اس حدیث میں ہے: حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی

نماز پڑھانے کے لیے عیدگاہ میں تشریف لے گئے جب آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے خواتین! تم صدقہ کیا کرو، کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ اہل دوزخ میں تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ عورتوں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعن طعن بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو اور عورتیں جو ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں ان میں سے میں نے کوئی ایسی نہیں دیکھی جو تم سے زیادہ کسی ہوشیار اور دانا مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمارے دین میں کیا کمی ہے اور ہماری عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہیں نہ روزہ رکھتی ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں آپ نے فرمایا: یہ ان کے دین کی کمی ہے۔ (۱)

سیدنا اسامہ بن زید ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔" (۲)

سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے عورتوں کی جماعت! میں نے تم سے زیادہ ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود کوئی نہیں دیکھا جو ذی عقل و شعور مرد کی عقل کو مار کر رکھ دے۔" (۳)

۱۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹،۸۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۹)

۲۔[بخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأۃ۔۔الخ: ۵۰۹۶]

۳۔[بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی الأ قارب: ۱۴۶۲]

سیدنا ابوبکرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے امور کسی عورت کے سپرد کردیے۔“ (۱)

﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰ ﴾

اور شہر میں عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے، بیشک ہم اسے کھلی گمراہی میں دیکھ رہی ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ چار عورتیں تھیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پانچ عورتیں تھیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ان میں سے ایک بادشاہ کی ساقی کی بیوی تھی دوسری بادشاہ کے وزیر کی بیوی تھی تیسری جیل کے داروغہ کی بیوی تھی اور چوتھی باورچی کی بیوی تھی۔ مقاتل نے ان چار کے علاوہ نقیب کی بیوی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ (۲)

قد شغفھا حبا اس کے دو معنی ہیں: شغاف اس کھال کو کہتے ہیں جو دل پر محیط ہوتی ہے اس کو قلب کا غلاف کہتے ہیں یعنی حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت اس کھال تک پہنچ کر اس کے دل میں سرایت کرگئی تھی اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت اس کے دل کا اس طرح احاطہ

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إلی کسریٰ وقیصر: ٤٤٢٥]

۲۔(زادالمسیر ج ٤ ص ٢١٤، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ١٤٠٧ھ)

کر چکی تھی جس طرح غلاف کسی چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ (۱)

ان عورتوں نے کہا: بیشک ہم اس کو صریح بے راہ روی میں دیکھ رہی ہیں کیونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) ان کے نزدیک غلام کے حکم میں تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو عزیز مصر سے مانگ لیا تھا۔ عزیز مصر نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اسے ہبہ کر دیا اور پوچھا: تم اس کا کیا کرو گی؟ اس نے کہا: میں اس کو بیٹا بناؤں گی۔ اس نے کہا: یہ تمہارا ہے۔ اس عورت نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پرورش کی اور اس کے دل میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کی محبت تھی وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے لیے بن سنور کر رہتی تھی اور مختلف حیلوں سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنی طرف مائل اور راغب کرنے کی کوشش کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ (۲)

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ ﴾

عزیز مصر کی بیوی نے جب ان عورتوں کی یہ بدگوئی سنی، تو اس نے ان کو (اپنے

۱۔ (لسان العرب، الصحاح)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۹ ص ۱۰۰)

یہاں آنے کا) بلاوا بھیجا، اور ان کے لیے ایک مجلس آراستہ کی اور (ان کے پہنچ جانے کے بعد پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے) اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی دے دی، اور (عین اس وقت یوسف سے) کہا کہ ذرا تو ان کے سامنے نکل آؤ، پس جونہی انہوں نے آپ کو دیکھا تو وہ سب کے سب ششدر رہ گئیں، اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا، اور وہ سب (بے ساختہ) پکار اٹھیں کہ حاش اللہ (اللہ پاک ہے)، یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

مصر کی عورتوں کی نکتہ چینی کا منشاء اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی نکتہ چینی کو مکر سے تعبیر فرمایا ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) ان عورتوں یہ نکتہ چینی اس لیے کی تھی تا کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے رخ زیبا کو دیکھ سکیں کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ جب عزیز مصر کی بیوی ان کی اس تنقید کو سنے گی تو وہ ان کو حضرت یوسف (علیہ السلام) کا چہرہ مبارک دکھائے گی تا کہ ان عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) پر فریفتہ ہو گئی ہے تو وہ اس میں معذور ہے۔

(۲) عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کو اپنا راز دار بنایا تھا اور یہ بتادیا تھا کہ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) سے محبت کرتی ہے لیکن جب ان عورتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تو یہ ان کی بدعہدی اور مکر تھا۔

(۳) ان عورتوں نے اس کی غیبت کی تھی اور یہ غیبت مکر کے مشابہ تھی۔ یہ عورتیں بظاہر عزیز مصر کی بیوی پر نکتہ چینی کر رہی تھیں کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ یہ چاہتی تھیں کہ عزیز

مصری بیوی اپنا عذر ظاہر کرنے کے لیے انہیں حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حسین وجمیل چہرہ دکھائے اسی طرح جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو امام بنانے کا حکم دیا اور حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو۔ حضرت عائشہ ام المومنینؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سنا سکیں گے آپ حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ پھر حضرت عائشہ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہیں کہ حضرت ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رونے کا غلبہ ہوگا اور وہ لوگوں کو اپنی قرات نہیں سنا سکیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے اسی طرح کہا تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: چھوڑو تم تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: میں تمہارے مقابلہ میں کبھی خیر کو حاصل نہیں کرسکتی۔ (۱)

زلیخا نے جب شہر کی عورتوں کے طعنے سنے تو انہیں اپنے گھر میں دعوت پر بلایا، ان کے سامنے پھل اور چھریاں رکھ دیں اور یوسف (علیہ السلام) سے کہا کہ وہ ان عورتوں کے سامنے آئیں، جب ان عورتوں نے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا تو ان کے حسن میں اس قدر گم ہوگئیں کہ انہوں نے چھریوں سے اپنے

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۸۳۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۰۸۴)

ہاتھوں کو زخمی کر دیا اور بے ساختہ پکار اٹھیں کہ یہ بشر نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرشتے انسان سے خوبصورت ہوتے ہیں۔ دراصل ساری مخلوق میں خوبصورت ترین شکل تو انسان ہی کی ہے مگر ان عورتوں نے چونکہ ایسا خوبصورت انسان پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا اس لیے یوسف (علیہ السلام) کو فرشتہ قرار دیا، نیز فرشتوں میں شہوت نہیں ہوتی اور ان عورتوں نے جب دیکھا کہ یوسف (علیہ السلام) نے ان میں سے کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کے نہیں دیکھا تو وہ اس کی شرافت اور عصمت کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھیں کہ وہ انسانیت کے پیکر میں کوئی عظیم فرشتہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا کہ جب یوسف (علیہ السلام) کو ان عورتوں کے سامنے آئے تو وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دیکھنے میں ایسی مگن ہو گئیں کہ انہوں نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان کو درد کو بالکل احساس تک نہ ہوا اور جب حضرت یوسف (علیہ السلام) وہاں سے چلے گئے تو انہیں درد کا احساس ہوا اور عزیز مصر کی بیوی نے کہا: تم نے تو ایک لمحہ کے لیے یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا ہے اور تمہارا یہ حال ہو گیا تو سوچو جو دن رات یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ رہتی ہو اس کا کیا حال ہوا ہو گا تو وہ عورتیں بے ساختہ پکار اٹھیں: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ [۱]

امام ابن ابی حاتم کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب یوسف (علیہ السلام) ان عورتوں کے سامنے سے چلے گئے تو عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہ ہے وہ شخص جس سے محبت کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کر رہی تھیں، تم نے دیکھ لیا کہ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر مدہوش ہو گئیں کہ تم نے پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ

۱۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۷: ص ۲۱۳۰)

ڈالے اور تم کو بالکل درد نہ ہوا۔ جب انہوں نے اپنے زخمی ہاتھوں کی طرف دیکھا تو وہ درد کی شدت سے رونے اور چیخنے لگیں اور انہوں نے کہا: سبحان اللہ! یہ بشر نہیں ہے بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے اور ہم آج کے مشاہدہ کے بعد اس کی محبت کی وجہ سے تم ملامت نہیں کریں گے۔ (۱)

اس آیت کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (۲)

حسن یوسف (علیہ السلام) حدیث کی روشنی میں

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا : سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”جب تیسرے آسمان کا دروازہ کھولا گیا تو وہاں یوسف (علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی، اللہ نے حسن کا آدھا حصہ انھیں عطا کیا تھا۔“ (۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ فرمایا۔ کان وجہ یوسف مثل البرق وکانت المراۃ اذا اتت لحاجۃ ستر وجھہ مخافۃ ان تفتتن بہ۔ یوسف کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور آپ کے پاس جب کوئی عورت کسی حاجت کے لیے آتی تو آپ اپنا چہرہ چھپا لیتے مبادا کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے۔ (درمنثور بروایت حکیم

۱۔(تفسیر ابن ابی حاتم: جلد ۷: ص ۲۱۳۷)

۲۔(تفسیر درمنثور: جلد ٤: ص ۵۳۲)

۳۔[مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الی السموات وفرض الصلوات: ۱۶۳]

ترمذی فی نوادر الاصول وطبرانی وغیرہ جلد چہارم ص523)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، جب مجھے شب معراج تیسرے آسمان کی طرف لیجایا گیا تو وہاں میری ملاقات یوسف سے ہوئی، وقد اعطی شطرا من الحسن، اور انھیں حسن کا نصف حصہ دیا گیا ہے۔ (مسلم کتاب الایمان باب الاسراء بالرسول)

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں، جب یوسف مصر کی گلیوں میں چلتے تھے تو ان کی گلیاں آپ کے چہرے سے چمک اٹھتیں جیسے پانی اور سورج دیواروں پر چمکتے تھے۔ (درمنثور جلد چہارم ص523)

حسن یوسف (علیہ السلام) اور حسن مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہ تو حسن یوسف ہے مگر حسن مصطفیٰ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی ورسول کو جو فضیلت دی وہ اپنے حبیب لبیب کو بھی عطا فرمائی بلکہ درجہ کمال کے ساتھ عطا فرمائی چنانچہ حدیث طیبہ کے مطابق یوسف کو حسن کا ایک حصہ دیا گیا مگر اللہ نے اپنے حبیب کو حسن کامل عطا فرمایا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ نے فرمایا۔

لوائم زلیخا لوراین جبینہ لاثرن فی القطع القلوب علی الایدی

یعنی زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں اگر رسول اللہ کی جبین مبارک کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے اپنے دل کاٹ لیتیں (روح البیان جلد چہارم)۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک یوں چمک اٹھتا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ (بخاری کتاب المناقب باب23)

﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

تب اس عورت (زلیخا) نے کہا: یہ وہی ہے جس کی وجہ سے تم مجھ کو ملامت کرتی تھیں، اور بیشک میں نے اس کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچا رہا، اور بیشک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں گے اور وہ ضرور ذلت اٹھائیں گے۔

زلیخا نے ان عورتوں سے کہا: یہی وہ شخص ہے جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ تم اس کو ایک نظر دیکھ کر اس قدر بے خود ہوگئیں کہ اپنے ہاتھ زخمی کر دیئے تو بتاؤ میں جو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں میری بے خودی کا حال کیا ہوگا؟ اور اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی کیا کہ میں نے یوسف (علیہ السلام) کو اپنی طرف راغب کرنے کی پوری کوشش کی مگر اس نے میری طرف توجہ نہیں کی اور یوسف (علیہ السلام) کان کھول کر سن لے کہ اب بھی اگر اس نے میری خواہش پوری نہ کی تو میں اس کو ذلیل و رسوا کر کے جیل بھیجوا دوں گا۔ مجلس میں شریک عورتوں نے بھی یوسف (علیہ السلام) سے سفارش کی کہ زلیخا تمہاری محسن ہے تم اس کی بات مان جاؤ۔

زلیخا کی بات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ یوسف (علیہ السلام) پاک دامن رہے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ

مصری معاشرہ میں اس وقت بدکاری کوئی معیوب چیز نہیں تھی بلکہ مغربی معاشرہ کی طرح ایک معمول تھا، اسی لیے تو زلیخا عورتوں کی بھری مجلس میں دوسرا یوسف (علیہ السلام) کو برائی کی دعوت دے رہی ہے اور انکار کی صورت میں جیل میں بند کرنے کی دھمکی بھی دے رہی ہے۔

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ﴾

یوسف نے دعا کی: اے میرے پروردگار! مجھے قید زیادہ پسند ہے اس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ دور کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔ (۳۳) سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی پھر ان (عورتوں) کے مکر کو ان سے دور فرما دیا، بلاشبہ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ (۳۴)

سعیدؒ نے اپنی تفسیر میں وابن ابی حاتم ؒ نے ابن عیینہؒ سے روایت کیا کہ دعا کی توثیق دی جاتی ہے مقدر کے مطابق کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یوسف نے عرض کیا (آیت) "رب السجن احب الی" پھر کہا تھا کہ

اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کر دینا تو جبرائیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور ان کے سامنے ایک چٹان سے پردہ ہٹا دیا اور (یوسف (علیہ السلام) سے فرمایا آپ کیا دیکھتے ہیں فرمایا ایک چیونٹی کو دیکھ رہا ہوں جو چٹان کو کاٹ تو رہی ہے؟ تو جبرائیل (علیہ السلام) نے فرمایا کہ آپ کے رب فرماتے ہیں کہ میں اس (چیونٹی) کو نہیں بھولا پھر تجھ کو کیسے بھولوں گا میں نے تجھے اس لیے قید کیا تھا کہ تو نے خود ہی کہا تھا (آیت) "رب السجن احب الی"۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی، میرے آقا! جس گناہ کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اس سے مجھے قید ہو جانا زیادہ پسند ہے، میرے اللہ! اگر تو نے ان مکار عورتوں کے فریب سے مجھے نہ بچایا تو میرے دل میں ان کی رغبت پیدا ہو جائے گی اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) قادر و متصرف نہ تھے اسی لیے وہ گناہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری کی محتاج تھے۔ "فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ الخ" اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور عورتوں کے مکر سے ان کو بچالیا۔ "ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ الخ" یہ "فَصَرَفَ عَنۡهُ كَيۡدَهُنَّ" کا بیان ہے۔ عزیز مصر نے جب شہر کی ہوا دیکھی تو اس نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لیے کچھ عرصہ تک حضرت یوسف (علیہ السلام) کو قید کر دینے ہی میں مصلحت سمجھی۔ "اَلۡاٰيٰتِ" حضرت یوسف (علیہ السلام) کی برأت کے دلائل و شواہد یا شہری ماحول اور حالات۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) زلیخا کے کہنے کے مطابق قید تو کر دیئے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے قید خانے میں ان کو ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھا۔ وہ اپنی خداداد خوبیوں، محاسن اخلاق، ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے جیل میں بھی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ داروغہ جیل نے ان سے کہہ دیا کہ میں آپ کو رہا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اس کے

علاوہ جو بھلائی بھی مجھ سے ہو سکے گی میں کروں گا اور جیل میں آپ پر کوئی پابندی نہیں آپ ہر جگہ آجا سکتے ہیں۔

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾ ﴾

پھر باوجود اس کے وہ نشانیاں دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یوسف (علیہ السلام) کو قید میں ڈال دیں۔

یوسف (علیہ السلام) کو قید کرنے کا سبب

جب عزیز مصر پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تہمت سے برأت ظاہر ہوگئی تو واضح طور پر اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے کوئی تعرض نہیں کیا ادھر وہ عورت اپنی تمام حیلہ سازیوں اور مکر و فریب کے ساتھ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنی موافقت پر ابھارتی رہی اور حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی پھر جب وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) سے مایوس ہوگئی تو اس نے اپنا انتقام لینے کے لیے اپنے خاوند سے کہا اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں کے درمیان رسوا کر دیا ہے یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ اس عورت نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے مجھے بہکایا اور ورغلایا تھا اور میں ہر شخص کے سامنے جا کر اپنا عذر نہیں بیان کر سکتی اس لیے اس فحش بات کا چرچا روکنے کے لیے اس غلام کو قید کر دیا جائے۔ عزیز مصر نے سوچا اس طرح اس کی بھی بدنامی ہو رہی ہے، اس لیے مصلحت اسی

میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں بند کرنے کے لیے اس کو قید کر دیا جائے۔ [1]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پاکبازی کی علامات اس آیت میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پاکبازی کی علامات کا ذکر ہے وہ علامات یہ تھیں: حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا، حضرت یوسف (علیہ السلام) کا اس عورت سے بھاگنا اور اس عورت کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کا پیچھا کرنا اس عورت کے خاندان کے ایک شخص کا اس عورت کو قصوروار قرار دینا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی برأت کو بیان کرنا اس دعوت میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ کر ان عورتوں کا ہاتھ کاٹ لینا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی برأت کے لیے سبحان اللہ کہنا اور ان کی پارسائی کی وجہ سے ان کو فرشتہ قرار دینا۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سات قسم کے (سعادت مند) انسان ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا:

1 عدل کرنے والا حکمران۔

2 وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی۔

3 وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق ہو۔

4 وہ دو شخص جو اللہ ہی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور حب الٰہی کے باعث جمع اور جدا ہوتے ہیں۔

5 وہ شخص جسے کسی صاحب منصب و جمال عورت نے (برائی کی) دعوت دی اور اس نے (اسے رد کرتے

۱۔(جامع البیان جز ۱۲ ص ۲۷۹، ملخصاً)

ہوئے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

6 وہ شخص جو اس طرح خفیہ صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

7 اور وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔"[1]

یوسف علیہ السلام کی قید کی مدت

عکرمہؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) سات سال قید خانے میں رہے۔[2]

طارق اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ مدت چھ ماہ تھی۔[3]

ابو صالح ؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سال تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے سات سال کی روایت کی ہے۔ عطاءؒ نے کہا: یہ قید اس وقت تک کے لیے تھی حتیٰ کہ لوگوں کی زبانیں اس واقعہ کے ذکر سے بند ہو جائیں۔ الماوردیؒ نے کہا: اس قید کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی تھی اور ان کو غیر محدود مدت کے لیے قید کیا گیا تھا اور یہی قول صحیح ہے۔[4]

۱۔[بخاری، کتاب الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوۃ۔۔ الخ: ٦٦٠، ١٤٢٣، ٦٨٠٦۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل إخفاء الصدقۃ: ١٠٣١]

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث: ١٤٧٤٠)

۳۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١١٥٩١)

۴۔(زاد المسیر ج ٤ ص ٢٢٢، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ١٤٠٧ھ)

﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ ﴾

اور یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر کچھ روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے بلاشبہ ہم آپ کو نیکو کاروں میں سے دیکھ رہے ہیں۔

وہب بن منبہؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دراز گوش پر سوار کرا کے قید خانہ میں لے جایا گیا اور ایک آدمی ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا جا رہا تھا جو شخص اپنی مالکہ کا کہنا نہ مانے اس کی یہی سزا ہوتی ہے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) فرماتے تھے: دوزخ کی آگ، تارکول کی قمیص پہننے، گرم کھولتے ہوئے پانی کو پینے اور تھور کو کھانے کے مقابلہ میں یہ سزا بہت کم ہے۔ جب حضرت یوسف (علیہ السلام) قید خانہ میں پہنچے تو وہاں کئی ایسے لوگ دیکھے جو رہائی سے ناامید ہو چکے تھے اور ان کی سزا

بہت سختی تھی، حضرت یوسف (علیہ السلام) ان سے فرماتے تم صبر کرو اور بشارت قبول کرو تم کو اجر ملے گا۔ انہوں نے کہا اے نوجوان! آپ کس قدر نیک باتیں کرتے ہیں، آپ کے قرب میں ہم کو برکت ملے گی! آخر آپ کون ہیں؟ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: میں اللہ کے پسندیدہ بندے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کا بیٹا یوسف ہوں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) غمزہ لوگوں کو قید خانے میں تسلی دیتے تھے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے تھے، ساری رات نماز پڑھتے تھے اور خوف خدا سے قدر روتے تھے کہ کوٹھڑی کی چھت، دیواریں اور دروازوں پر بھی گریہ طاری ہو جاتا تھا تمام قیدی آپ سے مانوس ہو گئے تھے اور جب کوئی قیدی، قید سے رہائی پاتا تو جانے سے پہلے آپ کے پاس بیٹھ جاتا، قید خانہ کا داروغہ بھی آپ سے محبت کرتا تھا اور آپ کو بہت آرام پہنچاتا تھا ایک دن اس نے کہا اے یوسف! میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور سے اتنی محبت نہیں کرتا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: میں تمہاری محبت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں! اس نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے بتایا: میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو میرے بھائیوں نے میرے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا میری مالکہ نے مجھ سے محبت کی اس کے نتیجہ میں، میں آج اس قید میں ہوں۔ جب حضرت یوسف (علیہ السلام) قید خانہ میں تھے تو مصر کا سب سے بڑا بادشاہ جس کا نام ریان بن الولید تھا وہ بوڑھا ہو چکا تھا اس کو اپنے نان بائی اور ساقی پر شک ہوا کہ وہ اس کو زہر دینے والے ہیں اس نے ان دونوں کو قید میں ڈلوا دیا۔ ثعلبی نے کعب سے روایت کیا ہے کہ ساقی کا نام منجا تھا اور نانبائی کا نام مجلث تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کے فتیان کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ عربی میں فتی غلام کو بھی کہتے ہیں اور یہ دونوں بادشاہ کے غلام تھے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قیدیوں سے کہا تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے ہیں تو نانبائی

اور ساقی نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ ہم اس عبرانی غلام کا تجربہ کریں پھر ان دونوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے خواب کی تعبیر پوچھی، ساقی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کے لیے انگور نچوڑ رہا ہوں اور نانبائی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے جا رہا ہوں اور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ [۱]

ممکن ہے کہ بادشاہ نے ان دونوں کو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ قید کیا ہو ایسا ممکن ہے کہ آپ کے بعد ان کو قید کیا ہو یا آپ سے پہلے ان کو قید کیا گیا ہو البتہ جس کمرے میں آپ تھے اس میں وہ آپ کے ساتھ داخل ہوئے۔ قال احدھما انی ارٰینی اعصر خمرًا اس سے مراد انگور کو نچوڑنا ہے حضرت یوسف (علیہ السلام) قیدیوں کو فرماتے تھے کہ میں خوابوں کی تعبیر بتاتا ہوں۔ دونوں جوانوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا: آؤ ہم اس عبرانی غلام کا تجربہ کریں: تو انہوں نے کسی چیز کو دیکھے بغیر آپ سے سوال کیا۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے آپ سے آپ کے علم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں خوابوں کی تعبیر بتاتا ہوں۔ تو انہوں نے اپنے خوابوں کے بارے میں پوچھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ نے کہا: ان کے سچے خواب تھے جو انہوں نے دیکھے اور ان کے متعلق آپ سے پوچھا: اسی وجہ سے ان کی تعبیر بھی صحیح اور سچی تھی۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کی: "تم میں سے جو از روئے خواب کے جتنا سچا ہوگا اتنا ہی وہ از روئے کلام کے سچا ہوگا۔" ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے خواب

۱۔(الجامع لاحکام القرآن جز۹ ص ۱۶۵۔۱۶٤، تفسیر امام ابن ابی حاتم، ج ۷ ص ۲۱٤۳۔۲۱٤۱، النکت والعیون ج ۳ ص ۳٦۔۳۵، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، الدر المنثور ج ٤ ص ۵۳۷۔۵۳۵)

جھوٹے تھے اور انہوں نے صرف تجربہ کرنے کے لیے آپ سے ان کے متلعق پوچھا۔ یہ حضرت ابن مسعودؓ اور سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ ہے: ان دونوں میں سے جس کو پھانسی دی گئی وہ جھوٹا تھا اور دوسرا سچا، یہ ابو مجلز کا قول ہے۔ ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث روایت کی: ”جس نے جھوٹا خواب بیان کیا قیامت کے دن اس کو دو جو باندھنے کا مکلف بنایا جائے گا اور وہ ان دونوں کو نہیں باندھ سکے گا“۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت علیؓ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت بیان کی آپ نے فرمایا:”جس نے اپنے خواب کے بارے میں جھوٹ بولا اسے قیامت کے دن جو باندھنے کا مکلف بنایا جائے گا“۔ (ابو عیسیٰ نے) کہا: حدیث حسن۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب ان دونوں نے اپنے خواب دیکھے تو وہ پریشان ہو گئے: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے انہیں فرمایا: میں تمہیں پریشان کیوں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے کہا: اے ہمارے سردار! ہم نے خواب میں ناپسندیدہ بات دیکھی ہے: آپ نے فرمایا: مجھے بتاؤ، تو انہوں نے آپ کو وہ بات بتائی اور کہا: ہمیں ہارے خوابوں کی تعبیر بتایئے: یہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان کے خواب تھے۔ انا نرٰئک من المحسنین آپ کا احسان یہ تھا کہ آپ مریض کی عیادت کرتے اور اسے دوا دیتے تھے، پریشان وغمزدہ کو دلاسہ دیتے، جب اس کی ضرورت ہوتی تو اس کی خدمت کرتے اور اس کے لیے (لوگوں کو) کہتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ من المحسنین سے مراد العالمین الذی أحسنو االعلم یہ فراء کا قول ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: من المحسنین لنا ان فسرتہ کہ اگر آپ اس کی وضاحت کر دیں تو آپ ہمارے محسنین میں سے ہوں گے۔ جس طرح کوئی آدمی کہتا ہے: ایسا کرو تو تم احسان کرنے والے ہو گے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کیا دیکھا ہے؟ خباز نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں

نے تین تنوروں میں روٹیاں پکائیں انہیں تین ڈبوں میں رکھ دیا، اوران کو اپنے سر پر رکھ لیا تو ایک پرندہ آیا اور اس میں سے کھا گیا۔ دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں نے سفید انگور کے تین گچھے لیے انہیں تین برتنوں میں نچوڑا، پھر اپنی پہلی عادت کے مطابق وہ میں نے بادشاہ کو پلا دیا، یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انی اراینی اعصر خمرا یعنی انگور لغت عمان کے مطابق (انگور کو خمر کہتے ہیں)۔

﴿ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ ﴾

یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ آنے نہ پائے گا کہ میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ تعبیر دینا بھی اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، بیشک میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور وہ روز آخرت سے انکار کرتے ہیں۔

ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: امام ابن اسحاقؒ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو خواب میں جو کھانا بھی دیا جائے گا میں تم کو بیداری میں اس کی حقیقت بتا دوں گا اور امام ابن جریج نے

کہا: تم کو بیداری میں جو کھانا دیا جائے گا میں تم کو (پہلے سے) اس کی حقیقت بتادوں گا۔ [۱]

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے دو معنی ہیں حسن بصری ؒ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں جب بھی بیداری میں کھانا دیا جائے گا میں تم تک کھانا پہنچنے سے پہلے بتادوں گا کہ تمہارے پاس کیا کھانا آئے گا۔ کیونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام)، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرح غائب شدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے اور سدی ؒ نے بیان کیا کہ تم کو خواب میں جو کھانا دیا جائے گا بیداری میں اس کھانے کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتادوں گا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ساقی اور نانبائی نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے کہا کھانا پہنچنے سے پہلے آپ کو اس کی حقیقت کا کیسے پتا چل جاتا ہے حالانکہ آپ جادوگر ہیں نہ نجومی ہیں تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے رب نے اس کی تعلیم دی ہے۔ [۲]

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی ؒ متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: کل تمہارے پاس تمہارے گھروں سے کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں اس کھانے کی خبر دے دوں گا تاکہ تم کو یقین آجائے کہ میں خواب کی تعبیر کا علم بھی رکھتا ہوں انہوں نے کہا آپ سی طرح کریں تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: تمہارے پاس فلاں فلاں کھانے کی چیز آئے گی، سو ایسا ہی ہوا اور یہ علم الغیب تھا جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ مختص [تھا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بیان کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس علم کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا ہے کہ انہوں نے اس قوم کے دین

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۷۵۲، ۱۴۷۵۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۰۸، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

۲۔(زادالمسیر ج ۴ ص ۲۲۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کو ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی یعنی بادشاہ کے دین کو۔ (۱)

﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ﴾

اور اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ترمذیؒ نے اور آپ نے اس کو حسن کہا والحاکم وابن ابی حاتم وابن مردویہ رحمہم اللہ نے ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ بلاشبہ کریم بیٹا کریم کا اور کریم بیٹا کریم کا وہ یوسف بیٹا یعقوب کا وہ بیٹا اسحاق کا وہ بیٹا ابراہیم (علیہ السلام) کا ہے۔

ابن ابی حاتم والحاکم رحمہما اللہ نے ابوالاحوصؒ سے روایت کیا کہ اسماء بن خارجہ فزاری نے ایک آدمی سے فخر کیا اور کہا کہ میں الاشیاخ الکرام (یعنی عزت والے شیوخ) کی اولاد میں سے ہوں عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا وہ تو یوسف بیٹا یعقوب کا اور وہ بیٹا اسحاق ذبیح اللہ کا اور وہ بیٹا

۱۔(الجامع لاحکام القرآن جزء ۹ ص ۱۶۶، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱٤۱۵ھ) حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کا معنی اسی طرح بیان کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱٤۱۹ھ)

ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔

الحاکم ؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا کہ ان سے ایک آدمی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور اس نے کہا ابن اخیار (نیک لوگوں کا بیٹا) کے لیے اجازت طلب کرو عمر نے فرمایا اس کو اجازت دیدو جب وہ داخل ہوا تو عمرؓ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں فلاں کا بیٹا فلاں کا اور فلاں کا بیٹا فلاں کا ہوں اور زمانہ جاہلیت کے اشراف لوگوں کو گنوایا عمر نے اس سے فرمایا کیا تو یوسف بیٹا یعقوب کا اور یعقوب بیٹا اسحاق کا اور اسحاق بیٹا ابراہیم کا ہے۔ اس نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا کہ بہترین لوگوں میں سے تھے اور تو برے لوگوں میں سے ہے۔ تو نے میرے سامنے اپنے کو دوزخ کے پہاڑوں میں شمار کیا ہے۔

یوسف (علیہ السلام) نے اپنے دونوں قید کے ساتھیوں کو یہ بھی بتانا چاہا کہ مجھے جو یہ رتبہ بلند ملا ہے اور یہ الہامی علم حاصل ہوا ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کے دین کو اختیار نہیں کیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ میں اپنے آباواجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہ السلام) کے دین پر ایمان لے آیا جو اللہ کے انبیاء تھے اور اس تفصیل سے ان کا مقصد انھیں یہ بھی بتانا تھا کہ میں خانوادہ نبوت کا چشم و چراغ ہوں، تاکہ جب ان کے سامنے اپنی دعوت رکھیں تو وہ غور سے سنیں۔ (اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ) میں " مِنۡ شَیۡءٍ " شرک کے عموم کی نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ چاہے کوئی چھوٹی چیز ہو یا کوئی حقیر شے، بت ہو یا فرشتہ، کوئی جن ہو یا کوئی اور چیز، اسے اللہ کا شریک بنانا حرام ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اس کی وحدانیت کا اقرار اور کسی کو اس کا شریک نہ بنانا موحد مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اکثر لوگ اللہ کے ناشکرے بندے ہوتے ہیں۔ اسی لیے نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، نہ اس کی توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور نہ اس کی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ : سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، تو جب بندے یہ کام کریں تو ان کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔"[1]

﴿ يٰصَاحِبَىِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَيۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ؕ﴿۳۹﴾

اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ رب بہتر ہیں یا اللہ، جو اکیلا ہے، سب پر غالب (ہے)؟

ایک اللہ کے در کو مضبوطی سے تھام لو

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ایک ایسا خدا جو سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے جس کے سامنے تمام مخلوق عاجز و بے بس ہے اور جس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں وہ بہتر ہے یا تمہارے وہ خیالی معبود بہتر ہیں جن کو تم پوجتے ہو اور جو ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں، تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن بے حقیقت معبودوں کو پوجتے ہو وہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے گھڑے ہوئے ہیں، اللہ نے ان کے وجود یا ان کے عبادت کے لائق ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا، اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو سو تم بھی اسی حکم پر عمل کرو، یہ توحید ہی سیدھا دین ہے، اس

۱۔[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب اسم الفرس والحمار: ۲۸۵۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات ۔۔ الخ: ۳۰]

میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر لوگ توحید وشرک کا فرق نہیں جانتے اسی لیے وہ شرک کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں۔

دعوت میں حکمت

اس محبت آفریں خطاب سے ان نوجوانوں کو اپنی قربت کا احساس دلاتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔ اس میں اگرچہ توحید کی دعوت اور اس کا اثبات ہے لیکن اس کا انداز براہ راست نہیں بلکہ عمومی اور عقل عام پر مبنی ہے۔ وہ دونوں چونکہ بادشاہ کے ملازم تھے اور بادشاہ کے عتاب کے باعث وہ جیل پہنچے تھے۔ ان سے زیادہ یہ بات کون سمجھ سکتا تھا کہ ایک آدمی کا ایک آقا ہونا چاہیے یا دو۔ اور اگر دو آقا ہوں اور محکوم اور ملازم ایک ہو تو اس غریب پر کیا گزرتی ہے اور اس کی شخصیت پر کیسے زخم لگتے ہیں ان دونوں کے لیے ان باتوں کا سمجھنا بہت آسان تھا۔ اس لیے ان سے پوچھا کہ بتاؤ ایک سے زیادہ رب اور وہ بھی متفرق اور الگ الگ بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ جو قہار ہے۔ قہار کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب پر غالب ہے۔ اس کے دائرہ اختیار واقتدار سے کوئی باہر نہیں۔ وہ ایسا کنٹرولر ہے کہ کائنات میں سے کوئی مخلوق بھی اس کے تکوینی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتی۔ کائنات میں ایسے خدا اور ایسے آقا کی موجودگی میں جو سب پر غالب ہو کسی اور کی موجودگی کا کیا جواز ہے اور مزید یہ کہ اس ایک خدا کے وجود پر تمام اہل دنیا متفق ہیں۔ کیونکہ اس کا وجود انسان کی فطرت کی آواز۔ عہد الست کی پکار اور اقوام کی شہادت سے مستند ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو یقیناً صحیح ہے کہ اس کا وجود ابدہ البدیہیات ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ اس کی ذات یا اس کے اختیار واقتدار میں کسی شریک کو تسلیم کرنے کے لیے بڑی مضبوط دلیل کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی دلیل انسان کے پاس موجود نہیں تو غور کیجیے کہ ایسی بے سروپا

بات جس کی نہ عقل تائید کرے اور نہ فطرت اسے مانے۔ اسے اپنے اوپر مسلط کر لینے کا کیا جواز ہے۔
شرک کی تردید کے حوالے سے حضرت نے اپنے دونوں ساتھیوں کو براہ راست متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگ جن شخصیات یا جن قوتوں کی پوجا کرتے ہو، کیا تم نے کبھی ان کی حقیقتوں پر غور کیا ہے۔ ان کے تم نے مختلف نام رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کو ان داتا کہتے ہو، کسی کو غریب نواز کا نام دے رکھا ہے، کہیں مختلف ناموں سے مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے، لیکن تم کچھ نہیں جانتے کہ جن کی پوجا کر رہے ہو، یہ کون ہیں۔ بلا سوچے سمجھے کچھ نام ہیں جن کی پوجا کی جارہی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس گھر میں لکشمی دیوی آجائے وہ امیر ہو جاتا ہے لیکن آپ پوچھ کے دیکھ لیجیے کہ یہ لکشمی دیوی کیا شے ہے۔ بے حقیقت ناموں کے پیچھے چلنا اور اپنے آپ کو ان ناموں پر قربان کر دینا اس سے بڑھ کر جہالت کی اور کیا بات ہوگی۔ عقل بھی سوال کرتی ہے کہ ایک خدا جو سب پر غالب اور حاوی ہے اور جس کے انتظام و انصرام سے کوئی ذرہ بھی باہر نہیں، آخر اس کی موجودگی میں دوسروں کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈالنا کون سی عقل مندی کی بات ہے، لیکن تمہارے آباؤ اجداد نے محض اپنے وہم سے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں اور تم اپنے باپ دادا کی لکیر کو پیٹتے چلے آرہے ہو۔
آنکھیں کھول کر کائنات کا مطالعہ کرو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم بھی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ عناصرِ قدرت کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حکم سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ زمین و آسمان کی بیشمار قوتیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کیا اس کے سوا کسی اور کے حکم کی پابند ہیں۔ جن و انس، ملائکہ، چرند پرند اور حشرات الارض تک کوئی مخلوق نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رزق دیتا ہو۔ جب کائنات کی ایک ایک مخلوق اسی کی محتاج اور اسی کے احکام کی تکوینی طور پر پابند ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ

جن وانس جنھیں اللہ تعالیٰ نے فی الجملہ آزادی بخشی ہے اور اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے فیصلہ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دین، اس کی اطاعت اور اس کی بندگی اختیار کریں گے یا غیر اللہ کی، تو پھر اس کا کیا جواز ہے کہ وہ تکوینی طور پر تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں اور تشریعی طور پر غیر اللہ کی بندگی اپنے اوپر مسلط کرلیں، کیونکہ جس طرح اختیار واقتدار تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے اسی طرح تشریعی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی وہ دین قیم اور ٹھیٹھ اور سیدھا راستہ ہے جو فوز وفلاح اور جنت کی طرف جاتا ہے لیکن اکثر لوگ ایسی سیدھی بات کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے اور ساری عمر پیچ در پیچ پگڈنڈیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔

اس طرح سے حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے جیل کے ساتھیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت رکھی۔ بنیادی تفصیلی مسائل چھیڑنے کی بجائے اپنی بات کو توحید کے اثبات اور شرک کی مذمت تک محدود رکھا۔ براہ راست ان کے خیالات اور عقائد پر تنقید سے گریز فرمایا اور شرک کے بارے میں جو تنقیدی باتیں فرمائیں انھیں دلآزاری کے ہر شائبے سے محفوظ رکھا اور اپنی بات کو اس طرح عقلی پیمانوں سے ناپ کے پیش کیا جس کا انکار کرنا ان کے لیے آسان نہ رہا۔

﴿ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسۡمَآءً سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، سن لو کہ اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے،، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تم ایک اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں۔" اگر یہ اللہ کے نیک بندے تھے تو وہ اپنا وقت گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ نے تو یہ اختیارات کسی کو تفویض ہی نہیں کئے اور اگر یہ صرف نام ہی نام ہیں تو ظاہر ہے کہ تم نے گھڑے ہیں یا تمہارے آباؤ اجداد نے گھڑ لیے ہیں۔" اللہ نے تو ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری۔" کہ فلاں میرا ولی تم کو اولاد دے گا اور فلاں بارش برسائے گا اور فلاں کا کام دولت تقسیم کرنا ہے اور فلاں تمہارے مویشیوں کے لیے نگہبان ہے اور فلاں نے اولے روکے ہوئے ہیں کہ اگر تم اس کی نیاز ادا کرتے رہے تو اولے نہیں برسیں گے۔" حکومت تو اللہ کی ہے۔" اور سارے کام اس کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جس کو چاہے اپنے قانون کے مطابق دولت عطا کرتا ہے اور جہاں چاہتا ہے بارش برساتا ہے، جہاں چاہتا ہے اولاد عطا کرتا ہے اور اس کے سارے کام صرف عطا کرتا ہے اور جہاں چاہتا ہے بارش برساتا ہے، جہاں چاہتا ہے اولاد عطا کرتا ہے اور اسکے سارے کام صرف اس کے

اپنے قبضہ میں ہیں" اس کا حکم یہ ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو۔" اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اس نے کبھی نہیں کہا کہ میرے احکام میں فلاں فلاں بھی شریک ہیں۔ تم عبدالقادر جیلانی کی گیارہویں دو گے تو تمہارے بچے زندہ رہیں گے ورنہ مر جائیں گے۔ اس نے کہیں نہیں کہا کہ تم فلاں کی بیعت کرو گے تو تمہیں اولاد ملے گی ورنہ نہیں ملے گی یہ سب کی سب تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔" اس کا فرمان تو یہ ہے کہ تم صرف اس کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو۔" کائنات کی ہر چیز اللہ وحدہ لاشریک لہ کے زیر نگیں ہے بلندیوں اور پستیوں میں اس کا حکم نافذ ہے۔ اس واحد وقہار کا یہ حکم ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کو معبود حق اور مالک حقیقی تسلیم کیا جائے۔" یہی سیدھا دین ہے۔" یعنی وہ دین جس کی صداقت اور حقانیت روشن دلائل سے ثابت ہے۔" مگر لوگوں کی اکثریت یہ بات نہیں سمجھتی۔" یوں کہ اکثر لوگ اپنے رب کی دی ہوئی غور و فکر کی صلاحیتوں سے کام ہی نہیں لیتے۔ دین حق سے ان کی محرومی ان کی ناشکری کا نتیجہ ہے۔ یہ ہے حضرت یوسف صدیقؑ کا وہ پہلا خطبہ جو آپ نے زندان مصر میں اپنے قیدی بھائیوں کے سامنے ارشاد فرمایا۔

کیا متعدد اور متفرق رب ماننا بہتر ہے یا ایک اللہ کو جو قہار ہے! اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متفرق ارباب کے مسمیات اور ان کے مصادیق موجود ہیں، اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کے صرف اسماء ہیں یعنی مسمیات اور مصادیق نہیں ہیں اور یہ ان دو آیتوں میں کھلا ہوا تعارض ہے، اس کے دو جواب ہیں:

(ا) وہ ان بتوں کو الٰہ اور معبود کہتے تھے حالانکہ ان بتوں میں الوہی صفات موجود نہیں تھیں پس یہ بت نام کے الٰہ اور معبود تھے الٰہ اور معبود کے مصداق اور مسمیٰ نہ تھے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ جن کی تم

پرستش کرتے ہو وہ صرف اسماء ہیں اور اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا: وہ ان کے خود ساختہ رب ہیں نہ کہ وہ فی الواقع رب ہیں۔

(۲) روایت ہے کہ وہ بت پرست مشبہ تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اصل اللہ تو نور اعظم ہے اور ملائکہ انوار صغیرہ ہیں اور انہوں نے ان انوار کی صورتوں پر یہ بت تراش لیے تھے اور حقیقت میں ان کے معبود اور ساویہ تھے اور یہی مشبہ کا قول ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک بہت بڑا جسم عرش پر مستقر ہے اور وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور حقیقت میں ان کا تصور شدہ جسم موجود نہیں ہے پس وہ ایسے اسماء کی عبادت کرتے تھے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نوح (علیہ السلام) کی قوم میں سے چند نیک لوگ جب مر گئے تو شیطان نے لوگوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ جہاں یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر (یادگار کے طور پر) نصب کردو اور ان کے وہی نام رکھو جو ان بزرگوں کے تھے۔ انھوں نے ایسے ہی کیا، اس وقت ان کی عبادت نہیں کی جاتی تھی، لیکن جب وہ لوگ گزر گئے تو بعد والوں کو یہ شعور نہ رہا اور وہ ان کی پرستش کرنے لگے۔ (۲)

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجۡنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسۡقِىۡ رَبَّهٗ خَمۡرًا‌ ۚ وَاَمَّا الۡاٰخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَاۡكُلُ الطَّيۡرُ مِنۡ رَّاۡسِهٖ‌ ؕ قُضِىَ الۡاَمۡرُ

۱۔(تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۵۹)

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (ودًّا ولا سواعًا ولا یغوث ویعوق): ۴۹۲۰]

الَّذِیۡ فِیۡهِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ ﴿۴۱﴾

اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور اور پرندے اس کے سر کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ جس بات کے بارے میں تم معلوم کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنا علمی مقام بتا دیا اور توحید کی دعوت ان کے سامنے پیش کر دی تو اب ان کے خوابوں کی تعبیر بتانا شروع کی اور چونکہ ان کے سوال کے بعد یوسف (علیہ السلام) کی دعوتی گفتگو طویل ہوگئی تھی، اس لیے انھوں نے دوبارہ ان دونوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے جیل کے میرے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک جیل سے نکل کر پہلے کی طرح بادشاہ کا ساقی بن جائے گا، جبکہ دوسرا سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اس کے سر کا گوشت کھائیں گے۔ جو سوال تم دونوں نے کیا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

قُضِیَ الۡاَمۡرُ الَّذِیۡ فِیۡهِ تَسۡتَفۡتِیٰنِ: سیدنا ابو رزین ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے، تو (گویا) وہ پرندے کے پاؤں پر ہے (اس کا واقع ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہیں، جیسے پرندے کے پیر میں پکڑی ہوئی چیز کا گرنا اور نہ گرنا دونوں ممکن ہیں) مگر جب تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔“ [1]

۱۔ [أبوداؤد، کتاب الأدب، باب فی الرؤیا: ۵۰۲۰]

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے بیان کرے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے، کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔“ (۱)

اس آیت کی ایک تعبیر اس طرح ہے۔

ابن السائب نے بیان کیا جب ساقی نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے اپنا خواب بیان کیا اور کہا میں نے خواب دیکھا کہ میں انگور کے تین خوشوں سے شراب نچوڑ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے، تین کوشوں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلوائے گا اور تم کو دوبارہ تمہارے منصب پر بحال کردے گا اور نانبائی سے فرمایا: تم نے برا خواب دیکھا ہے تم نے خواب دیکھا ہے کہ تم روٹی کی تین زنجیریں اٹھائے ہوئے ہو تین زنجیروں سے مراد تین دن ہیں، تین دن گزرنے کے بعد بادشاہ تم کو بلائے گا اور تم کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دے گا اور تمہارے سر سے گوشت نوچ کر پرندے کھائیں گے۔ ان دونوں نے کہا: ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا ہے اس کا اسی طرح فیصلہ ہو چکا ہے۔ یعنی اس معاملہ سے فراغت ہو چکی ہے خواہ تم نے سچ بولا یا جھوٹ بولا ہو عنقریب اسی طرح واقع ہوگا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے تاویل کے واقع ہونے کو حتمی اور یقینی طور پر کیوں فرمایا جبکہ خواب کی تعبیر ظنی ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے

۱۔ [بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا من اللہ: ٦٩٨٥۔ مسلم، کتاب الرؤیا، باب فی کون الرؤیا من اللہ۔ الخ: ٤/٢٢٦١]

وحی آچکی تھی اور انہوں نے وحی کے ذریعہ جان کر یہ تعبیر بتائی تھی۔ (۱)

﴿ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ٘ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ۠ ﴿۴۲﴾ ﴾

اور یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے جس کے بارے میں آپ نے گمان کیا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پائے گا اور یوسف نے کہا اس شخص سے جس کے بارے میں آپ نے گمان کیا کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا پس شیطان نے ان کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ (یوسف) قید خانے میں (مزید) کئی سال تک ٹھہرے رہے۔

شیطان کے بھلانے کے متعلق دو تفسیریں

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ساقی سے کہا جس کے متعلق حضرت یوسف (علیہ السلام) کو یقین تھا کہ وہ قید خانہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچنے والا ہے کہ تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ تم بادشاہ کو یہ بتانا کہ میں اپنے بھائیوں کی طرف سے پہلے ہی مظلوم تھا انہوں نے مجھے گھر

۱۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ٥٩٧، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤٠٧ھ)

سے نکال کر فروخت کر دیا پھر مجھ پر اس واقعہ کی وجہ سے ظلم ہوا اور مجھ پر تہمت لگا کر مجھے قید کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: پس شیطان نے ان کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔

امام ابن اسحاقؒ نے کہا: بادشاہ کے سامنے ذکر کرنا شیطان نے ساقی کو بھلا دیا۔ (۱)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتے۔ اس صورت میں آیت یوں ہونا چاہیے تھی: فانسہ الشیاطن ذکرہ لربہ پس ساقی کو شیطان نے اس کے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا" جبکہ آیت کے الفاظ اس طرح ہیں فانسہ الشیان ذکرربہ" پس یوسف کو شیطان نے اپنے ریس سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ شیطان کے لیے وسوسہ ڈالنا تو ممکن ہے لیکن نسیان طاری کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ نسیان کا معنی ہے دل سے علم کو زائل کر دینا اور اس پر شیطان کو قدرت نہیں ہے ورنہ وہ تمام بنو آدم کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو زائل کر دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں مختلف چیزوں کے وسوسے ڈالتا ہے اور کسی چیز کے وسوسے ڈال کر کسی اور چیز سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے شیطان نے کئی چیزوں کی طرف حضرت یوسف (علیہ السلام) کو متوجہ کیا حتیٰ کہ ان میں الجھ کر حضرت یوسف (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ سے عرض اور التجا کرنا بھول گئے اور انہوں نے ساقی سے کہا: تم بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ مجھے ظلماً قید کیا گیا ہے تاکہ میری رہائی کا سبب ہو جائے اس معنی کی تائد میں حسب ذیل روایات ہیں:

حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بھلانے کے متعلق روایت امام محمد جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱٤٧٨٢)

بات حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہی تھی اگر وہ نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔ [۱]

حسن بصریؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت یوسف (علیہ السلام) پر رحم فرمائے اگر ان کی وہ بات نہ ہوتی تو وہ اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے۔ [۲]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر یوسف وہ بات نہ کہتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ [۳]

قتادہ کہتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر یوسف بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے یعنی انہوں نے غیر اللہ سے رہائی کو طلب کیا تھا۔ [۴]

قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر یوسف بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب نہ کرتے تو اتنی مدت تک قید میں نہ رہتے لیکن ان پر اس لیے عتاب کیا گیا کہ انہوں بادشاہ کے پاس شفاعت کو طلب کیا تھا۔ [۵]

شیطان کے بھلائے کے متعلق اختلاف مفسرین حافظ ابن کثیر متوفی ٧٧٤ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر بھلا دیا تھا اور اس سلسلہ میں عکرمہؒ نے

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:١٤٧٧٧)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث:١٤٧٧٨، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١١٦٣٥)

۳۔(جامع البیان رقم الحدیث:١٤٧٧٩)

۴۔(جامع البیان رقم الحدیث:١٤٧٧٩)

۵۔(جامع البیان رقم الحدیث:١٤٧٨٠) مجاہد اور ابو حذیفہ سے بھی اسی طرح کی روایات ہیں۔ (جامع البیان جز:١٢ ص ٢٩٣۔٢٩١، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١١٦٣٦)

حضرت ابن عباسؓ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [١]

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ نے بھی یہ لکھا ہے کہ شیطان نے ساقی کو بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا۔ [٢]

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ٤٥٠ھ، علامہ ابومحمد بغوی شافعی متوفی ٥١٦ھ، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ اور علامہ ابوعبداللہ القرطبی المالکی المتوفی ٦٦٨ھ کا مختار یہ ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرنا بھلا دیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے نسیان کی خبر دی ہو اور ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان کی طرف نسیان کی نسبت کریں۔ قرآن مجید میں ہے: ولقد عھدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما۔ (طہ: ١١٥) اور بیشک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان (کی معصیت) کا کوئی قصد نہیں پایا۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حضرت آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ [٣]

اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں محض بشر ہوں میں اس طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ [٤]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قید کی مدت

١۔ (تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٥٣١، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٩ھ)

٢۔ (روح المعانی جز ١٢ ص ٣٧٢، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٧ھ)

٣۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣٠٧٦، اس حدیث کی سند صحیح ہے

٤۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٠١، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٧٢) (الجامع لاحکام القرآن جز ٩ ص ١٧٢، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: قتادہؒ، وہب بن منبہ اور ابن جریج ؒ نے کہا: حضرت یوسف (علیہ السلام) سات سال قید خانے میں رہے۔ (۱)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ٥٩٧ ھ لکھتے ہیں: حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قید کی مدت میں تین قول ہیں: حضرت ابن عباسؓ نے یہ کہا یہ مدت بارہ سال ہے ضحاک نے کہا یہ مدت چودہ سال ہے قتادہ نے کہا یہ مدت سات سال ہے۔ (۲)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) پر جو گرفت کی تھی اس کی وجہ سے جو قید میں اضافہ ہوا اس کی مدت سات سال یا نو سال تھی اور اس سے پہلے وہ پانچ سال قید میں رہے تھے اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے: پس وہ قید خانہ میں مزید چند سال رہے یہ اس عتاب کے نتیجہ میں قید کی مدت ہے نہ کہ کل قید کی مدت، اس لحاظ سے ان کی قید کی کل مدت بارہ سال یا نو سال ہے۔ (۳)

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ﴾

۱۔ (جامع البیان جز۱۲ ص ۲۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱٤۱٥ھ)

۲۔ (زاد المسیر ج ٤ ص ۲۲۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱٤۰۷ھ)

۳۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱٤۱٥ھ)

اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں ہری اور دوسری (سات) خشک تو اے میرے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتا ہے جب حضرت یوسف (علیہ السلام) کی رہائی اور کشادگی کے دن قریب آ گئے تو مصر کے بادشاہ نے یہ خواب دیکھا۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) حضرت یوسف کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور ان کو کشادگی کی بشارت دی اور کہا کہ اللہ عزوجل آپ کو قید خانہ سے نکالنے والا ہے اور آپ کو اس زمین کا اقتدار عطا کرنے والا ہے اس زمین کے بادشاہ آپ کے تابع ہو جائیں گے اور سردار آپ کی اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بھائیوں پر غلبہ عطا فرمائے گا اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ بادشاہ ایسا خواب دیکھے گا اور اس کی ایسی ایسی تعبیر ہوگی پھر کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بادشاہ نے وہ خواب دیکھا جس کے نتیجہ میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کو رہائی مل گئی۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے جو پہلا خواب دیکھا تھا وہ ان کے لیے سختی اور مصیبت کا سبب بن گیا تھا اور بادشاہ کا یہ خواب ان کے لیے کشادگی اور رحمت کا سبب بن گیا۔

مصر کے بادشاہ الریان بن الولید نے خواب دیکھا کہ دریا سے سات موٹی تازی گائیں نکلیں اور ان کے پیچھے سات دبلی گائیں نکلیں انہوں نے ان موٹی تازی گایوں کو کان سے پکڑا اور کھا گئیں اور اس نے

سات سرسبز خوشے دیکھے اور سات سوکھے ہوئے خوشے دیکھے ان سوکھے ہوئے خوشوں نے ان سرسبز خوشوں کو کھالیا اور ان میں سے کچھ باقی نہیں بچا اور سوکھے ہوئے خوشے اسی طرح سوکھے رہے اسی طرح دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھالیا تھا اور وہ اسی طرح دبلی کی دبلی رہیں۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ گھبرا گیا اس نے لوگوں کو اہل علم کو، کاہنوں کو، نجومیوں کو، جادوگروں کو اور سرداروں کو بلایا اور ان کے سامنے یہ خواب بیان کر کے کہا: اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو تو مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔ (۱)

﴿ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ ﴾

اور وہ شخص بول اٹھا جو دونوں قیدیوں میں رہا ہو گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا) بتا تا ہوں۔ مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے۔

اور وہ شراب پلانے والا جو قتل کی سزا سے رہا ہو گیا تھا وہ مجلس میں موجود تھا اور تقریباً سات سال کے بعد یوسف (علیہ السلام) کی بات کا خیال آیا، تب اس نے بادشاہ سے کہا کہ آپ کے خواب کی تعبیر میں لا دیتا ہوں اور وزراء و امراء سے کہنے لگا کہ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دو کیونکہ وہاں ایسے شخص ہیں جو کہ علم اور حلم میں کامل ہیں اور قیدیوں کے حال پر بہت ہی شفیق و مہربان ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ خوابوں کی تعبیر بہت ہی صحیح دیتے ہیں۔

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۹، ص۷٤، زاد المسیر ج٤، ص۲۲۹)

يُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

((چنانچہ وہ قید خانہ میں آیا اور کہا)) اے یوسف! اے بڑے سچے (یوسف!) ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کے سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے تا کہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر (تعبیر بتاؤں) عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں۔

بادشاہ کا غلام جو حضرت یوسفؑ کا قید میں ساتھی تھا بھاگم بھاگ یوسف (علیہ السلام) کی بیرک کے دروازے پر پہنچ کر آواز دیتا ہے کہ اے سچ بولنے والے یوسفؑ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلا کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں پتلی دبلی سات گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات سبز و شاداب بالیاں ہیں اور سات بالیاں سوکھی ہوئی ہیں۔ ازراہ کرم مجھے ان کی حقیقت بتلا تا کہ میں واپس جا کر لوگوں کو بتلاؤں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خواب کی تعبیر بتلاتے ہوئے فرمایا" کہ پہلے تم سات سال کھیتی باڑی کرو گے۔ ان سات سالوں میں تمہاری فصلیں خوب اناج دیں گی۔ مگر تمہیں یہ کرنا ہوگا کہ جو تمہارے کھانے سے بچ جائے اس اناج کو ڈالیوں میں ہی رہنے دو۔ اس کے بعد سات سال قحط سالی کے ہوں گے اور تم محفوظ کیا ہوا غلہ استعمال کرو گے۔ سوائے اس کے کہ جو اس میں سے بچ جائے۔ اس کے بعد اگلا

سال نہایت ہی سبز وشاداب اور خوشحالی کا ہوگا اور تم لوگ خوب پھلوں کا رس نچوڑو گے۔" معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے لوگ پھلوں کا جوس بھی پیا کرتے تھے۔ سابقہ قیدی یعنی سرکاری اہلکار کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خدمت میں آنا اور ان سے بادشاہ کے خواب کے بارے میں تعبیر پوچھنا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا بلا تامل اسے نہ صرف خواب کی تعبیر بتلانا بلکہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ ماضی کے کسی واقعہ کو ذہن میں رکھے بغیر بادشاہ کی ذہنی الجھن اور قوم کی مشکل کا حل پیش کرنا بے مثال اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ ورنہ سب سے پہلے رہا ہونے والے سرکاری اہلکار کو کہتے کہ تم کیسے آدمی ہو کہ میں نے اپنی مظلومیت کے بارے میں تجھے بادشاہ کے لیے ایک پیغام دیا تھا مگر تو نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) یہ بھی فرما سکتے تھے کہ پہلے جو مجھ پر زیادتیاں کی گئی ہیں ان کا مداوا کرو۔ پھر میں تمہیں خواب کی تعبیر اور اس کا حل بتلاؤں گا۔ لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) شکایت کا ایک حرف بھی زبان پر نہیں لائے۔ فی الفور اسے خواب کی تعبیر اور مستقبل میں قوم کو درپیش آنے والی مصیبت کا حل بتلایا۔ اس موقع پر یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ رہا ہونے والا سرکاری ملازم پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) قول کے سچے اور کردار کے پکے ہیں۔ اس لیے اس نے آپ (علیہ السلام) کو "الصدیق" کہہ کر پکارا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق کا مقام انبیاء کے بعد بیان کیا گیا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نہ صرف الصدیق تھے بلکہ اللہ کے جلیل القدر نبی اور انبیاء کی اولاد تھے۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پڑدادا حضرت ابراہیم کا لقب بھی صدیق ہے۔" اس کتاب میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیجیے بلاشبہ وہ صدیق نبی تھا۔" (مریم:۴۱)

"اور حضرت ادریس (علیہ السلام) کا تذکرہ کیجیے بلاشبہ وہ صدیق نبی تھے۔" (مریم:٥٦) "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں وہ الصدیق ہیں۔" (الحدید:١٩)

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفِرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ) [رواہ الحاکم]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک آدمی کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے آپ نے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو تنگدستی سے پہلے فارغ وقت کو مصروف ہونے سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔"

﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ ﴾

آپ (علیہ السلام) نے فرمایا تم لوگ سات سال متواتر کھیتی باڑی کرتے رہو گے تو

جو غلہ کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا جو کھانے میں آئے اسے خوشوں میں ہی رہنے دو۔(۴۷) پھر اس کے بعد سات سخت سال آئیں گے۔اس زمانہ میں وہ غلہ کھا لیا جائے گا جو تم اس وقت کے لیے جمع کرو گے، مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔(۴۸) پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور وہ اس میں (پھلوں کا) رس نچوڑیں گے۔(۴۹)

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

یوسف (علیہ السلام) نے تعبیر بتلانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی، نہ اس شخص کو شرمندہ کیا کہ تجھ کو اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔اس سے انبیاء (علیہم السلام) کے اخلاق ومروت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔آپ نے تین چیزیں عطا فرمائیں۔تعبیر، تدبیر، تبشیر، آپ کے کلام کا حاصل یہ تھا کہ سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں، جن میں متواتر خوشحالی رہے گی، کھیتوں میں خوب پیداوار ہوگی، حیوانات ونباتات خوب بڑھیں گے، اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا پچھلا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔صرف آئندہ تخم ریزی کے لیے کچھ تھوڑا سا باقی رہ جائے گا۔یہ سات سال دبلی گائیں اور سوکھی بالیں ہیں جو موٹی گائیوں اور ہری بالوں کو ختم کر دیں گی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ازراہ شفقت و ہمدردی خلائق ایک تدبیر بھی تلقین فرمادی کہ اول سات سال میں جو پیداوار ہو اسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کف آیت شعاری سے اٹھاؤ۔کھانے کے لیے جس قدر غلہ کی ضرورت ہو اسے الگ کر لو اور تھوڑا تھوڑا احتیاط سے

کھاؤ۔ باقی غلہ بالوں میں رہنے دو تا کہ اس طرح کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔ اور سات سال کی پیداوار چودہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر و تدبیر بتلانے کے بعد انھیں بشارت سنائی جو غالبا آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی یعنی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریاد رسی ہوگی اور خوب مینہ برسے گا۔ کھیتی باڑی، پھل میوے نہ آیت افراط سے پیدا ہوں گے، جانوروں کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ انگور وغیرہ نچوڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کشید کریں گے۔ یہ آخری بات سائل کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہی کام کرتا تھا۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اول سات موٹی اور دبلی گایوں اور سات سبز اور سات خشک بالیوں کی مراد بیان کی اور دبلی گایوں کے موٹی گایوں کو کھا جانے اور خشک بالیوں کے سبز بالیوں سے لپٹ کر ان کو بھی خشک کر دینے کا تعبیری مطلب بیان کیا' پھر کال کے ختم ہونے اور ارزانی کا سال آنے کی بشارت دی (بشارت کا تعلق اگرچہ خواب کی تعبیر سے نہ تھا مگر آپ نے بشارت اسلئے دی) کہ قحط کے سالوں کی تعداد پیداوار کے سالوں سے نہ بڑھ جائے (اور اس طرح تعبیر میں غلطی ہو جائے کیونکہ دبلی گایوں اور خشک بالیوں کی تعداد بھی سات ہی تھی' اگر پندرھواں سال بھی قحط کا ہوتا تو سات سے ایک عدد بڑھ جاتا) بیضاوی ؒ نے لکھا ہے: شاید آپ کو پیداوار اور ارزانی کا سال آنے کی اطلاع وحی سے ہوگئی ہو'یا اپنی فراست ایمانی سے سمجھ لیا ہو کہ اللہ کا دستور اور ضابطہ یہی ہے کہ تنگی کے بعد فراخی عطا فرماتا ہے' اسلئے کال کے بعد پیداوار کا سال ضرور آئے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش (دین

اسلام کی طرف) توجہ نہیں کر رہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طرح بد دعا کی: (اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْھِمْ بِسَبْعٍ کَسَبْعِ یُوْسُفَ) "اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد فرما، یوسف (علیہ السلام) کے قحط کی مانند قحط بھیج کر۔" چنانچہ ایسے قحط نے ان کو پکڑ لیا کہ کوئی چیز نہیں ملتی تھی، حتیٰ کہ وہ بھوک کی وجہ سے مردار، ہڈیاں اور کھالیں کھانے پر مجبور ہو گئے، حتیٰ کہ جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو (فاقہ کی وجہ سے) اسے دھواں نظر آتا۔ ان حالات میں ابوسفیان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور کہا، اے محمد! آپ اللہ کی فرماں برداری اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم (فاقوں سے) ہلاک ہوئی جا رہی ہے، آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کیجیے۔ پھر (ابن مسعودؓ نے) یہ آیات پڑھیں: (○ فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ
10 ○ یَّغْشَی النَّاسَ ھٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ 11 ○ رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ
12 ○ اَنّٰی لَھُمُ الذِّکْرٰی وَقَدْ جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ 13 ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ
مَّجْنُوْنٌ 14 ○ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَآئِدُوْنَ) [الدخان: ۱۰ تا ۱۵] "سو انتظار کر جس دن آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، بیشک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے لیے نصیحت کہاں؟ حالانکہ یقیناً ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آ چکا۔ پھر انھوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور انھوں نے کہا سکھلایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ بیشک ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں، بیشک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔" (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بارش کے لیے دعا

کی) تو بارش ہوگئی، مگر جب فارغ البالی حاصل ہوگئی تو وہ لوگ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔ [1]

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ ﴾

اور بادشاہ نے (یہ تعبیر سنتے ہی) کہا کہ اس شخص کو (فورا!) میرے پاس لے آؤ، مگر جب قاصد یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ پھر اس سے دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بیشک میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہیں آپ نے فرمایا: اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت حضرت یوسف (علیہ السلام) رہے تھے، پھر مجھے قاصد بلانے آتا تو میں اس کے بلانے پر چلا جاتا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: فلما جاءہ الرسول قال ارجع الی ربک فسئلہ ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن۔ (یوسف: ٥٠)۔ [2]

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وراودتہ التی ہو فی بیتہا عن نفسہ۔۔الخ): ٤٦٩٣۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الدخان: ٤٠، ٢٧٩٨/٣٩]

۲۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١١٦، المعجم الکبیر ج ٩، رقم الحدیث: ٣٧١)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر مجھے بلایا جاتا تو میں فوراً چلا جاتا اور اپنے بےقصور ہونے کی حجت کو تلاش نہ کرتا۔ ١

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان سے موٹی اور دبلی گایوں کے متعلق سوال کیا گیا، اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو بالکل جواب نہ دیتا اور یہ شرط رکھتا کہ پہلے وہ مجھے قید خانے سے نکالیں اور مجھے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے صبر اور ان کے کرم پر تعجب ہوتا ہے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے جب ان کے پاس قاصد آیا تو اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں دروازے سے نکلنے کی طرف جلدی کرتا لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے بےقصور ہونے کی حجت ظاہر ہو جائے۔ ٢

بادشاہ کی دعوت اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کا جواب

بادشاہ کو جب تعبیر بتائی گئی تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ نہ صرف خواب کی تعبیر بتائی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کی تجویز بھی دی گئی ہے اور مزید یہ کہ اس کے بعد آنے والے سال کی تبشیر بھی، جس کا بظاہر کوئی تعلق خواب سے معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نے شدت تأثر میں فوراً حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے کے آؤ۔ چنانچہ بادشاہ کا قاصد شاہی فرمان لے کر، یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچا۔ یہاں اگر اس کے بعد وقفہ ہوتو ہر سوچنے والا ذہن

١۔ (جامع البیان جز ١٢ ص ٣٠٧)

٢۔ (مسند احمد ج ٣، رقم الحدیث: ٨٣٣٧، طبع جدید دار الفکر، جامع البیان رقم الحدیث: ١٤٨٣٤)

یہی سمجھے گا کہ یوسف (علیہ السلام) کو جیسے ہی پیغام ملا ہوگا، اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک معصوم اور مظلوم شخص جسے ازراہ ظلم کئی سالوں تک پس دیوار زنداں رکھا گیا ہو اور جس کی کوئی داد فریاد سننے والا بھی نہ ہو اس کے لیے بادشاہ کی طرف سے یہ پیغام کہ میرے پاس پہنچو، ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جس کی خوشی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بائبل اور تلمود میں اسی فطری طرز بیان کو سامنے رکھ کر قصہ گوئی سے کام لیا ہے، لیکن وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے قاصد کو معاملہ جس شخص کے ساتھ ہے وہ عام فرد نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے۔ پیغمبر اپنی سطح سے کبھی نیچے نہیں گرتا۔ قرآن کریم نے جس طرح اسے بیان کیا ہے وہ پیغمبرانہ شان کے عین مطابق ہے۔ لیکن بائبل کا بیان ہے کہ بادشاہ کی طلبی پر حضرت یوسف (علیہ السلام) فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حجامت بنوائی، کپڑے بدلے اور دربار میں جا حاضر ہوئے۔ تلمود نے اس سے بھی زیادہ گھٹیا انداز میں اس منظر کو بیان کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسف (علیہ السلام) کو میرے حضور پیش کرو۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ لڑکا گھبرا جائے اور صحیح تعبیر نہ دے سکے۔ چنانچہ شاہی ملازموں نے یوسف (علیہ السلام) کو قید خانے سے نکالا، حجامت بنوائی، کپڑے بدلوائے اور دربار میں لا کر پیش کر دیا۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ زر و جواہر کی چمک دمک اور دربار کی شان دیکھ کر یوسف (علیہ السلام) ہکا بکا رہ گیا۔ اور اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ شاہی تخت کی سات سیڑھیاں تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا اور بادشاہ سے ہمکلام ہوتا تھا اور جب ادنیٰ طبقہ کا کوئی آدمی شاہی مخاطبہ کے لیے بلایا جاتا تو وہ نیچے کھڑا رہتا اور بادشاہ تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے بات کرتا۔ یوسف (علیہ السلام) اس

قاعدے کے مطابق نیچے کھڑا ہوا اور زمین بوس ہو کر اس نے بادشاہ کو سلامی دی اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے گفتگو کی۔

بائبل اور تلمود کے دونوں بیان آپ کے سامنے ہیں۔ اندازہ فرمائیے، حضرت یوسف (علیہ السلام) نسلاً بنی اسرائیل میں سے ہیں اور بنی اسرائیل ہی کے پیغمبر ہیں لیکن جس طرح بائبل اور تلمود نے دربار میں ان کی حاضری کی منظر کشی کی ہے اسے دیکھ کر کون اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ انداز کسی پیغمبر کا ہو سکتا ہے۔ پیغمبر تو دنیا میں یہ سکھانے کے لیے آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے سر نہیں جھک سکتا اور کسی اور سے امیدیں نہیں باندھی جا سکتیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اسی جاہ وجلال کے ساتھ جیل کاٹی، یہ کیسے ممکن تھا کہ اب انھیں عزت سے دربار میں لایا جا رہا ہے تو وہ اس طرح خود سپردگی کا اظہار کرتے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ (علیہ السلام) کی سطح کسی عام آدمی سے بلند نہیں۔

بائبل اور تلمود کے بالکل برعکس قرآن کریم نے جس طرح اس واقعہ کو بیان کیا ہے وہ پیغمبرانہ شان کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ (علیہ السلام) کے پاس جیسے ہی قاصد پہنچا، آپ (علیہ السلام) اپنی رہائی کی خبر سن کر خوشی سے بے قابو نہیں ہوئے بلکہ آپ (علیہ السلام) نے نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ صرف یہ فرمایا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور جا کر ان سے کہو کہ مجھے جس جرم میں جیل بھیجا گیا تھا پہلے اس کی تحقیق کریں۔ ان عورتوں کو بلا کر پوچھیں جنھوں نے عزیز مصر کے گھر مجھے دیکھتے ہی اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ ان سے معلوم کیجیے کہ ایسا کیوں ہوا تھا اور اس کے پیچھے کیا سازش تھی؟ اور اس پر میرا ردعمل کیا تھا۔ جب تک اس معاملے کا فیصلہ نہیں ہو جاتا میں اس وقت تک باہر نہیں آ سکتا۔ اندر میں لوگوں کی زبانوں سے محفوظ ہوں۔ باہر نکلوں گا تو جس طرح مجھے بدنام کیا گیا ہے وہ لوگ جو حقیقت سے واقف

نہیں ہیں وہ مجھے اسی بدنامی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ایک مصلح اور ایک پیغمبر کی حقیقی قوت اس کا بے عیب کردار ہوتا ہے۔ داغدار سیرت و کردار ایک ایسی کمزوری ہے جو کسی بڑے مقصد کے لیے انسان کو کھڑا نہیں ہونے دیتی۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے جن الفاظ میں اپنے معاملے کی انکوائری کرنے کا کہا وہ بھی قابل غور ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ پر جو الزام لگایا گیا تھا اس کی حقیقت کیا تھی بلکہ آپ نے یہ کہا کہ ان عورتوں سے یہ معلوم کیجیے کہ جب انھوں نے یوسف (علیہ السلام) کو بہکانے کی کوشش کی تو اس کی اصل حقیقت کیا تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ بڑے گھروں کی کچھ بیگمات نے اس طرح ایک شریف نوجوان کو پھانسنے اور بہکانے کی کوشش کی تھی کیونکہ اگر معاملہ یہ نہ ہوتا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے الفاظ مختلف ہوتے۔

اس آیت میں ایک اور بات بھی نہایت سبق آموز ہے، وہ یہ کہ اصل بنائے فساد تو زلیخا کی ذات تھی، اسی نے سب سے پہلے آپ (علیہ السلام) پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی اور آپ (علیہ السلام) نے جب اپنی پاکدامنی پر استقامت دکھائی اور اس کے گناہ کی ہر دعوت کو رد کر دیا تو وہ انتقام پر اتر آئی، لیکن آپ (علیہ السلام) نے بادشاہ کے نام پیغام میں دوسری عورتوں کا ذکر تو کیا لیکن زلیخا کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ (علیہ السلام) کی عالی ظرفی نے اسے گوارا نہ کیا کہ جس خاتون کے شوہر نے آپ (علیہ السلام) کو اپنے گھر میں عزت دی بجائے غلام بنا کے رکھنے کے گھر کا مالک بنا دیا۔ گھر اور جاگیر کا تمام انتظام آپ (علیہ السلام) کے سپرد کر دیا۔ اس کی بیوی نے اگر بے راہ روی اختیار کی تو وہ خود بھی اس سے واقف ہے۔ مجھے بہرحال ایسی کوئی بات نہیں کہنی چاہیے جس

سے اس کی عزت پر حرف آجائے کیونکہ اس کی بیوی بہر حال اس کی عزت ہے۔

﴿ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٥١﴾ ﴾

بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر پوچھا: تمہارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس (کی حفاظت) سے پھسلایا؟ انہوں نے کہا حاشاللہ! (اللہ کے لیے پاکی ہے) ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب حق کھل گیا۔ میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بلاشبہ وہ سچا ہے۔

بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس نے ان عورتوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ صاف صاف اور صحیح بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ جب کہ تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے تا کہ تم اس کو اپنی طرف مائل کرلو؟ وہ یک زبان ہوکر بولیں" حاشاء اللہ ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔" مجمع میں عزیز مصر کی بیوی بھی موجود تھی اور اب وہ عشق ومحبت کی بھٹی میں خام بھی نہ تھی بلکہ کندن ہو چکی تھی اور ذلت و خوف کی رسوائی کے خوف سے آگے نکل چکی تھی" اس نے جب یہ دیکھا کہ یوسف کی خواہش ہے کہ اصل

حقیقت حال سامنے آجائے تو وہ بھی بے اختیار بول اٹھی ۔" جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی، ہاں! وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے اور اپنا دل ہار بیٹھی بلاشبہ وہ یعنی یوسف بالکل سچا ہے۔" سب سے زیادہ بڑھ کر امراۃ العزیز نے جو یوسف کو ملزم گرادانے میں پیش پیش تھی اور جس کی انگیخت سے انہیں قید کیا گیا تھا اس واشگاف انداز میں آپ کی برات اور پاکدامنی کا اعتراف کیا کہ شک وشبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

بیگماتِ مصر کے واقعہ کی تحقیق

بادشاہ نے بیگمات مصر کو بلا کر صورتحال دریافت کی۔ قرآن کریم کے الفاظ میں دونوں باتوں کا احتمال ہے کہ بادشاہ نے ان بیگمات کو اپنے حضور میں طلب کیا ہو اور براہ راست ان سے استفسار کیا ہو یا اپنے قاصد کے ذریعے اس معاملے کی تحقیق کروائی ہو۔ صورتحال کچھ بھی ہو مقصد صرف یہ ہے کہ اس واقعہ کی تحقیق بادشاہ نے اپنی نگرانی میں کروائی۔ جواب میں بیگمات مصر نے اعتراف کیا کہ ہم نے یوسف (علیہ السلام) میں ایسی کسی کمزوری کا شائبہ بھی نہیں پایا۔ ان میں زلیخا بھی موجود تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ان کے اندر کا ضمیر زندہ تھا، اس لیے وہ ضمیر کی ملامت سے مجبور ہو کر بول اٹھیں کہ اب جبکہ ہر بات کھل گئی ہے اور حق پوری طرح واضح ہوگیا ہے تو میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے یوسف (علیہ السلام) کو بہکانے کی کوشش کی۔ یہ بیگمات مصر تک معاملہ بھی میری وجہ سے پہنچا۔ انھیں بھی میں نے گھر میں دعوت دی تھی۔ اس لیے جو کچھ ذمہ داری ہے وہ مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ جہاں تک یوسف (علیہ السلام) کا تعلق ہے وہ یقیناً راست باز لوگوں میں سے ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ جب اس معاملے کی خبر باہر لوگوں تک پہنچی ہوگی تو ان پر اس کے کیا اثرات ہوئے

ہو نگے۔مصر کا طبقہ خواص اوران کی بیگمات تو یوسف (علیہ السلام) سے پہلے ہی شنا سا تھے۔یوسف (علیہ السلام) کی عظمت ان سے پہلے ہی اپنا آپ منوا چکی تھی۔البتہ انھوں نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لیے آپ (علیہ السلام) کو زنداں کی نذر کردیا۔زلیخا کا جواب بتاتا ہے کہ جس طرح وہ ضمیر کی ملامت کا شکار تھی ممکن ہے طبقہ امراء کے باقی لوگ بھی ایسے ہی احساسات رکھتے ہوں۔لیکن لوگوں میں جب یہ خبریں پہنچیں کہ ایک نوجوان ہے جسے دس سال کی قید کے بعد رہائی مل رہی ہے لیکن اسے اپنی رہائی سے زیادہ اپنے اوپر لگے ہوئے الزامات سے برأت کی فکر ہے۔ایسا حوصلہ منداور بلند کردار آدمی مصر کی مٹی نے کیسے پیدا کردیا۔یہاں تو ایسی جنس نہیں پائی جاتی۔یقیناً انھیں حضرت یوسف (علیہ السلام) سے عقیدت پیدا ہوگئی ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی یقیناً صحیح ہے کہ بادشاہ اس سے پہلے تعبیر اور یوسف (علیہ السلام) کی خوبیاں سن کران کا معترف ہو چکا تھا اور اب جب اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی بے نیازی اور بلند ہمتی دیکھی اور عورتوں سے ان کی راست بازی کا اعتراف سنا تو پہلے اگر وہ معترف تھا تو اب گرویدہ ہوگیا۔اوراس کی گرویدگی کا اندازہ آگے آنے والی اس کی گفتگو سے ہوتا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَآئِنِيۡنَ ۝٥٢ ﴾

(یوسف (علیہ السلام) نے کہا) یہ میں نے اس لیے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی۔اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا

فریب چلنے نہیں دیتا۔

ایک یہ کہ یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا قول ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عزیز مصر کی بیوی قول ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ، مجاہد، قتادہ ؒ اور ابو صالح ؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا قول ہے۔ [۱]

یہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی گفتگو کا حصہ ہے یعنی حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: یہ قاصد کو واپس لوٹانے والا جو کام میں نے کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔ یہ حسن، قتادہ اور دیگر لوگوں کا قول ہے۔ بالغیب کا معنی وھو غائب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہ گفتگو بادشاہ کی موجودگی میں کی اور فرمایا: لیعلم (غیب کا صیغہ استعمال کیا) اس سے مقصود بادشاہ کی توقیر واحترام تھا۔

یہ یوسف (علیہ السلام) کا قول ہے، یعنی جیل سے نکلنے سے پہلے انھوں نے عورتوں سے اور عزیز کی بیوی سے اس لیے ان کی غلطیوں کا اعتراف کروانا چاہا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ انھوں نے پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ خیانت نہیں کی۔ آخر میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا مکر وفریب اس کے کام نہ آیا اور اپنے شوہر کے ساتھ اس کی خیانت اس کی ذلت ورسوائی کا سامان بن گئی اور خود عزیز مصر کی طرف اشارہ ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کی برأت اس کے سامنے ظاہر ہو جانے کے باوجود اپنی کی بیوی کے اشارے پر اس صدق وصفا اور امانت ودیانت کے پیکر کو جیل میں ڈال دیا۔

سیدہ صفیہ بنت حیی ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اعتکاف کی حالت میں تھے، میں ایک رات آپ سے ملاقات کے لیے آئی، میں نے کچھ دیر گفتگو کی اور پھر گھر جانے کے لیے کھڑی

۱۔ (جامع البیان جز ۱۲، ص ۳۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۵۷، النکت والعیون ج ۳، ص ٤٨، زاد المسیر ج ٤، ص ۲۳۸)

ہوئی، (یہ رات کا وقت تھا) تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کھڑے ہو گئے، تا کہ مجھے گھر تک پہنچا آئیں۔ میرا گھر (مدینہ کے ایک طرف) دار اسامہ بن زید میں تھا۔ راستے میں دو انصاری ملے، جب انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کر دی (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حیا کی وجہ سے چھپ گئے، کیونکہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے) آپ نے ان دونوں سے فرمایا: "ذرا رک جاؤ! دیکھو! یہ صفیہ بنت حیی ہے (یعنی تیز نہ چلو اور جان لو کہ اس وقت میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہے)۔" انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ! (کیا آپ کے بارے میں ہم کوئی برا سوچیں گے) آپ نے فرمایا: "شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون، لہٰذا مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی بات نہ ڈال دے۔"[1]

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳ ﴾

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتلاتا، کیونکہ نفس امارہ انسان کو برائی ہی سکھاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بیشک میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔

۱۔[مسلم، کتاب السلام، باب بیان أنہ یستحب لمن رؤی خالیا بامرأۃ۔۔الخ: ۲۱۷۵۔ بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ: ۲۰۳۸]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کی عاجزی کی انتہا

امانت و دیانت اور بے انتہا پاکدامنی کے باوجود حضرت یوسف (علیہ السلام) یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مجھ سے غلطی نہیں ہوسکتی۔ فرماتے ہیں کہ غلطی تو ہر انسان سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ نفس امارہ انسان کو ہمیشہ برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ برائی سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ کیونکہ میرا رب غلطیاں معاف کرنے والا اور نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ اگلی آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جب حضرت یوسف (علیہ السلام) بادشاہ کے پاس پہنچے تو درباری رواج کے مطابق بادشاہ نے ان کا والہانہ استقبال کیا ہو۔

حکمرانوں اور اعلیٰ سرکاری افسران کو ملنے والے احباب جانتے ہیں کہ جونہی بڑے لوگوں کی کسی شخص پر خاص توجہ ہوتی ہے تو درباری اور چھوٹے درجے کے لوگ کس طرح اس کے سامنے بچھے جاتے ہیں۔ وہ شخص تو مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس نے جس عقیدت اور تپاک سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے ہاں بلایا، یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ کر بادشاہ کے حواریوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ پھر جس حسن کردار کی گواہی کے ساتھ یوسف (علیہ السلام) نے جیل سے رہائی پائی اور یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر بے مثال حسن و جمال عطا فرمایا تھا بڑے سے بڑا شاعر اور کہنہ مشق ادیب بھی اس کی منظر کشی نہیں کرسکتا۔ ظاہر ہے اس صورتحال میں ہر شخص حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حسن و جمال اور ان کے کردار کو زبردست خراج تحسین پیش کر رہا ہوگا۔ ہر آنکھ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے چہرہ انور پر جمی ہوگی مگر حضرت یوسف (علیہ السلام) اس پر پھولنے اور اترانے کے بجائے دل ہی دل میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے، آنکھیں جھکائے بڑے وقار کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ ہر شخص سوچتا

ہو گا کہ نا معلوم یہ شخص کس طمطراق کے ساتھ گفتگو کرے گا ابھی لوگ سوچ ہی رہے ہوں گے کہ سیدنا یوسف (علیہ السلام) بڑی عاجزی کے ساتھ فرماتے ہیں۔ میں اپنی پاک بازی پر فخر نہیں کرتا۔

(وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيٓ إِنَّ ٱلنَّفْسَ لَأَمَّارَةٌۢ بِٱلسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيٓ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ) [یوسف:۵۳]

"اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بیشک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

نفس انسانی کی اقسام

یہاں اس آیت میں نفس امارہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ نفسہ مطمئنہ اور نفس لوامہ کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اس بنا پر محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس اللہ کی عبادت اور فرماں برداری کی طرف مائل ہو اور اس میں اس کو خوشی حاصل ہوتی ہو اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کرتا ہو تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں جس کا ذکر سورہ فجر (۳۰ ویں پارہ) میں ہوا ہے اور اگر نفس دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغب و مائل ہے اور شریعت کی پیروی سے بھاگتا ہے تو اس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے جس کا ذکر یہاں آیت میں ہوا اور ان دونوں حالتوں کے مابین ایک حال ہے جب کہ خیر و شر اور طاعت و گناہ نیکی و بدی میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ برے فعل پر اپنے کو ملامت کرتا ہے اور گناہ سے روکتا ہے تو اس کو نفسہ لوامہ کہتے ہیں جس کا ذکر سورہ قیامہ (۲۹ ویں پارہ) میں آیا ہے۔

(عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) إِذَا

قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا ثَلَاثًا أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ)[رواہ ابوداؤد: باب مَنْ رَأَى الِاسْتِفْتَاحَ بِسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ]

”حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب رات کو قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے پھر یہ دعا پڑھتے اے اللہ! تو پاک ہے۔ میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں بابرکت ہے نام تیرا اور بلند ہے تیری شان تیری علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پھر تین بار کہتے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں پھر تین بار اللہ اکبر کہتے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ میں شیطان مردود کے وسوسہ، پھونک اوراس کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ طلب کرتا ہوں۔“

”حضرت ابوبکر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مضطرب کی دعا بیان کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر اور میرے تمام معاملات درست فرما تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔“ [1]

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی، مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جسے میں صبح وشام پڑھا کروں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ” یہ دعا پڑھا کرو: (اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ. فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَ مَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ. اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَ مِنْ شَرِّ

1۔ [رواہ أبوداود: باب مایقول اذا أصبح]

الشَّيْطَانِ وَ شِرْكِهٖ) ” اے اللہ! اے غیب اور حاضر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے پروردگار اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے۔“ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین جویریہؓ کا نام پہلے برہ (بمعنی نیکی واحسان) تھا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برا جانتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ وہ برہ کے پاس سے (یعنی نیکی کو چھوڑ کر) چلے گئے۔ [2]

محمد بن عمرو بن عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا، تو سیدہ زینب بنت ابی سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس نام سے منع کیا ہے، میرا نام بھی برہ تھا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ” اپنی تعریف مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں بہتر کون ہے۔“ لوگوں نے عرض کی کہ پھر ہم اس کا نام کیا رکھیں؟ آپ نے فرمایا: ” زینب رکھو۔“ [3]

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ: زبان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، یہ منہ سے نکلنے والے الفاظ ہی ہیں کہ جن کو کبھی انسان بہت کم اہمیت دیتا ہے، مگر وہ اس کے جنتی یا جہنمی ہونے میں حرف مفصل ثابت ہوتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ” بیشک انسان اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، مگر اسے اس کی اہمیت کا احساس بھی نہیں ہوتا، تاہم اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے اور اسی طرح انسان اللہ کی ناراضی پر مبنی کوئی

۱۔[ترمذی، کتاب الدعوات، باب منہ [دعاء: اللھم عالم الغیب۔۔الخ]: ۳۳۹۲۔ أبوداوٗد، کتاب الأدب، باب مایقول إذا أصبح: ۵۰۶۷]

۲۔[مسلم، کتاب الآداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح إلی حسن۔۔الخ: ۲۱۴۰]

۳۔[مسلم، کتاب الآداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح إلی حسن۔۔الخ: ۲۱۴۲/۱۹]

کلمہ کہتا ہے اور اسے اس کی پروا تک نہیں ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کلمے کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔“ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”یقیناً تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک جن (یعنی شیطان) اور ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔“ لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی (شیطان ہے)؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے، چنانچہ وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔“ (۲)

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ ﴾

بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں۔ پھر جب بات چیت ہوئی تو کہا آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانتدار انسان ہے۔

بادشاہ کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے پاس بلانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ نے لکھا ہے: بادشاہ سے مراد ہے مصر کا بادشاہ۔ امام ابن اسحاق نے کہا: وہ

۱۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ٦٤٧٨]

۲۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان۔۔۔ الخ: ٢٨١٤]

الولید بن الریان ہے۔ [1]

امام رازیؒ نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ اس بادشاہ سے مراد کون ہے، بعض نے کہا اس سے مراد عزیز مصر ہے۔ یعنی بادشاہ کا وزیر اور بعض نے کہا اس سے مراد بادشاہ ہے یعنی الولید بن الریان۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا میں اس کو اپنے لیے مخصوص رکھوں گا اور اس سے پہلے حضرت یوسف (علیہ السلام) عزیز مصر کے لیے مخصوص تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں الملک سے مراد بادشاہ ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) جب قید میں تھے تو ان کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا: دعا کیجیے: اے اللہ! میرے لیے کشادگی اور قید سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے اور مجھے وہاں سے رزق عطا فرما جہاں سے مجھے گمان بھی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے لیے قید سے رہائی کا سبب پیدا فرما دیا، قرآن مجید میں ہے: ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ (الطلاق: ۳۔۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے۔ جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

یوسف (علیہ السلام) سے بادشاہ کے متاثر ہونے کی وجوہات

بادشاہ جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کا بہت زیادہ معتقد ہو گیا تھا اور ان کو اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) بادشاہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے علم سے بہت متاثر ہوا تھا کیونکہ جب بادشاہ کے خواب کی

۱۔ (جامع البیان جز ۱۳، ص ۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

تعبیر سے اس کے تمام ارکان دولت عاجز ہو گئے تھے اس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) نے برجستہ اس خواب کی تعبیر بتائی اور اس کو جو پریشانی لاحق ہونے والی تھی اور اس قوم پر جو مصیبت آنے والی تھی اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔

(۲)۔ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے صبر اور ضبط سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ جب اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی رہائی کا حکم بھیجا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس وقت تک قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا جب تک کہ تمام الزاموں اور تہمتوں سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی برأت ظاہر نہ ہو جائے۔

(۳)۔ وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ادب اور احترام اور ان کی پردہ پوشی کی صفت سے بھی بہت متاثر ہوا کیونکہ انہوں نے صرف یہ فرمایا کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ (یوسف: ۵۰) حالانکہ آپ کی غرض عزیز مصر کی بیوی کا حال معلوم کرنا تھا جس نے آپ پر تہمت لگائی تھی لیکن آپ نے اس کا پردہ رکھا اور باقی عورتوں کا ذکر کیا جب کہ باقی عورتوں سے بھی آپ کا واسطہ عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے ہی پڑا تھا اور آپ اسی کی تہمت اور الزام کی وجہ سے اس قید میں گرفتار ہوئے تھے اور یہ آپ کا نہایت درجہ کا ظرف اور حوصلہ تھا۔

(۴)۔ وہ آپ کی پاکیزگی اور پارسائی اور آپ کے ٹھوس اور پختہ کردار کی وجہ سے بھی متاثر ہوا کیونکہ جو آپ پر تہمت لگانے والے تھے ان سب نے آپ کی ان تہمتوں سے برأت کا اعتراف اور اقرار کر لیا۔

(۵)۔ آپ کے ساتھ قید میں جو ساقی رہا تھا اس نے آپ کی بہت تعریف کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بہت نیک سلوک کرتے ہیں بیماروں کی عیادت

کرتے ہیں اور ہر کسی کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایسی وجوہ ہیں کہ ان میں سے ایک وجہ بھی کسی شخص میں پائی جائے تو اس شخص سے لوگ متاثر ہوں گے تو جس شخص میں یہ تمام وجوہات پائی جائیں تو لوگ اس سے کس قدر زیادہ متاثر ہوں گے اور کتنے زیادہ اس کے عقیدت مند ہونگے۔ جب بادشاہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی ان صفات اور ان کے ان شمائل اور خصائل پر مطلع ہوا تو وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہوا اور وہ اس پر راغب ہوا کہ ان کو اپنے لیے مخصوص کرلے۔

یوسف (علیہ السلام) کا رہا ہو کر بادشاہ کے دربار میں جانا

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس جب بادشاہ کا قاصد ان کو بلانے کے لیے پہنچا تو اس نے کہا: آپ نہا دھو کر، قید کے کپڑے اتار کر عمدہ لباس پہنیں اور میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلیں، حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قید خانہ سے نکلنے سے پہلے قید خانہ کے دروازہ پر لکھ دیا: ”یہ آزمائش اور امتحان کی جگہ، یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے یہ دشمنوں کے ہنسنے کا موقع ہے اور سچوں کی تجربہ گاہ ہے۔“ جب حضرت یوسف (علیہ السلام) بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو یہ دعا کی: اے اللہ! میں اس کی خیر سے تیری خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے تیری قدرت اور تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں اور جب اس کے پاس داخل ہوئے تو عبرانی زبان میں اس کے حق میں دعائیہ کلمات کہے۔ بادشاہ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اس لیے اپنے ساتھ مخصوص کرنا چاہا تھا کہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی عمدہ اور نفیس چیز کا پتا چلتا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ وہ بلا شرکت غیرے اس چیز کے مالک ہو جائیں۔ جب بادشاہ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے گفتگو کی تو کہا: میں اپنی اہلیہ اور طعام کے سوا تم کو اپنی

ہر چیز میں شریک کرنا چاہتا ہوں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تمہارا یہ خیال تھا کہ میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا حالانکہ میں یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہم السلام) ہوں۔ جس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) بادشاہ کے دربار میں پہنچے تھے اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی اور اس وقت آپ جوان رعنا تھے بادشاہ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دیکھ کر ساقی سے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے میرے خواب کی تعبیر بتائی تھی حالانکہ بڑے بڑے جادوگر اور کاہن اس کی تعبیر بتانے سے عاجز رہے تھے، پھر بادشاہ نے یہ فرمائش کی کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس کے سامنے بالمشافہ خواب کی تعبیر بیان کریں پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے تفصیل کے ساتھ پہلے اس کا دیکھا ہوا خواب بیان کیا پھر اس کی تعبیر بیان فرمائی۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا بادشاہ کے سامنے خواب اور اس کی تعبیر بیان کرنا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: اے بادشاہ تم نے خواب میں دیکھا کہ سات بہت حسین وجمیل اور موٹی تازی گائیں ہیں جو بہت خوش نما اور بھلی معلوم ہوتی ہیں ان کے بچے ان کا دودھ پی رہے تھے وہ دریائے نیل سے نکل کر کنارے پر آئیں جس وقت آپ یہ حسین منظر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، اچانک دریا کا پانی زمین میں دھنس گیا اور اس کی کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی گائیں نمودار ہوئیں ان کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے ان کے پیٹ سکڑے ہوئے تھے ان کے ساتھ ان کے دودھ پینے والے بچے نہ تھے۔ ان کے لمبے لمبے دانت اور داڑھیں تھیں۔ کتے کی طرح ان کے پنجے تھے اور درندوں کی طرح ان کی سونڈ تھی وہ ان فربہ گایوں پر حملہ آور ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے درندوں کی طرح ان کو چیر پھاڑ ڈالا اور ان کا گوشت کھا گئیں اور ان کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور ان کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ

کر دیا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر اس پر تعجب کر رہے تھے کہ یہ دبلی پتلی گائیں کس طرح ان فربہ گایوں پر غالب آگئیں اور ان گایوں کو کھانے کے باوجود ان دبلی گایوں کی جسامت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا پھر اچانک آپ نے سات تر و تازہ اور سر سبز خوشے دیکھے جو دانوں اور پانی سے بھرے ہوئے تھے اور اسی کھیت میں دوسری جانب سات خشک خوشے تھے وہ نہ سر سبز تھے نہ ان میں دانہ اور پانی تھا ان کی جڑیں کیچڑ اور پانی میں تھیں۔ جس وقت آپ دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا منظر ہے ایک طرف یہ سر سبز اور پھل دار خوشے ہیں اور دوسری طرف یہ سیاہ اور خشک خوشے ہیں اور دونوں ایک ہی کھیت میں ہیں اور ان کی جڑیں پانی میں ہیں جب تیز ہوا چلتی تو سیاہ اور خشک پودوں کے پتے اڑ کر سر سبز پودوں پر جا کر گر جاتے تو پھر ان میں آگ لگ جاتی اور وہ جل کر سیاہ ہو جاتے پھر اے بادشاہ! آپ خوفزدگی کے عالم میں بیدار ہو گئے۔ پھر بادشاہ نے کہا: اللہ کی قسم یہ بہت عجیب و غریب خواب تھا اور جس طرح آپ نے اس کی منظر کشی کی ہے وہ بہت ہی دل فریب ہے تو اے صدیق آپ کے نزدیک اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ خوش حالی کے ان سر سبز سالوں میں آپ غلے کو جمع کر لیں اور ان سالوں میں زیادہ سے زیادہ گندم کاشت کریں کیونکہ ان سالوں میں اگر آپ نے پتھر اور بجری میں بھی گندم بوئی تو اس سے بھی گندم اگ آئے گی اور اللہ تعالیٰ میں بہت روئیدگی اور برکت فرمائے گا پھر آپ گندم کو ان کے خوشوں میں رہنے دیں اور ان کو گوداموں میں ذخیرہ کرائیں پس اس گندم کا بھوسا جانوروں کے چارے میں استعمال ہوگا اور گندم لوگوں کی خوراک بنے گی پھر جس گندم کا آپ ذخیرہ کریں گے وہ مصر اور اس کے مضافات کے لیے کافی ہوگی اور دور دراز سے سفر کر کے لوگ آپ کے پاس گندم لینے کے لیے آئیں گے اور اس کو فروکت کرنے سے آپ کے پاس

مال وزر کا اتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے گا جو آپ سے پہلے کسی کے پاس نہیں تھا پھر بادشاہ نے کہا کہ میرے اس کام کی نگرانی اور اس کا انتظام کون کرے گا؟ اگر میں شہر کے تمام لوگوں کو بھی اکٹھا کرلوں تو وہ اس کام کو خوش اسلوبی سے نہیں کر سکیں گے اور ان سے ایمانداری اور دیانت داری کی بھی توقع نہیں ہے۔ تب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا: آپ مجھے اپنے ملک کے خزانوں کا امیر مقرر کریں۔

بادشاہ کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو صاحب اقتدار اور امانت دار قرار دینا جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر اور قحط کے مشکل حالات کو حل بتایا تو بادشاہ نے کہا (اے یوسف!) آپ آج سے ہمارے نزدیک مقتدر اور امانت دار ہیں اور یہ ایک جامع کلمہ ہے جو تمام فضائل اور مناقب کو شامل ہے کیونکہ مکین وہ شخص ہو سکتا ہے جس کے پاس قدرت اور علم ہو کیونکہ قدرت سے وہ حسب منشاء تصرف کر سکے گا اور علم کے ذریعہ ہی اس کو معلوم ہوگا کہ کونسا کام کرنا چاہیے اور کونسا کام نہیں کرنا چاہیے اور جو شخص امانت دار ہوگا وہ اسی کام کو کرے گا جس کا کرنا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوگا نہ کہ وہ کام جو صرف اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہو خواہ اس میں کوئی حکمت اور مصلحت ہو یا نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا آپ ہمارے نزدیک ایسے شخص ہیں جو ہماری ملک میں اپنے علم اور قدرت سے حکمت اور مصلحت کے مطابق تصرف کریں۔ ١

﴿ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ ﴾

١۔ (تفسیر کبیر ج ٦، ص ٤٧٢۔٤٧٠، الجامع لاحکام القرآن جز ٩، ص ١٨٥۔١٨٤، روح المعانی جز ١٣، ص ٩۔٨)

(یوسف علیہ السلام نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجیے، بیشک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔

اتنے بڑے عہدہ کے لیے دو ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک دیانت وامانت اور دوسرے اس کام سے مکمل واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں اس لیے میں اس عہدہ کو طلب کر رہا ہوں اور وہ سارا پروگرام جو خواب میں دکھایا گیا اس وزارت کے متعلق ہے یہ وہی عہدہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال ریونیو منسٹر اور وزیر خزانہ فنانس منسٹر کا جامع ہوسکتا ہے اور قحط سالی کے شروع ہونے تک اور قحط سالی شروع ہوجانے کے بعد بھی جتنے شعبے اس معاملے میں معاون ومد ہوسکتے ہیں وہ سب کے سب اسی عہدہ کے تحت آتے ہیں۔ اس لیے یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ وقت یعنی فرعون مصر کو اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اس آیت کے تحت ہمارے ہاں جو بحث چل نکلی وہ یہ ہے کہ آیا مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق وفاجر حکمران یا ایک غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرے؟ پھر اس بحث میں اتنا کچھ بیان کیا گیا کہ اس کو اگر جمع کیا جائے تو وہ سینکڑوں صفحات میں بھی نہیں سما سکتا۔ ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یوسف (علیہ السلام) سے ہم روشنی حاصل کریں گے یا اپنی دی ہوئی روشنی میں اس کو دیکھنا پسند کریں گے؟ کیا کوئی نبی ایسا کام کرسکتا ہے جس کے متعلق آنے والوں کو یہ سوال اٹھانا پڑے کہ آیا ہم بھی ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ کیا کوئی ایسی مثال موجود ہے کہ کسی نبی نے جب کہ وہ نبوت سے مخصوص امر نہ ہو کوئی ایسا کام کیا جس کی بعد میں آنے والوں کو ممانعت کردی گئی ہو؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس فتویٰ کا فائدہ؟ سوال یہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا دنیا طلبی کے لیے کسی حکومت سے کوئی عہدہ طلب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کی صلاحیت بھی نہ ہو

؟ تو یقیناً اس کا جواب آج بھی یہی ہے کہ ہرگز نہیں۔ لیکن اس وقت جو کچھ اس ملک عزیز میں ہو رہا ہے وہ سب اس حکم کے خلاف ہے۔ ایسے عہدوں پر وہ لوگ مقرر ہو جاتے ہیں جن کی ذرا بھر بھی ان کے اندر صلاحیت نہیں ہوتی اور ملک کی باگ ڈور اور انتظام ان ہاتھوں میں اس ڈرامائی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے کہ جیسے کوئی جادو کا کھیل تھا جو کھیلا گیا اور جادو کا مطلب آپ سمجھتے ہی ہیں کہ وہ سراسر دھوکا اور فریب ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ایمان اگر کوئی شے ہے تو ذرا غور کریں کہ آج کل جتنے وزیر و مشیر بنائے جاتے ہیں ان میں کتنے ہی جن میں اس عہدہ کی صلاحیت ہوتی ہے اور کتنے ہیں جو محض اس مجبوری کے تحت بنائے گئے ہیں کہ ان کو وزیر بنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور یہ مجبوری وزارت عظمیٰ سے لے کر سارے شعبوں کے وزراء تک بدستور ایک جیسی ہے۔

چنانچہ یوسف (علیہ السلام) کی صلاحیتوں کے باعث بادشاہ وقت نے خود اپنے کاموں کے لیے خالص کرنے کی پیشکش کی جو ایک خاص حدود کے اندر یعنی ایک مکمل شعبۂ زندگی کے انتظام کے لیے طلب کی اور اس نے یوسف (علیہ السلام) کو مملکت کا امن و کفیل بنا دیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر کے مختار عام کر دیا۔

چنانچہ تورات میں ہے کہ: ” یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہوا ایسا جیسا یہ مرد کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہیں؟ اور فرعون نے یوسف سے کہا از بس کہ خدا نے تجھے اس سب میں بینائی دی ہو سو کوئی تجھ سے عاقل و دانشور نہیں ہے تو میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر، فقط تخت نشین میں میں تجھ سے بزرگ و برتر ہوں گا، پھر فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی

اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی اور اس کو کتان کا لباس پہنایا اور سونے کا طوق اس کے گلے میں ڈالا اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یوسف کو کہا میں فرعون ہوں اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا۔"[1]

﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ ﴾

اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ (۵۶) اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔ (۵۷) اور یوسف (علیہ السلام) کے بھائی آئے، پس وہ اس کے پاس داخل ہوئے، تو یوسف علیہ السلام

۱۔ (پیدائش ۱۴:۷۳ تا ۴۴)

نے انہیں پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچانے۔(۵۸)

ایام قحط میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حسن انتظام

جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ سے یہ طلب کیا کہ وہ ان کو اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دے تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا یہ قول نقل نہیں کیا کہ میں نے ایسا کر دیا بلکہ اللہ سبحانہ نے یہ فرمایا: اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار عطا کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ باشداہ نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔امام رازی نے یہاں پر یہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ بادشاہ اسی وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) کا مطالبہ پورا کر سکتا تھا جب اللہ تعالیٰ بادشاہ کے دل میں اس بات کا داعیہ اور باعثہ اور محرک پیدا کرتا نیز بادشاہ اس کام کا ظاہری سبب تھا اور اللہ تعالیٰ موثر حقیقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ظاہری سبب ذکر کرنے کے بجائے موثر حقیقی کا ذکر فرمایا۔علامہ عبدالرحمن بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے مصر والوں کے مال، ان کے زیورات، ان کے مویشی، ان کے زمینوں اور ان کے غلاموں کے عوض ان کے ہاتھ غلہ فروخت کیا پھر ان کی اولاد اور پھر ان کی جانوں کے عوض ان کے ہاتھ ان کو غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ تمام مصر والے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے غلام بن گئے پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ سے کہا تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیسا کرم کیا۔ بادشاہ نے کہا: ہم بھی تمہارے تابع ہیں، پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اہل مصر کو آزاد کر دیا اور میں نے ان کی املاک ان کو لوٹا دیں، حضرت یوسف (علیہ السلام) ان ایام میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میں کسی بھوکے کو بھول

جاؤں۔ [1]

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ ھ لکھتے ہیں: جب حضرت یوسف (علیہ السلام) مطمئن ہوکر ملک کا انتظام چلانے لگے اور انہوں نے بڑے بڑے گودام بنوا کران میں غلہ جمع کرلیا حتیٰ کہ غلہ کی فراوانی کے سات سال گزر گئے اور قحط کے ایام شروع ہوگئے اور وہ ایسا زبردست قحط تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے ایسا قحط نہیں دیکھا تھا، حضرت یوسف (علیہ السلام) بادشاہ اور اس کے متعلقین کو ہرروز دوپہر کے وقت کھانا بھجواتے تھے، ایک دن آدھی رات کو بادشاہ نے آواز دی: اے یوسف! بھوک لگ رہی ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا اب قحط کا وقت آپہنچا ہے۔ پس قحط کے پہلے سال میں لوگوں نے اپنے پاس جو طعام اور غلہ جمع کر کے رکھا تھا، وہ سب ختم ہوگیا۔ پھر مصر کے لوگ حضرت یوسف (علیہ السلام) سے طعام خریدنے لگے۔ پہلے سال حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان سے نقد مال لے کر غلہ فروخت کیا۔ حتیٰ کہ مصر میں کسی شخص کے پاس کوئی درہم اور دینار باقی نہیں رہا۔ اور تمام نقد مال یوسف کے قبضہ میں آچکا تھا۔ دوسرے سال اہل مصر نے اپنے تمام زیورات اور جواہر کے بدلہ میں حضرت یوسف سے غلہ خریدا۔ تیسرے سال انہوں نے اپنے تمام مویشیوں اور جانوروں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔ چوتھے سال انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کے بدلہ میں غلہ خریدا۔ حتیٰ کہ ان کے پاس کوئی باندی اور غلام نہیں رہا۔ پانچویں سال انہوں نے اپنی زمینوں، کھیتوں اور گھروں کے بدلہ میں غلہ خریدا اور چھٹے سال انہوں نے اپنی اولاد کے بدلہ میں غلہ خریدا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام اولاد کو حضرت یوسف (علیہ السلام) کا غلام بنادیا اور ساتویں سال انہوں نے

۱۔ (زادالمسیر ج ٤، ص ٢٤٦۔ ٢٤٥، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ١٤٠٧ھ)

اپنی جانوں اور اپنی گردنوں کے بدلہ میں غلہ خریدا حتیٰ کہ مصر میں کوئی انسان باقی نہیں رہا مگر وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا غلام تھا اور کوئی چیز باقی نہیں بچی مگر وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی ملکیت میں آ چکی تھی۔ اور لوگ کہنے لگے کہ ہمارے علم میں حضرت یوسف سے پہلے کوئی بڑا اور جلیل بادشاہ نہیں تھا۔ پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ سے کہا: آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے مجھے کیا کچھ عطا فرمایا ہے! اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: میری وہی رائے ہے جو آپ کی رائے ہے۔ تمام معاملات آپ کے سپرد ہیں۔ میں تو محض آپ کے تابع ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: میں آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے تمام اہل مصر کو آزاد کر دیا۔ اور ان کی تمام املاک ان کو واپس کر دیں۔ روایت ہے کہ حضرت یوسف ان ایام میں سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں اس کے باوجود آپ بھوکے رہتے ہیں! آپ نے فرمایا: مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے سیر ہو کر کھا لیا تو میں بھوکوں کا حق بھول جاؤں گا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ کے باورچی کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا صبح کا کھانا اسے دوپہر کو دیا کرے اور اس سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا منشاء یہ تھا کہ بادشاہ بھی بھوک کا مزہ چکھے اور بھوکوں کو یاد رکھے۔ (۱)

سیدنا ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرائیل (علیہ السلام) کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، تب جبرائیل (علیہ السلام) اس سے محبت کرتے ہیں اور تمام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں، اس لیے

۱۔ (معالم التنزیل ج ۲، ص ۳٦٤، الجامع لاحکام القرآن جز ۹، ص ۱۹۱، ۱۹۰، روح المعانی جز ۱۳، ص ۹۔۸)

تم لوگ بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اس کو زمین والوں میں مقبول بنا دیا جاتا ہے۔ (اسی طرح) اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتے ہیں تو جبرائیل (علیہ السلام) کو بلاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں، میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو تو جبرائیل (علیہ السلام) بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ فلاں بندے سے نفرت کرتے ہیں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو، تو اہل آسمان اس سے نفرت کرنا شروع ہو جاتے ہیں، پھر اس کو زمین والوں میں بھی ناپسندیدہ بنا دیا جاتا ہے۔" [1]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا کلی اقتدار

حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بادشاہ کی ملاقات کے بعد جب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ کی اقتدار کی پیشکش قبول کر لی تو پروردگار نے اس آیت میں اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ اس طرح سے ہم نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو مکمل طور پر مصر کا حکمران بنا دیا۔ ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جو آپ (علیہ السلام) کے اقتدار سے باہر ہو۔ آپ (علیہ السلام) جہاں چاہتے، جا سکتے تھے۔ اپنا ٹھکانا بنا سکتے تھے، کسی جگہ بھی فروکش ہو سکتے تھے، ہر جگہ کا دورہ کر سکتے تھے اور ہر جگہ کے نظم ونسق میں تبدیلی پیدا کر سکتے تھے۔ ہمارے قدیم مفسرین نے اس کا یہی مفہوم سمجھا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اس طرح مطلق العنان حکمران بن گئے تھے کہ اگر آپ (علیہ السلام) چاہتے تو فرعون کو بھی اپنا زیردست بنا سکتے تھے۔ مجاہدؒ کا قول نقل کیا گیا ہے جو مشہور ائمہ تفسیر میں سے ہیں

ا۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب إذا أحب اللہ عبدًا۔۔الخ: ۲٦۳۷]

کہ بادشاہ مصر نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا۔

خوب کاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

آیتِ کریمہ کے دوسرے حصے میں دو حقیقتیں واضح فرمائی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ درحقیقت تمام اختیار و اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب کسی کو اپنے فضل و رحمت سے نوازنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ وہ ایک قیدی کو زنداں سے نکال کر تختِ حکومت پر پہنچانے کا فیصلہ کرلے تو اس کی قدرت و مشیت سے کوئی بعید نہیں اور دوسری یہ بات کہ اس کے راستے پر چلنے والے چاہے کیسے ہی حالات میں مبتلا کیوں نہ ہوں اور کیسی کیسی آزمائشوں سے انھیں واسطہ کیوں نہ پڑے اگر وہ اس میں استقامت کا ثبوت دیں تو اللہ تعالیٰ کبھی ان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ دنیا میں بھی صلہ دیتا ہے اور آخرت میں تو صلہ نہ ملنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسی کو دنیا میں کس طرح کا صلہ دیا جائے اور اسے کس حال میں رکھا جائے اور جہاں تک آخرت میں صلہ کا تعلق ہے اس میں سب کے لیے جنت کی نوید سنائی گئی ہے۔ البتہ مدارج مختلف ہوسکتے ہیں۔ دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ اہل ایمان کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ صلہ تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے لیکن آخرت کا اجر وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ انھیں لوگوں کا حصہ ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی ہر طرح کی نافرمانی سے لرزاں اور ترساں رہیں۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کی مصر آمد

جب تمام شہروں میں قحط پھیل گیا اور جس شہر میں حضرت یعقوب (علیہ السلام) رہتے تھے اس میں بھی قحط پہنچ گیا اور ان کے لیے روح اور بدن کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔ اور ہر طرف یہ بات مشہور

ہو چکی تھی کہ مصر کا بادشاہ غلہ فروخت کر رہا ہے۔ تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں ایک نیک بادشاہ ہے جو لوگوں کو گندم فروخت کر رہا ہے۔ تم اپنی رقم لے کر جاؤ اور ان سے غلہ خریدو۔ سو حضرت یعقوب کے دس بیٹے سوا بن یامین کے، حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے اور یہ واقعہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی اپنے بھائیوں کے ساتھ ملاقات کا سبب بنا اور اللہ تعالیٰ نے کنوئیں میں جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرف وحی کی تھی اس کی تصدیق کا سبب بنا، وہ وحی یہ تھی: لتنبئنھم بامرھم ہٰذا وھم لایشعرون۔ (یوسف: ۱۵) (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ تم ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کرو گے اور اس وقت ان کو (تمہاری شان کا) پتا بھی نہ ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ حضرت یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو بالکل نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان کو اس لیے پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی تھی کہ تم ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کرو گے۔ نیز حضرت یوسف (علیہ السلام) نے جو خواب دیکھا تھا اس میں بھی یہ دلیل تھی کہ ان کے بھائی ان تک پہنچیں گے۔ اس وجہ سے حضرت یوسف (علیہ السلام) اس واقعہ کے منتظر تھے اور جو لوگ بھی دور دراز سے غلہ لینے کے لیے مصر آتے تھے، حضرت یوسف (علیہ السلام) ان کے متعلق تفتیش کرتے تھے اور معلومات حاصل کرتے تھے کہ آیا یہ ان کے بھائی ہیں یا نہیں۔ رہا یہ کہ ان کے بھائیوں نے ان کو کیوں نہیں پہچانا تو اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

بھائیوں کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کو نہ پہچاننا اور اس کی وجوہ:

(ا) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے دربانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ غلہ خریدنے کے لیے باہر سے آنے والوں کو ان سے فاصلہ پر رکھیں اور حضرت یوسف (علیہ السلام) ان سے بالواسطہ گفتگو کرتے

تھے۔اس طرح وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو نہیں پہچان سکے۔خصوصاً اس لیے کہ ان پر بادشاہ کا رعب طاری تھا اور جو ضرورت مند ہو وہ کچھ زیادہ ہی مرعوب اور خوف زدہ ہوتا ہے۔

(۲) جب انہوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت وہ کم سن اور بچے تھے، اور اب انہوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو دیکھا تو ان کو داڑھی آ چکی تھی، اور ان کی شکل و صورت میں کافی تغیر ہو چکا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ریشم کا لباس پہنے ہوئے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ان کے گلے میں سونے کا طوق تھا۔اور ان کے سر پر سونے کا تاج تھا۔اور اتنا عرصہ گزرنے کی وجہ سے وہ لوگ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے واقعہ کو بھول چکے تھے۔جس وقت انہوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو کنوئیں میں ڈالا تھا اس وقت سے لے کر اب تک چالیس سال گزر چکے تھے۔ ان اسباب میں سے ہر سبب ایسا ہے جس کی وجہ سے اتنے عرصہ پہلے کے شخص کو انسان بھول سکتا ہے اور جب یہ تمام اسباب مجتمع ہوں تو اس کو نہ پہچاننا اور بھول جانا زیادہ متوقع ہے۔

(۳) کسی چیز کو پہچان لینا اور یاد رکھنا۔اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ معرفت پیدا نہ کی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول محقق ہو! آپ ضرور ان کو ان کی اس کارروائی سے آگاہ کریں گے اور ان کو پتا بھی نہ ہوگا۔(یوسف:۱۵)

وَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ قَالَ ائۡتُوۡنِيۡ بِاَخٍ لَّكُمۡ مِّنۡ اَبِيۡكُمۡ‌ۚ اَلَا تَرَوۡنَ اَنِّيۡۤ اُوۡفِى الۡكَيۡلَ وَاَنَا خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَاۡتُوۡنِيۡ بِهٖ فَلَا كَيۡلَ لَكُمۡ عِنۡدِيۡ وَلَا تَقۡرَبُوۡنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا

سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اور جب یوسف (علیہ السلام) نے ان کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اسے میرے پاس لے آنا کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرنے والا ہوں۔(۵۹) پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو نہ تو میرے یہاں کوئی غلہ ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب پھٹکنا۔(۶۰) انھوں نے کہا ہم اس کے بارے میں اس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے اور بیشک ہم ضرور اس طرح کریں گے۔(۶۱)

سدی نے کہا: حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کے پاس گیارہ اونٹ تھے جبکہ وہ خود دس تھے۔ انہوں نے حضرت یوسف کو کہا: ہمارا ایک اور بھائی بھی ہے جو پیچھے رہ گیا ہے اور اس کا اونٹ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں پیچھے رہ گیا؟ تو انہوں نے کہا: اس کے باپ کی اس کے ساتھ محبت کی وجہ سے۔ اور انہوں نے آپ کو بتایا کہ اس کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جو جنگل میں گیا اور ہلاک ہوگیا، آپ نے انہیں فرمایا: میں تمہارے اس بھائی کو دیکھنا چاہتا ہوں جس کا تم نے ذکر کیا ہے تاکہ میں تمہاری صداقت اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی محبت جان سکوں۔ روایت ہے کہ شمعون کو بطور رہن آپ کے پاس چھوڑ آئے اور پھر آپ کے بھائی بنیامین کو لے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ترجمان کو کہا کہ انہیں کہو: تمہاری زبان ہماری زبان کے خلاف

اور تمہارا لباس ہمارے لباس کے مخالف ہے تم کہیں جاسوس تو نہیں تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم جاسوس نہیں بلکہ ہم ایک باپ کے بیٹے ہیں اور وہ بوڑھا آدمی ہے، اس نے کہا: تمہاری تعداد کتنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم بارہ تھے ہمارا ایک بھائی جنگل گیا تھا اور وہیں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: دوسرا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے باپ کے پاس: آپ نے فرمایا: کون تمہاری سچائی کو جانتا ہے؟ انہوں نے کہا: یہاں ہمیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہم نے آپ کو اپنے نسب کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے، تو اب آپ کو ہم کس طرح اطمینان ہو سکتا ہے؟ تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: ائتونی باخ لکم من ابیکم (اپنے باپ سے اپنے بھائی کو میرے لے آؤ) اگر تم سچے ہو: تو میں مطمئن ہو جاؤں گا الاترون انی اوفی الکیل یعنی میں وزن پورا کرتا ہوں اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتا اور تمہارے بھائی کے لیے ایک اونٹ کا وزن زیادہ دے رہا ہوں فان لم تاتونی بہ فلا کیل لیکم عندی اگر تم اس کو میرے پاس لے کر نہ آئے تو پھر میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں۔ آپ نے انکو دھمکی دی کہ اگر وہ اسے نہ لیکر آئے تو آپ انہیں غلہ نہیں بیچیں گے۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بن یامین کو بلوا کر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو مزید رنج میں کیوں مبتلا کیا؟ اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو معلوم تھا کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) بن یامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اس کی جدائی میں ان کو بہت رنج اور قلق ہو گا تو انہوں نے بن یامین کو اپنے باپ کے پاس سے بلوانے کے لیے کیوں اقدام کیا اور اپنے باپ کو رنج اور قلق میں ڈالنے کا کیوں انتظام کیا! اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(ا) ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہو کہ وہ بن یامین کو بلوائیں اور

انہوں نے اتباع وحی میں یہ اقدام کیا تاکہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) مزید رنج اور غم میں مبتلا ہوں اور اس طرح ان کا ثواب اور زیادہ ہو۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا یہ ارادہ ہو کہ اس کارروائی سے حضرت یعقوب (علیہ السلام) حضرت یوسف (علیہ السلام) کے زندہ ہونے پر متنبہ ہوجائیں۔ کیونکہ خصوصیت سے بن یامین کو بلوانے والے حضرت یوسف ہی ہوسکتے تھے۔ وہ دونوں سگے بھائی تھے۔

(۳) حضرت یوسف (علیہ السلام) کا یہ ارادہ ہو کہ جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو اچانک دونوں بیٹے ملیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوشی ہوگی۔

(۴) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بن یامین کو صرف ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں گے اور جانے نہیں دیں گے۔ لیکن جب بن یامین کی حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے اپنا اپنا حال سنایا تو بن یامین نے واپس جانے سے انکار کردیا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس رہنے پر اصرار کیا۔ تب حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا: تم کو روکنے کی یہی صورت ہے کہ تم پر چوری کا الزام لگوادیا جائے۔ بن یامین نے کہا: مجھے منظور ہے۔ [1]

سَنُرَاوِدُ کا مصدر مراودت ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں بہلانا پھسلانا یعنی دوسرے کو سخن سازی، ملائمت یا دلیل سے قائل کرنے کی کوشش کرنا۔ برادرانِ یوسف (علیہ السلام) چونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں ایک خیانت کا ارتکاب کر چکے تھے۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کو آپ (علیہ السلام) کی حفاظت کا پورا یقین دلایا تھا اور پھر وعدہ شکنی کرتے ہوئے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ہم

۱۔ (زاد المسیر ج ٤، ص ٢٤٩۔ ٢٤٦، تفسیر کبیر ج ٦، ص ٤٧٨۔ ٤٧٧، الجامع لاحکام القرآن، جز ٩، ص ١٩٤۔ ١٩٢)۔

پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ وہ اپنی اس کرتوت سے پوری طرح باخبر تھے۔اسی احساس کے تحت انھوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو یقین دلایا کہ ہم بن یامین کے والد ماجد کو ہر ممکن طریقے سے یقین دلائیں گے کہ ہم ان کے بیٹے کی حفاظت کریں گے تاہم ممکن ہے وہ ہماری بات پر اعتبار نہ کریں (کیونکہ ان کے دل کا چور بار باران کے اندر یہ اندیشہ پیدا کر رہا تھا) لیکن ہم ہر صورت میں اپنی سی کوشش کر دیکھیں گے۔اگر اس کے باوجود بھی ہمارے ساتھ بیٹے کو بھیجنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو پھر ہمیں معذور سمجھا جائے۔

﴿ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ ﴾

اور یوسف نے اپنے غلاموں سے کہا: کہ ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھ دو جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائیں تو اسے پہچان لیں شاید وہ پھر واپس

آجائیں۔(٦٢) پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ کر گئے بولے، اے ہمارے ابا جان ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لاسکیں اور بلا شبہ ہم اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔(٦٣) یعقوب نے کہا) کیا میں اس کے بارے میں تم پر اعتبار کروں جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟ سو اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔(٦٤)

بھائیوں کے تھیلوں میں رقم کی تھیلی رکھنے کی وجوہات

امام ابن اسحٰق نے کہا: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے کارندوں سے کہا کہ انہوں نے غلہ کی جو قیمت دی ہے وہ ان کی بوریوں میں رکھ دو اور اس طرح رکھو کہ ان کو بالکل پتا نہیں چلے۔ تا کہ جب یہ گھر لوٹیں تو اس رقم کو دیکھ کر دوبارہ آجائیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کس حکمت کی وجہ سے وہ تھیلی ان کی بوریوں میں رکھوائی تھی۔ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جب وہ گھر جا کر بوریاں کھولیں گے اور ان کو اپنی قیمت واپس مل جائے گی تو وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے کرم اور آپ کی سخاوت سے متاثر ہوں گے اور دوبارہ جانے کے لیے راغب ہوں گے جب کہ انہیں غلہ کی طلب بھی تھی۔

(۲) حضرت یوسف (علیہ السلام) کو یہ خطرہ تھا کہ شاید ان کے باپ کے پاس مزید غلہ خریدنے کے

لیے رقم نہ ہو اس لیے انہوں نے وہ قیمت بوریوں میں رکھ دی۔

(۳) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قحط کا زمانہ ہے۔ ہوسکتا ہے ان کے باپ کا ہاتھ تنگ ہو تو وہ اس طرح باپ کی کچھ خدمت کر دیں۔

(۴) ایام قحط میں جب ان کے بھائیوں اور باپ کو غلہ کی سخت ضرورت تھی تو ایسے حالات میں انہوں نے ان کو قیمتاً غلہ دینا صلہ رحم کے خلاف اور برا جانا۔ اس لیے چپکے سے وہ رقم واپس کر دی۔

(۵) حضرت یوسف (علیہ السلام) کا گمان تھا کہ جب ان کے بھائی سامان میں رقم کی تھیلی دیکھیں گے تو یہ خیال کریں گے کہ شاید سہو اور نسیان سے ان کی یہ رقم ہماری بوریوں میں آ گئی ہے اور وہ انبیاء کی اولاد ہیں۔ وہ ضرور اس رقم کو واپس کرنے آئیں گے یا یہ معلوم کرنے آئیں گے کہ آخر کس سبب سے ہماری بوریوں میں یہ رقم کی تھیلی آ گئی۔

(۶) حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اس طریقہ سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہا اور ایسے طریقہ سے کہ ان پر حضرت یوسف کا احسان ظاہر ہو اور نہ ان کو عار محسوس ہو۔

(۷) حضرت یوسف (علیہ السلام) یہ چاہتے تھے کہ وہ یہ جان لیں کہ میں جوان کے بھائی کو بلوا رہا ہوں تو اس پر ظلم کرنے کے لیے نہیں بلا رہا اور نہ غلہ کے دام چڑھانے کے لیے بلا رہا ہوں۔

(۸) حضرت یوسف (علیہ السلام) یہ چاہتے تھے کہ ان کے والد کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت یوسف ان کے بیٹوں پر کریم ہیں تا کہ وہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس بھیجنے میں خطرہ محسوس نہ کریں۔

(۹) چونکہ یہ تنگی کا زمانہ تھا اس لیے حضرت یوسف (علیہ السلام) یہ چاہتے تھے کہ ان کی کچھ مدد ہو جائے اور چونکہ چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ تھا اس لیے اس رقم کو بوریوں میں چھپا کر رکھ دیا۔

(۱۰) حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے ان کے ساتھ انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کیا تھا۔ جواب میں حضرت یوسف یہ چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ انتہائی کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کریں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مجھے سب سے افضل عمل بتائیے! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے، اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو۔ ①

سیدنا جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں، ایک جہادی سفر میں میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ واپس آ رہا تھا، میرا اونٹ تھک گیا اور سست ہو گیا (تو میں نے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے قریب آئے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: "جابر!" میں نے کہا، جی حاضر! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "کیا ہوا؟" میں نے عرض کی، اونٹ تھک گیا اور سست ہو گیا ہے، اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ سنا تو اپنی سواری سے نیچے اترے اور لاٹھی کے ساتھ میرے اونٹ کو ہانکنے لگے اور پھر مجھے کہا: "اب سوار ہو جا۔" میں اس پر سوار ہوا، اب تو یہ حال ہوا کہ مجھے اسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برابر پہنچنے پر روکنا پڑ جاتا تھا۔ اب اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "شادی کر لی؟" میں نے کہا، جی ہاں! آپ نے پوچھا: "کنواری سے کی یا بیوہ سے؟" میں نے کہا، بیوہ سے کی ہے۔ آپ نے فرمایا: "کسی کنواری لڑکی سے کیوں نہیں کی کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی؟" میں نے کہا،

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۴۰۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۴۶۷، عالم الکتب، اتحاف السادۃ المتقین ج۹، ص۲۵)

میری بہنیں زیادہ ہیں (ماں فوت ہوگئی ہے) لہٰذا سوچا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو ان کو باہم جوڑے رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان پر پوری پوری نگرانی کرے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اچھا! اب گھر پہنچنے والے ہو، وہاں خوب مزے اڑانا۔" پھر فرمایا: "اونٹ بیچو گے؟" میں نے کہا، جی ہاں! اور پھر ایک اوقیہ چاندی کے بدلے میں آپ نے مجھ سے خرید لیا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں اگلے دن صبح کو پہنچا۔ پھر ہم مسجد آئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسجد کے دروازے پر ملے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے پوچھا: "ابھی پہنچے ہو؟" میں نے کہا، جی ہاں! تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اپنا اونٹ چھوڑ دو، مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔" میں مسجد میں داخل ہوا، دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیدنا بلال (رض) کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دیں۔ سیدنا بلالؓ نے چاندی تولی تو جھکتی ہوئی تول کر دی۔ اب میں چاندی پکڑ کر چل دیا تو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جابر کو میرے پاس بلاؤ۔" میں نے (دل میں) کہا، اب میرا اونٹ مجھے واپس ہوگا اور واپسی مجھے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ جب میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گیا تو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اونٹ بھی لے جاؤ اور اس کی قیمت (چاندی) بھی پاس ہی رکھو۔" [۱]

برادران یوسف (علیہ السلام) واپس اپنے گھر آ کر اپنے والد سے حسب وعدہ اور ضرورت اپنے بھائی بنیامین کو آئندہ سفر میں ساتھ لے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔

۱۔ [بخاری، کتاب البیوع، باب شراء الحوائج بنفسہ: ۲۰۹۷۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر: ۱۴۶۶/۳۶۴۱]

برادران یوسف (علیہ السلام) گھر آ کر اپنے والد حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو مصر کے بادشاہ کی مہمان نوازی، حسن سلوک اور اس کے فرمان کا ذکر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ابا جی ہمیں آئندہ غلہ دینے سے اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ جب تک ہم اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں گے ہمیں غلہ نہیں مل سکتا۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ روانہ فرمائیں ہم اس کی ضرور بضرور حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں ان کے وعدے اور باتوں سے واقف تھے۔ انھوں نے صرف یہی کہنا مناسب سمجھا کہ کیا تم پر میں اسی طرح اعتبار کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتبار کیا تھا؟ اس کے ساتھ ہی فرمایا اللہ ہی بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اس گفتگو کے بعد جب برادران یوسف نے اپنا سامان کھولا تو یہ دیکھ کر ان کے تعجب اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ غلہ کے ساتھ ان کی ادا کی ہوئی رقم بھی واپس کر دی گئی ہے۔ کہنے لگے! ابا جان! اب تو ضرور آپ بنیامین کو ساتھ لے جانے میں اجازت مرحمت فرمائیں۔

”حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی معاملے میں پریشانی ہوتی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا کرتے اے زندہ اور قائم رہنے والے اللہ! میں تیری رحمت کے صدقے تیری مدد طلب کرتا ہوں۔“ [1]

﴿ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ

1۔ [رواہ الترمذی: باب یا حی یا قیوم]

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ
اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ
يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ
لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ
عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی بھی ان کو لوٹا دی گئی ہے تو وہ کہنے لگے کہ ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے، یہ ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔ ہم گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ ماپ زیادہ لائیں گے، یہ بوجھ بڑی آسانی سے مل جائے گا۔(٦٥)
یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جانے دوں گا، یہاں تک کہ تم مجھ سے اللہ کے نام کا پختہ عہد کرو کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے مگر یہ کہ تم سب کو ہی گھیر لیا جائے، پس جب سب نے ان سے پختہ عہد کر لیا تو یعقوب علیہ السلام کہنے لگے: جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر ضامن ہے

(٦٦)۔

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے پایا کہ ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے۔" یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ یوسف (علیہ السلام) نے یہ مال قصداً واپس کیا تھا اور وہ اس مال کا واپس بھائیوں کو مالک بنانا چاہتے تھے۔ (آیت) انہوں نے بھائی کو ساتھ بھیجنے کے لیے ترغیب دیتے ہوئے باپ سے کہا: (آیت) " ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے۔" یعنی اس بہترین اکرام وتکریم کے بعد ہمیں اور کیا چاہیے جب کہ بادشاہ نے ہمیں اناج پورا دیا ہے اور نہایت خوبصورت طریقے سے ہمارا مال بھی واپس لوٹا دیا ہے اور یہ بات اخلاص اور مکارم اخلاق پر دلالت کرتی ہے۔ (آیت) " یہ ہماری پونجی جو ہمیں واپس کردی گئی ہے، اب جائیں تو غلہ حاصل کرسکیں گے اور اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لاسکیں گے، کیونکہ وہ خوراک کے سخت محتاج ہیں۔ (آیت) " اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کی بھرتی بھی زیادہ لیں گے" یعنی ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زیادہ ملے گا، کیونکہ ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ دیا جاتا تھا۔ (آیت) " اور وہ بھرتی آسان ہے۔" یہ بڑا آسان سا کام ہے اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ یہ کوئی زیادہ لمبی مدت نہیں اور اس میں جو مصلحت ہے وہ بھی آپ کے سامنے واضح ہے۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ایک بار شتر غلہ کے بدلے میں، میں اپنے بیٹے کو بھیجنے کے لیے ہرگز تیار نہیں، لیکن اگر تمہیں زیادہ ہی اصرار ہے تو پھر تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک پختہ عہد کرو کہ تم ہر قیمت پر اپنے چھوٹے بھائی کو واپس اپنے ساتھ لاؤ گے۔ بجز اس کے کہ تمہیں کہیں گھیر لیا جائے، تم حالات کی گرفت میں آجاؤ یا کسی وجہ سے دشمن تمہیں پکڑ لے یا حکومت تمہیں گرفتار کرلے تو

ایسی صورت میں تمہارا عذر مسموع ہوسکتا ہے ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ تم نے نقض عہد کیا ہے۔ چنانچہ تمام بیٹوں نے بیک وقت اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنی بات کا پختہ عہد دیا کہ ہم بھائی کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اس پر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہم جو آپس میں قول وقرار کر رہے ہیں اور تم مجھے ایک عہد دے رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ نگران ہے۔ وہ سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے اور کل ہم سب سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تورات میں ہے کہ برادران یوسف اور حضرت یعقوب پونجی دیکھ کر ڈر گئے تھے کہ نہ معلوم اب کیا آفت آئے مگر واقعات کی ترتیب اور حضرت یوسف کے طرزِ عمل کے پیش نظر جس کا ذکر قرآن کریم اور تورات دونوں میں ہے یہی صحیح ہے کہ ایسا کوئی ڈر ان کو ہوا ہو کیونکہ برادران یوسف خود اپنے ہاتھوں غلہ کی قیمت ادا کر چکے تھے اور لین دین کے بعد ہی قافلہ کو روانگی کی اجازت ملی تھی۔ پھر سامنے کھولنے کے بعد یوسف (علیہ السلام) کے کارندوں نے ان کی قیمت واپس لوٹائی تھی اس لیے اس میں ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی۔

﴿ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا

كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ
يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے بیٹو! تم سب ایک ہی دروازے سے داخل مت ہونا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تم سے اللہ کی طرف سے (آنے والی) کوئی چیز نہیں ہٹا سکتا، حکم صرف اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔(٦٧) اور جب داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد نے ان کو حکم دیا تھا، وہ ان سے اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو ٹال نہیں سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کی، بیشک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(٦٨)

جب انہوں نے جانا چاہا تو آپ کو انہیں نظر بد لگنے کا اندیشہ لاحق ہوا: تو آپ نے انہیں شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونے کا حکم فرمایا۔شہر کے چار دروازے تھے۔آپ کو انہیں اس وجہ سے نظر بد کا اندیشہ ہوا کہ ایک آدمی کے گیارہ بیٹے ہو سکتے ہیں اور وہ سب خوبصورت، کمال کے حامل اور بھاری

بھر کم تھے۔ یہ حضرت ابن عباس ؓ، ضحاک اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اجازت دے دی کہ بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جائیں، چونکہ یعقوب (علیہ السلام) کے سبھی بیٹے صحت منداور خوبصورت تھے، اس لیے انھیں ڈر ہوا کہ اگر سبھی ایک ہی دروازے سے داخل ہوں گے تو کہیں کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔ اس لیے انھیں نصیحت کی کہ سب ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہوں، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی یہ کہا کہ میں اپنی اس تدبیر کے ذریعے اللہ کی قضا وقدر کو نہیں ٹال سکتا، اس لیے کہ احتیاط تقدیر کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ تمام فیصلے اللہ کے اختیار میں ہیں، ان میں کسی اور کا دخل نہیں ہے، اس لیے میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے اور تمام لوگوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۔۔ نِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ : مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے اس آیت سے نظر بد ہی مراد لیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر کا لگ جانا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”نظر لگنا برحق ہے۔“ [1]

سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف ؓ بیان کرتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ ؓ نے دیکھا کہ سہل بن حنیف ؓ نہا رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں نے آج تک اتنا حسین جسم کبھی نہیں دیکھا، یہ تو پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ سہل بے ہوش ہو کر گر گئے۔ انھیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔[بخاری، کتاب الطب، باب العین حق: ۵۷۴۰۔ مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی: ۲۱۸۷]

کے پاس لایا گیا اور درخواست کی گئی کہ اے اللہ کے رسول! سہل کے معاملہ میں کچھ کیجیے، اللہ کی قسم! وہ تو سر تک نہیں اٹھاتے ہیں (بے ہوش ہیں)۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم کسی پر نظر لگانے کی تہمت لگاتے ہو؟" لوگوں نے کہا، عامر بن ربیعہ نے انھیں دیکھا تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عامر بن ربیعہ کو بلوایا اور ان پر خفگی کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا: "تم میں سے کیوں کوئی (نظر کی وجہ سے) اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ (جب تم نے دیکھا کہ وہ تمہیں بہت اچھے لگے تھے تو) تم نے ان کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟" پھر آپ نے فرمایا: "اب اس کے لیے غسل کرو۔" چنانچہ عامرؓ نے اپنا چہرہ، اپنے دونوں ہاتھ، اپنی کہنیاں، اپنے دونوں گھٹنے، اپنے پیروں کی انگلیاں اور ازار کے اندر کا حصہ ایک بڑے پیالہ میں دھویا اور پھر یہ پیالہ مریض کے سر پر اور اس کے پیچھے الٹ دیا گیا۔ جب یہ کام ہو چکا تو سہلؓ (ٹھیک ہو گئے اور) لوگوں کے ساتھ اٹھ کر چلنے پھرنے لگے، اب انھیں کوئی تکلیف نہ رہی تھی۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نظر لگنا حق ہے اور کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرتی تو نظر کرتی اور جب تم سے (نظر کی وجہ سے) نہانے کے لیے کہا جائے تو نہا لیا کرو۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حسن و حسینؓ پر (ان کلمات کے ذریعے) دم کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: "تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) بھی اسماعیل اور اسحاق (علیہ السلام) پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے: (اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ

۱۔[الموطأ امام مالک، کتاب العین، باب الوضوء من العین:۲۔ مسند أحمد:۴۴۷/۳، ح:۱۵۷۰۶]

۲۔[مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی:۲۱۸۸]

التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ) ”میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان سے، ہر زہریلے مہلک جانور سے اور ہر اس آنکھ سے جو نظر لگانے والی ہو۔“ ①

سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے گھر میں ایک لڑکی کے چہرے پر جھائیاں دیکھیں تو فرمایا: ”اس کو دم کرواؤ، کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔“ ②

سیدنا عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ایسے دموں میں کوئی حرج نہیں جن میں شرک نہ ہو۔“ ③

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ : سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میرے سامنے پیغمبروں کی امتیں لائی گئیں۔کوئی پیغمبر ایسا تھا کہ اس کی امت کے لوگ دس سے بھی کم تھے اور کسی پیغمبر کے ساتھ ایک یا دو ہی آدمی تھے اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی امت آئی، میں سمجھا کہ یہ میری امت ہے۔ (لیکن) مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی امت ہے، تم آسمان کے کنارے کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا تو ایک بڑا گروہ ہے۔ مجھ سے کہا گیا، دوسرے کنارے کی طرف بھی دیکھو، میں نے دیکھا تو ایک اور بڑا گروہ ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ تمہاری امت ہے اور ان لوگوں میں ستر ہزار آدمی ایسے ہیں کہ جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے۔“ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کرتے

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: ۳۳۷۱]

۲۔[بخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ العین: ۵۷۳۹۔ مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین: ۲۱۹۷]

۳۔[مسلم، کتاب السلام، باب لا بأس بالرقی مالم یکن فیہ شرک: ۲۲۰۰]

ہیں اور نہ دم کرواتے ہیں اور نہ بدشگون لیتے ہیں، بلکہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔“ [1]

تقدیر اور تدبیر کا باہمی تعلق

بیٹے اسی طرح شہر میں داخل ہوئے جیسے حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ان کو ہدایت کی تھی اور وہ یقینا ہر طرح کے شر سے محفوظ بھی رہے۔اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ بیٹوں کا ہر طرح کے شر سے محفوظ رہنا شاید باپ کی احتیاط پر مبنی ہدایت کی وجہ سے تھا۔اس لیے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے جو کچھ کہا وہ محض حفاظت کے پہلو سے ایک تدبیر تھی جو ان کے دل میں آئی اور بیٹوں نے سعادت مندی دکھاتے ہوئے اس پر عمل کیا،لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں بیٹوں کے لیے کوئی ناخوشگوار فیصلہ لکھا جا چکا تھا تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی تدبیر اسے روک سکتی تھی، ایسا ہر گز نہیں۔کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو اسے یہ اختیار ہر گز حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے دم مار سکے۔جو شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جتنا عظیم ہے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کے فیصلوں پر مطمئن رہنے والا ہے۔حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے تو گزشتہ آیت کریمہ میں اس عقدے کو کھول دیا تھا کہ حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے، ہر چیز کا اختیار اسے حاصل ہے لیکن ہمیں اس نے تدابیر اختیار کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ہم اس بات کے پابند ٹھہرائے گئے ہیں کہ ہم اپنے امکانات کی حد تک ہر کام کے لیے تدبیر کریں لیکن بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں، اپنے وسائل پر کبھی بھروسہ نہ کریں۔یہی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو دے رکھا

۱۔[مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب: ۲۲۰]

تھا ورنہ دنیا میں ہمیشہ یک رخے لوگ بستے ہیں جو تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ تقدیر کو ایک واہمہ خیال کرتا ہے اور جو تقدیر ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ ترک تدبیر پر عمل کر کے اپنے آپ کو عضو معطل بنا کے رکھ دیتا ہے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی یہاں تعریف فرمائی گئی ہے کہ آپ (علیہ السلام) اصل حقیقت سے باخبر تھے اس لیے اگر آپ نے ایک طرف تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی توکل اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرنے کی تعلیم دی اور یہ یقین دلایا کہ آدمی کو اپنی تدبیر بروئے کار لاتے ہوئے اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے کیونکہ اس کی تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ البتہ وہ خود اپنی تقدیر کا پابند نہیں، تقدیر اس کی پابند ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اور جب وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے (حقیقی) بھائی

کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا بیشک میں تمہارا بھائی ہوں تو جو سلوک (یہ ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔(۶۹) پھر جب یوسف علیہ السلام نے اس کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں کٹورا رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! یقیناً تم تو چور ہو۔(۷۰) وہ بولے ان کی طرف متوجّہ ہو کر، تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟۔(۷۱) وہ بولے کہ بادشاہ کا کٹورا نہیں ملتا جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک بار شتر انعام اور میں اس کا ضامن ہوں۔(۷۲)

حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بنیامین کی ملاقات

اب ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ جب یہ لوگ مصر پہنچے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے سامنے پیش ہوئے تو بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ آپ کے حکم کے موافق ہم ان کو لائے ہیں۔ آپ نے سب کو سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرایا اور سب بھائیوں کے قیام کا انتظام اس طرح فرمایا کہ دو دو کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا۔ تو بنیامین تنہا رہ گئے ان کو علیحدہ تنہا ٹھہرایا۔ اور بنیامین کے ممتاز معاملہ کیا اور خلوت میں حضرت یوسف (علیہ السلام) نے بنیامین سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا بنیامین۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے پوچھا کہ تمہاری والدہ کا نام کیا ہے۔ بنیامین نے کہا راحیل۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے پھر پوچھا کوئی تمہارا سگا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہ ایک بھائی تھا وہ ہلاک

ہو گیا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا اگر میں تمہارے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تم اس بات کو پسند کرو گے۔ بنیامین نے کہا کہ اے بادشاہ سلامت آپ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن آپ کو یعقوب اور راحیل نے نہیں جنا۔ اس وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) نے ان کو تنہائی میں آگاہ کر دیا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں اور اپنا تمام حال سنایا اور پھر بنیامین کی تسلی تشفی کی کہ اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ان کی بدسلوکیوں کا دور ختم ہو گیا۔ اب یہ تم کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچا سکیں گے۔ اور جو مظالم ان سوتیلے بھائیوں نے ہم پر کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا۔ غلام بنا کر بیچا اور ہمارے باپ بھائی کو صدمہ میں مبتلا کیا۔ اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ سختی کی۔ ان تمام باتوں سے اب غمگین مت ہو۔ وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سب غلم غلط ہو جائیں اور سختیوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: امام ابن اسحاق نے کہا جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹے، حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یہ ہمارا وہ بھائی ہے جس کے متعلق آپ سے کہا تھا کہ اس کو لے کر آنا۔ اب ہم اس کو لے کر آئے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور درست کیا۔ اور تم کو عنقریب اس پر انعام ملے گا۔ پھر فرمایا: میں تمہاری ضیافت اور تکریم کرنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ نے دو، دو کو کھانے پر بٹھایا، اور ان کو عمدہ کھانے پیش کیے۔ پھر بن یامین کے متعلق فرمایا: یہ اکیلا وہ گیا! اس کو میں اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں اور دو، دو کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا اور فرمایا: بن یامین کو میں اپنے کمرہ میں ٹھہرا لیتا ہوں۔ پھر تنہائی میں بن یامین کو بتایا کہ میں تمہارا سگا بھائی یوسف ہوں۔ تمہارے یہ بھائی جو کچھ بدسلوکی کرتے رہے ہیں، تم

اس پر غم نہ کرنا۔ (۱)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۲۰۵ ھ روایت کرتے ہیں: وہب بن منبہؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے دو، دو کو ایک ساتھ دستر خوان پر بٹھایا اور بن یامین کو اکیلا بٹھایا۔ وہ رونے لگے اور کہنے لگے اگر میرا بھی بھائی ہوتا تو آپ مجھے اس کے ساتھ بٹھاتے۔ حضرت یوسف نے کہا: میں اس کو اکیلا دیکھ رہا ہوں۔ سو میں اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں۔ پھر جب رات ہوئی تو دو، دو کو ایک کمرا دیا۔ بن یامین اکیلے رہ گئے تو کہا اس کو میں اپنے ساتھ کمرے میں رکھ لیتا ہوں۔ تنہائی میں حضرت یوسف نے کہا: کیا تمہارا کوئی ماں شریک بھائی ہے۔ اس نے کہا: ہاں میرا ایک ماں شریک بھائی تھا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت یوسف نے کہا: کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہارے اس ہلاک شدہ بھائی کے قائم مقام میں تمہارا بھائی ہو جاؤں؟ بن یامین نے کہا: اے بادشاہ! آپ جیسا بھائی کس خوش نصیب کا ہو گا؟ لیکن آپ یعقوب (علیہ السلام) سے پیدا نہ ہوئے نہ راحیل سے؟ پھر حضرت یوسف رونے لگے اور اس کو گلے لگا لیا اور فرمایا: میں تمہارا بھائی یوسف ہوں اور تم اب غم نہ کرنا یعنی وہ جو ہم پر حسد کرتے رہے تھے اور ہمارے باپ کی توجہ اپنی طرف پھیرنے کی جو کوشش کرتے رہے تھے، اس پر اب تم غم نہ کرنا۔ (۲)

قرآن مجید میں اس پیالے کے لیے دو لفظ ہیں السقایہ اور صواع، السقایہ کا معنی پانی پینے کا پیالہ ہے اور صواع کا معنی پیمانہ ہے۔ یہ سونے اور چاندی کا ایک برتن تھا۔ اس سے پانی بھی پیا جاتا تھا اور اس سے ماپ کر غلہ بھی دیا جاتا تھا۔ حسن بصریؒ، مجاہد اور قتادہؒ سے روایت ہے کہ یہ پانی پینے کا برتن تھا۔ (۳)

۱۔ (جامع البیان جز ۱۳، ص ۲۱۔ ۲۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۷۰)

۲۔ (زاد المسیر ج ٤، ص ۲۵۶۔ ۲۵۵، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱٤۰۷ھ)

۳۔ (جامع البیان جز ۱۳، ص ۲۲، الجامع لاحکام القرآن، جز ۹، ص ۲۰۰)

عرصہ دراز کے بعد بنیامین اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے ملے تھے۔ اور ایسے حالات میں جب کہ مصران کے زیر نگین ہے اور مملکت کے سیاہ وسفید کے وہ مالک ہیں تو بچھڑنے کو دل نہ چاہا۔ اور کہا کہ میں تو ان ظالموں کے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بنیامین میں تمہیں کس طرح روک سکتا ہوں ملک کا قانون اجازت نہیں دیتا کہ کسی اجنبی کو ملک جانے سے روک دیا جائے۔ اور اگر صاف صاف بات کی جائے تو قبل از وقت پردہ فاش ہوتا ہے اور اس کی ابھی اجازت نہیں۔ آخر یہ طے پایا کہ آپ کے سامان میں شاہی پیالہ رکھ دیا جائے۔ تمہاری روانگی کے بعد لازمی طور پر جب اہل کار اس پیالہ کو نہ پائیں گے تو تمہارے سامان کی تلاشی لیں گے اور پیالہ جب تمہارے سامان سے برآمد کر لیا جائے گا تو پھر تجھے روکنے کی صورت نکل آئیگی۔ لیکن اس طرح تم پر چوری کا الزام لگے گا۔ کیا تم اس کے لیے آمادہ ہو انھوں نے بخوشی اجازت دیدی آپ نے خود یا کسی خادم خاص کے ذریعہ وہ پیالہ ان کے سامان میں رکھ دیا۔ جب وہ روانہ ہو گئے اور غلہ کے گودام کے اہلکاروں نے وہ پیالہ مفقود پایا تو انہیں سخت فکر لاحق ہوئی۔ سوچنے لگے ابھی تو پیالہ یہیں تھا اور ان کنعانیوں کے بغیر اور کوئی یہاں آیا بھی نہیں ان کے دل میں یہ بات واضح ہوگئی کہ ہو نہ ہو پیالہ وہی اڑا لے گئے ہیں۔ فوراً انکے تعاقب میں ایک افسر چند ملازمین کے ساتھ بھیجا گیا۔ جب وہ اس قافلہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا اے قافلہ والو ٹھیر جاؤ۔ تم ہمارے چور ہو۔

بے قصور قافلہ والوں کو چور کہنے کی توجیہ

پھر منادی نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! تم ضرور چور ہو! اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ منادی نے یہ اعلان اگر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حکم سے کیا تھا تو ایک رسول برحق کے لیے یہ کیسے جائز تھا کہ

وہ بے قصور لوگوں پر بہتان باندھیں اوران پر چوری کی جھوٹی تہمت لگائیں۔ اور اگر انہوں نے یہ حکم نہیں دیا تھا تو انہوں نے بعد میں منادی کا رد کیوں نہیں کیا کہ تم ان کو چور کہہ رہے ہو۔ یہ تو بے قصور ہیں!

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) حضرت یوسف (علیہ السلام) بن یامین سے پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ تمہیں روکنے کا صرف یہی طریقہ ہے تو گویا ان کی رضامندی سے ان کو چور کہا جارہا تھا۔

(۲) حضرت یوسف (علیہ السلام) کی مراد یہ تھی کہ تم نے یوسف کواس کے باپ سے چرایا تھا اور چرا کر پہلے کنوئیں میں ڈالا پھر قافلہ والوں کے ہاتھ غلام بنا کر بیچ دیا۔ تو یہ کلام بطور توریہ تھا۔ اس کلام سے حضرت یوسف کی مراد یہ تھی کہ تم یوسف کو چرانے والے ہو اور اس کلام کا ظاہر یہ تھا کہ تم شاہی پیمانہ چرانے والے ہو۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ منادی کا یہ کلام بطور استفہام ہو۔ یعنی اس نے پوچھا ہو کہ آیا تم چور ہو؟

(۴) قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ منادی نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے حکم سے یہ اعلان کیا تھا یا ان کو اس اعلان کا علم تھا اور ظاہر یہ ہے کہ کارندوں نے اپنے طور پر اس پیالہ کو تلاش کیا اور جب ان کو وہ نہیں ملا تو ان کو شبہ ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اس پیالہ کو اپنی بوریوں میں رکھ لیا ہو۔ انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟ کارندوں نے کہا: بادشاہ کا پیالہ گم ہوگیا ہے اور جو اس کو لے کر آئے گا، اس کو غلہ سے لدا ہوا ایک اونٹ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔

سیدنا فضالہ بن عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: "میں ضامن ہوں، جنت کے اطراف میں اور جنت کے وسط میں ایک گھر کا، اس شخص کے لیے جو مجھ پر

ایمان لایا، مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت کی اور میں ضامن ہوں جنت کے اطراف میں ایک گھر کا، جنت کے وسط میں ایک گھر کا اور جنت کے بالا خانوں میں ایک گھر کا، اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا، مسلمان ہوا، ہجرت کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا۔ جس شخص نے یہ تینوں کام کیے اس نے گویا نیکی کی کوئی بات نہ چھوڑی اور وہ برائی سے مکمل طور پر بچا رہا، ایسا شخص جہاں بھی مرنا چاہے مرے (اس کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی)۔ (١)

﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ ﴾

(یہ سن کر) وہ بولے، اللہ کی قسم! تم لوگ جانتے ہو کہ ہم (تمہارے) ملک میں اس

١۔ [نسائی، کتاب الجہاد، باب مالمن أسلم وھاجر وجاھد: ٣١٣٥۔ ابن حبان: ٤٦١٩۔ مستدرک حاکم: ٢/٧١، ح: ٢٣٩١]

لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چوری کیا کرتے ہیں۔(۷۳) وہ بولے اگر تم جھوٹے نکلے (چوری ثابت ہوگئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟۔(۷۴) وہ بولے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے وہ (کٹورا) نکلے تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ (۷۵) پھر یوسف (علیہ السلام) نے بنیامین کی بوری سے پہلے اپنے علاقی بھائیوں کی بوریوں میں تلاش کرنا شروع کیا پھر وہ کٹورا اپنے بھائی کے اسباب سے نکالا اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی ورنہ یوسف (علیہ السلام) بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ہم جسے چاہیں درجات کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر زیادہ جاننے والا ہے۔ ۔(۷۶)

قافلے والے رک کر کہنے لگے کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ ہم تو بھوک کے مارے ہوئے اپنے وطن سے آپ کے ملک میں غلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔ ہمارا چوری چکاری سے کیا تعلق۔لیکن انتظامیہ کے لوگ تلاشی لینے کے سوا کسی دلیل کو نہیں مانتے۔ یہ بیچارے قسم پر قسم اٹھائے جا رہے ہیں کہ یقین کرو کہ ہم نے چوری نہیں کی۔ ہمارا خاندان ایسا ویسا نہیں ہے ہم تو انبیاء کی اولاد ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے کس کس انداز سے پولیس افسر کو یقین دلانے کی کوشش کی ہوگی۔ بالآخر پولیس والے کہنے لگے کہ چلو یہ بتاؤ کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو تمہاری کیا سزا ہونی چاہیے؟ کیونکہ انہیں یقین تھا

کہ ہم نے پیالہ نہیں اٹھایا۔لہٰذا ہم کس طرح چور ثابت ہو سکتے ہیں۔اس لیے فوراً کہنے لگے۔ ہمارے علاقے کا قانون ہے کہ اگر چور سے چوری کا مال برآمد ہو جائے تو اس کو ایک سال کے لیے مال کے مالک کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔اگر ہم میں سے کسی کے پاس بادشاہ کا پیالہ نکل آئے تو ہم اسے آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔اس شرط پر قافلے والوں کی تلاشی شروع کر دی گئی۔لیکن حسب ہدایت سب پہلے دوسرے لوگوں کی تلاشی لی گئی۔تاکہ اصل منصوبہ کے بارے میں کسی کو شک نہ پڑے۔اس کے پیش نظر آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی گئی۔ان سے پیالہ برآمد ہوا۔اللہ تعالیٰ اس تدبیر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے یوسف (علیہ السلام) کے لیے یہ تدبیر کی تھی۔یعنی اسے سکھلائی تھی۔ورنہ یوسف بادشاہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔اللہ جو چاہے کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مراتب میں بلند کرتا ہے۔اور ایک علم والا ایسا ہے جو سب علم رکھنے والوں سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یوسف (علیہ السلام) کے لیے تدبیر کی۔سوچنا یہ ہے کہ یہ تدبیر کونسی تھی۔کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے مراد یوسف (علیہ السلام) کا بنیامین کے سامان میں پیالہ رکھنا ہے۔دوسرے مکتبہ فکر کا کہنا ہے کہ "کدنا" سے مراد وہ بات ہے جو تفتیش کے دوران یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کے منہ سے نکلی تھی کہ اسرائیلی شریعت کے مطابق ہمارا یہ اصول ہے کہ چور کو ایک سال کے لیے مال کے مالک کے حوالے کر دیا جائے۔اسی بنیاد پر بنیامین کو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے پاس رکھ لیا۔جس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

(فَوۡقَ كُلِّ ذِىۡ عِلۡمٍ عَلِيۡمٌ)

"ایک ہستی ہر علم والے سے بڑھ کر علم رکھنے والی ہے۔"

دین کے معانی:

دین اسلام اپنے کام اور نظام کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہی نہیں بلکہ یہ تو اپنے نام کے دامن میں بھی پوری جامعیت اور دنیا و آخرت کے معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے چنانچہ دین کا معنیٰ ہے۔

(۱) تابع دار ہونا۔

(۲) دوسرے کو اپنا تابع فرمان بنانا۔

(۳) مکمل اخلاص اور یک سوئی کا اظہار کرنا۔

(۴) قانون۔

(۵) مکمل ضابطہ حیات۔

(٦) جزا و سزا اور قیامت کے دن کے لیے بھی لفظ دین بولا جاتا ہے۔

دین کی فرضیت:

(اَلۡیَوۡمَ أَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡإِسۡلَامَ دِیۡنًا)[المائدۃ:۳]

"آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔"

(ثُمَّ أَوۡحَیۡنَآ إِلَیۡكَ أَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ إِبۡرَاهِیۡمَ حَنِیۡفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ)[النحل:
۱۲۳]

”پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسو رہنے والے ابراہیم کی ملت کی اتباع کیجئے اور وہ مشرک نہ تھے۔“

(وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ)[آل عمران:۸۵]

”اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔“

﴿ قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ ﴾

بھائیوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) اس سے پہلے اس کا ایک بھائی بھی چوری کر چکا ہے، پس اس بات کو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے دل میں چھپا لیا، اس کو ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا، دل میں کہا کہ تم بڑے برے لوگ ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

بھائیوں کی ایک اور شرارت

جب تلاشی کے بعد شاہی پیالہ بن یامین کی بوری سے نکل آیا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے تمام بھائیوں کے سر جھک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا یہ عجیب بات ہے کہ راحیل نے دو بیٹوں کو جنم دیا اور دونوں چور نکلے۔ پھر انہوں نے بن یامین سے کہا: اے راحیل کے بیٹے! تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب ٹوٹ پڑے ہیں۔ بن یامین نے کہا: تمہاری وجہ سے ہم پر کتنے مصائب آ چکے ہیں! تم میرے بھائی کو لے گئے اور تم نے اس کو جنگل میں ضائع کر دیا۔ اس کے باوجود تم مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: شاہی پیالہ تمہاری بوری سے کیسے نکل آیا؟ بن یامین نے کہا: جس نے تمہاری رقم کی تھیلی تمہاری بوریوں میں رکھی تھی، اسی نے میری بوری میں شاہی پیالہ کر رکھا ہے۔ بظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ انہوں نے بادشاہ سے کہا بن یامین کا چوری کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس کا بھائی جو ہلاک ہو چکا ہے وہ بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ اور اس کلام سے ان کی غرض یہ تھی کہ چوری کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ یہ اور اس کا بھائی ہی اس برائی میں ملوث تھے۔ بھائیوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی طرف جو چوری منسوب کی تھی اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) سعید بن جبیرؒ نے کہا: حضرت یوسف (علیہ السلام) کا نانا کافر تھا۔ اور وہ بتوں کی عبادت کرتا تھا۔ بچپن میں حضرت یوسف سے ان کی ماں نے کہا کہ وہ ان بتوں کو چرا کر توڑ دیں۔ اسی چوری کی طرف ان کے بھائیوں نے نسبت کی تھی۔ وہب بن منبہ اور قتادہؒ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

(۲) بچپن میں ان کے گھر کوئی سائل آیا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے گھر سے کوئی چیز اٹھا کر سائل کو دی تھی۔ مجاہدؒ نے کہا وہ انڈا تھا۔ کعب نے کہا، وہ بکری تھی۔ سفیان بن عیینہ نے کہا وہ مرغی تھی۔

(۳) عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ بھوک کے ایام میں حضرت یوسف (علیہ السلام)

اپنے بچپن میں باپ کے دستر خوان سے کچھ چیزیں اٹھا کر مانگنے والوں کو دے دیتے تھے۔

(۴) ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پھوپھی حضرت اسحٰق کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں۔ حضرت یوسف نے ان کی گود میں پرورش پائی اور وہ آپ سے محبت کرتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے ان کو اپنی بہن سے طلب کیا۔ انہوں نے کہا میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا: بخدا میں اس کو اب نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر ان کی پھوپھی نے حضرت اسحٰق (علیہ السلام) کا متبرک پٹکا (کمر پر باندھنے کی پیٹی) حضرت یوسف کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا۔ پھر کہا حضرت اسحٰق کا منطقہ گم ہو گیا۔ تلاش کرو اس کو کس نے لیا ہے۔ پھر وہ پٹکا حضرت یوسف کے پاس سے برآمد ہوا۔ پھر انہوں نے حضرت یعقوب کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہا اللہ کی قسم! اب یوسف میری ملکیت ہے۔ اب میں جو چاہوں اس کے ساتھ کروں! حضرت یعقوب نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر جب تک حضرت یوسف (علیہ السلام) کی پھوپھی زندہ رہیں حضرت یعقوب (علیہ السلام)، حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اپنے پاس رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سو یہ ہے وہ چیز جس کی وجہ سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی ان کی طرف چوری کی نسبت کرتے تھے۔ [1]

﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ

۱۔ (جامع البیان جز ۱۳ ص ۳۹۔۳۸، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۱۷۸۔۲۱۷۷، معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۷۰، زاد المسیر ج ۴ ص ۲۶۳، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۹۰، الجامع لاحکام القرآن جز ۹ ص ۲۰۸)

اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾

وہ بولے: اے عزیزِ مصر! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت محبت رکھتے ہیں)، سو تو اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لے، بیشک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں پاتے ہیں۔ (۷۸) یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، اس کے سوا کسی کو پکڑیں (اگر ہم ایسا کام کریں) یقیناً ہم تو اس وقت ظالم ہوں گے۔ (۷۹)

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ جب بنیامین کے سامان سے شاہی مال برآمد ہوا اور بھائیوں کے قول واقرار کے مطابق وہ شاہی قیدی ٹھہر چکے تو اب برادران یوسف اس عہد و پیمان کو خیال کر کے جو انہوں نے حضرت یعقوب (علیہ السلام) سے بنیامین کے بحفاظت واپس پہنچانے کے متعلق کیا تھا بہت گھبرائے اور اب سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یوسف (علیہ السلام) سے رحم کی درخواست کریں چنانچہ دسوں بھائیوں نے نہایت خوشامدانہ اور عاجزانہ الفاظ میں عرض کیا کہ اے عزیز مصر اس لڑکے یعنی بنیامین کے والد بہت ضعیف اور بوڑھے شخص ہیں۔ اس کا ایک سگا بھائی پہلے گم ہو چکا ہے جس کے صدمہ سے پہلے ہی وہ چور ہیں۔ اب اگر یہ لڑکا یہاں رہ گیا تو وہ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ اس لڑکے سے انہیں بے حد محبت ہے اس لیے ہماری درخواست والتجا ہے کہ آپ اس کو جانے کی اجازت دے دیں۔ اور اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو روک لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ ہمیشہ مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں امید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔ آپ

بڑے محسن ہیں اتنی عرض ہماری قبول فرمالیں۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا۔" معاذ اللہ" یعنی خدا پناہ میں رکھے کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلہ میں پکڑنے لگیں۔ ہم تو صرف اسی شخص کو روکیں گے جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ یہاں احتیاط ملاحظہ ہو کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) " چور" کا لفظ نہیں استعمال فرمارہے بلکہ یہ فرمایا کہ جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال پایا ہے تو آپ نے صاف جواب دے دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ اگر ہم مجرم کے بدلے بے قصور کو پکڑیں تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہریں گے۔

﴿ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٠ ﴾

(جب وہ یوسف (علیہ السلام) سے مایوس ہو گئے تو وہاں سے علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے الگ ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے اللہ تعالیٰ کے نام پر تم سے مضبوط قول وقرار لیا ہے۔ اور اس سے پہلے جو تم یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں قصور کر چکے ہو (وہ بھی

تمھارے علم میں ہے) پس میں اس زمین سے ہرگز نہیں ٹلوں گا جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ میرے لیے کوئی فیصلہ فرمادے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

بھائیوں کی باہمی مشاورت

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے جواب سے مایوس ہوکر بھائی ایک طرف مشورے کے لیے بیٹھ گئے۔ ان کے بڑے بھائی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ تمھیں خوب معلوم ہے کہ تمھارے والد کسی قیمت پر بن یامین کو بھیجنے کے لیے تیار نہ تھے، انھیں ہم پر بالکل بھروسہ نہ تھا لیکن حالات سے مجبور ہوکر انھوں نے اس شرط پر چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجا کہ تم میرے ساتھ ایک مضبوط عہد کرو کہ تم ہر قیمت پر اپنے بھائی کی حفاظت کروگے اور جب تک تم میں زندگی اور آزادی ہے تم اپنے بھائی کو پیچھے چھوڑ کے نہیں آؤ گے۔ اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں بھی عہد شکنی کرچکے ہو اور آج تک تمھارا باپ کے سامنے اعتماد بحال نہیں ہوسکا۔ اس لیے مجھ میں تو ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے باپ کا سامنا کرسکوں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بن یامین کی رہائی تک میں سرزمین مصر کو نہیں چھوڑوں گا۔ الا یہ کہ میرے والد مجھے واپس بلالیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ ہوجائے۔

قرآن کریم نے ان کے بڑے بھائی کے لیے کبیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ اس کبیر سے مراد عمر میں بڑا ہے یا کہ عقل ورائے میں بڑا۔ عمر میں بڑا تو روبیل تھا اور عقل و

رائے میں یہوذا کی اہمیت تسلیم کی جاتی تھی۔ بعض اہل علم نے کبیر کے لفظ سے استدلال کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ اگر یہاں مجرد عمر کی بڑائی کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے لیے کبیر کی بجائے اکبر کا لفظ زیادہ موزوں تھا۔ اس لیے ان کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد روبیل نہیں بلکہ یہوذا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بھائی کے دل میں یوسف (علیہ السلام) کے لیے شروع سے نرم گوشہ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ جب بھائیوں نے یوسف (علیہ السلام) کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے مخالفت کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ اسے قتل مت کرو، البتہ کنویں میں ڈال دو، کوئی گزرنے والا قافلہ انھیں نکال کر لے جائے گا۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی منت سماجت کی کہ وہ بن یامین کو چھوڑ دیں اور ان کی جگہ ان میں سے کسی کو رکھ لیں۔ لیکن حضرت یوسف (علیہ السلام) نے منظور نہیں کیا۔ جب وہ ناامید ہو گئے تو آپس میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے، کہ اب اس مشکل صورت حال کا کس طرح سامنا کیا جائے اور اس پیچیدہ الجھن کا کیا حل تلاش کیا جائے۔ کیونکہ ان کے باپ نے بن یامین کو ان کے حوالے کرنے سے پہلے ان سے پکی قسمیں لی تھیں کہ وہ بن یامین کی حفاظت کریں گے۔ سوا اس کے کہ وہ سب کسی مصیبت میں گھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے بڑے نے کہا، اس میں اختلاف ہے کہ بڑے سے مراد عقل اور دانش مندی میں بڑا مراد ہے یا عمر میں بڑا مراد ہے۔ متعدد اسانید کے ساتھ مجاہد سے مروی ہے کہ زیادہ عقل مند شمعون تھا اور عمر میں بڑا روبیل تھا۔ قتادہ نے کہا یہاں روبیل ہی مراد ہے جو عمر میں بڑا تھا اور جب بھائی حضرت یوسف کو قتل کرنے لگے تھے تو اسی نے ان کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ [۱]

۱۔ (جامع البیان جز ۱۳، ص ۴۶ ۔ ۴۵، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، ص ۲۱۸۱، زاد المسیر ج ۴، ص ۲۶۶)

﴿ اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ وَ مَا
شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَ مَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ سۡـَٔلِ
الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡہَا وَ الۡعِیۡرَ الَّتِیۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِیۡہَا ؕ وَ اِنَّا
لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ﴾

تم سب اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا جان بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم اس بات کی گواہی دے رہے ہیں جس کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کی باتوں کے حافظ نہیں تھے۔(۸۱) اور آپ اس بستی کے لوگوں سے بھی پوچھ لیجیے جس میں ہم رہے ہیں اور اس قافلے (والوں) سے بھی جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں۔(۸۲)

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ ۔۔۔: البتہ تم واپس جا کر والد کو بتاؤ کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اگر تم بھی واپس نہ گئے تو والد اور زیادہ پریشان ہوں گے کہ شاید تمام بیٹے ہی گرفتار ہو گئے، یا ان کا کیا بنا، اس لیے واپس جا کر انھیں حقیقت حال سے آگاہ کرو۔

وَمَا شَہِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ ہم نے بھائی کے چور ہونے کی شہادت اپنے علم ہی کے مطابق دی ہے، کیونکہ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کے سامان سے پیمانہ نکلتا

ہوا دیکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہم نے عزیز مصر کو جو مسئلہ بتایا کہ چور کی یہ سزا ہے تو وہ ہم نے اپنے علم ہی کے مطابق بتایا کہ ہمارے باپ دادا کی شریعت کے مطابق اس کا یہ حکم ہے۔

وَمَا كُنَّا لِلۡغَيۡبِ حٰفِظِيۡنَ: یعنی جب ہم نے آپ کو قسم کھا کر عہد دیا تھا، ہمیں غیب کا علم تو نہیں تھا کہ بھائی مصر میں جا کر چوری کرے گا، ورنہ ہم اسے اپنے ساتھ کیوں لے جاتے، یا آپ کو یہ پختہ عہد کیوں دیتے کہ اسے اپنے ساتھ ضرور واپس لائیں گے۔

مجاہدؒ، حسن اور قتادہؒ نے کہا: ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کا بیٹا چوری کرتا ہے۔ اگر ہمیں یہ پہلے معلوم ہوتا تو ہم اس کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاتے اور نہ اس کو واپس لانے کے متعلق آپ کے سامنے پکی قسمیں کھاتے۔ منقول ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: چلو مان لیا کہ اس نے چوری کی ہے۔ لیکن بادشاہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں یہ مقرر ہے کہ جس پر چوری ثابت ہو جائے اس کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے۔ ضرور تم نے اپنے کسی مطلب کی وجہ سے بادشاہ کو یہ بتایا ہوگا۔ تب انہوں نے کہا کہ چوری کا واقعہ رونما ہونے سے پہلے ہم نے بادشاہ سے یہ ذکر کیا تھا۔ اور اس وقت ہم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ واقعہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم غیب پر نگہبان نہیں ہیں۔

وہ کونسا قافلہ تھا جس سے یہ لوگ کنعان گئے تھے جس سے تصدیق کیلئے انہوں نے والد سے کہا۔

اس بستی سے مراد مصر ہے اور قافلہ سے مراد وہ قافلہ ہے جو کنعان کے قرب و جوار سے دوسرے لوگوں کا گیا ہوا تھا اور جن کی موجودگی میں یہ سارا معاملہ ہوا تھا جو مصر میں یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں اور کارندوں کے درمیان ہوا۔ یعقوب (علیہ السلام) کے بیٹوں نے جو مصر سے واپس آئے تھے انہوں نے والد بزرگوار سے عرض کی کہ اگر آپ ہماری اس بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج

کر مصر سے تصدیق کرا لیجیے یا ہمارے ساتھ جو اور اہل قافلہ تھے انہی سے دریافت کر لیجیے سب ہمارے بیان کی تصدیق کریں گے۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر ایک بڑا قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط اور گرانی کی مصیبت تو آس پاس ملکوں میں بھی پھیلی ہوئی تھی اس لیے آل یعقوب کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے لوگ اس طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے۔

﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ
الْحَكِیْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ
عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ
یُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِیْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ
اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ ﴾

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا (نہیں) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے سو اب صبر ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس

لے آئے گا۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۸۳) پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے کہ "ہائے افسوس" یوسف پر (ہائے افسوس) اور (رنج وغم میں) ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ (۸۴) بیٹے کہنے لگے اللہ کی قسم آپ تو یوسف (علیہ السلام) کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے۔ (۸۵) یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کہ میں اپنے رنج اور غم کی شکایت اللہ ہی سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (۸۶)

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے دو وجہ سے بنیامین پر چوری کے الزام اور اپنے بیٹوں کی باتوں کو مسترد کیا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ بحیثیت باپ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ میرا بیٹا بنیامین چوری نہیں کرسکتا کیونکہ اس نے اس سے پہلے کبھی ایسی غلطی نہیں کی۔ ایسا نیک اور دیانتدار بچہ پردیس میں جا کر کس طرح غلطی کرسکتا ہے۔ پھر وہ وہاں رہنے کے لیے نہیں بلکہ مجبوری کے عالم میں غلہ لینے کے لیے گیا ہے۔ ایسی صورت میں چوری کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اس لیے بھی اپنے بیٹوں کی باتوں پر اعتماد کا اظہار نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ یہ پہلے بھی یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں بھی زیادتی کر چکے ہیں۔ اس وجہ سے ان پر اعتماد نہ کرنا ایک فطری بات تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ فرمایا کہ تم خواہ مخواہ ایک کہانی بنا کر میرے سامنے پیش کر رہے ہو جسے بنانا اور بیان کرنا تمہارے دل نے تمہارے لیے آسان کر دیا ہے۔ میں صبر جمیل کے سوا اور کیا کرسکتا ہوں۔ تاہم مجھے

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور تینوں کو میرے پاس لائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور فیصلہ میں حکمت ہوتی ہے۔

(قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ أَنفُسُكُمۡ أَمۡرًا فَصَبۡرٌ جَمِيلٌ)[یوسف:۱۸]

”یعقوب (علیہ السلام) نے کہا بلکہ تم نے ایک بات کو بنا سنوار لیا ہے۔ خیر صبر ہی بہتر ہے۔“

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو یہ الفاظ اس وقت بھی کہے تھے جب انہوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر کہا تھا۔ ابا جان! جب ہم کھیل کود میں ایک دوسرے سے بہت آگے نکل گئے پیچھے سے بھیڑیے نے یوسف کو کھالیا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اس وقت بھی فرمایا تھا جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے گا۔ اللہ اللہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا کتنا بڑا حوصلہ اور ایمان ہے کہ دوسرے بڑے سانحہ اور یوسف (علیہ السلام) کی طویل جدائی کے باوجود پہلے سے بڑھ کر نہ صرف صبر کا مظاہرہ کیا بلکہ بے انتہا پریشانی کے وقت بھی فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں ہماری زندگی میں جمع فرمائے گا۔ مجھے جو عظیم صدمہ کے بعد دوبارہ بڑا صدمہ پہنچا ہے اس کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے۔ انشاء اللہ میں اس پر صبر جمیل کروں گا۔ پہلے بھی عرض کیا ہے کہ صبر جمیل سے مراد ایسا صبر جس میں کسی قسم کا گلہ شکوہ اور جزع فزع نہ پایا جائے۔

صبر جمیل کی تعریف: حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا: تو اب صبر جمیل ہی مناسب ہے۔ صبر جمیل کی تعریف میں امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۰ ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے شکوہ اور شکایت کرنا حرام ہے اور جب آدمی اپنے مرض یا مصیبت کا کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے اور وہ اس مرض اور مصیبت کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے تو یہ اللہ کے فعل کی شکایت ہے۔ اس لیے یہ حرام ہے۔ ہاں اگر

اس پر قرائن ہوں کہ وہ اللہ کے فعل کو ناپسند نہیں کر رہا اور نہ اس پر ناراض ہے اور وہ اللہ سے شکوہ اور شکایت نہیں کر رہا۔ بلکہ اپنے درد اور مصیبت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر اپنی تکلیف اور مصیبت کا اظہار کرنا حرام نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی خلاف اولیٰ ہے۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ مصیبت کا اظہار بالکل نہ کرے کیونکہ اس سے شکایت کا وہم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا جس نے اپنی مصیبت کا اظہار کیا اس نے صبر نہیں کیا اور صبر جمیل کا معنی یہ ہے کہ اس میں بالکل شکایت نہ ہو۔ [۱]

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے غم میں شدت کی وجہ

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے کہا: ہائے میرا افسوس یوسف کی جدائی پر! حضرت ابن عباس ؓ نے کہا اس کا معنی ہے: ہائے یوسف کے اوپر میرا طویل رنج و غم۔ ابن قتیبہ نے کہا: الاسف کا معنی ہے بہت زیادہ حسرت۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس امت کو مصیبت کے وقت کہنے کے لیے جو کلمات دیئے گئے ہیں وہ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرہ: ۱۵٦) اگر انبیاء سابقین کو یہ کلمات دیئے گئے ہوتے تو حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو بھی یہ کلمات دیئے گئے ہوتے اور وہ یا اسفیٰ علی یوسف کی بجائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے کہا: ہائے میرا افسوس، یوسف کی جدائی پر اور یہ تو شکایت کے الفاظ ہیں۔ پھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا صبر جمیل کدھر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شکایت نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف شکایت کی ہے۔ صبر جمیل کے منافی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتے۔ انہوں نے تو خود کہا تھا: انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ۔ (یوسف: ۸٦)۔ میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔ ابن الانباری نے کہا: یہ

۱۔ (احیاء علوم الدین ج ٤، ص ۲۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱۹ھ)

دعائیہ کلمات ہیں اور ان کی مراد یہ تھی۔ اے میرے رب! یوسف کا جو مجھے رنج اور افسوس ہے، اس پر رحم فرما۔ اولاد سے محبت فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس کی جدائی پر رنج اور غم ہونا یہ بھی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ انسان غم سے چیخ و پکار کرے اور ایسے کام کرے جن سے بے قراری اور بے چینی کا اظہار ہو۔ دل میں رنج ہو۔ آنکھوں میں آنسو ہوں اور اپنے رنج و غم کا اللہ سے اظہار ہو اور اس میں اللہ کی شکایت نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف شکایت ہو تو یہ تمام امور جائز ہیں اور ان میں کسی کو ملامت نہیں کی جائے گی۔ حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے۔ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے رضاعی باپ تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابراہیم کو لیا۔ ان کو بوسہ دیا اور ان کو سونگھا۔ پھر ہم اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے اس وقت حضرت ابراہیم اپنی جان کی سخاوت کر رہے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی؟ (رو رہے ہیں) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں! پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آنکھوں میں اور آنسو آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر غم زدہ ہیں۔ [1]

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۶)

امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں: لیث بن ابی سلیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) قید خانہ میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا تو ان سے کہا اے مکرم فرشتے! کیا آپ کو حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا علم ہے؟ کہا ہاں۔ پوچھا کیا حال ہے؟ کہا آپ کے غم میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ پھر پوچھا انہیں کتنا غم ہے؟ کہا ستر درجہ زیادہ غم ہے۔ پوچھا ان کو اجر بھی ملے گا؟ کہا ہاں! ان کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا!۔ (۱)

حسن بصریؒ نے کہا: حضرت یعقوب (علیہ السلام) مسلسل اسی (۸۰) سال تک روتے رہے اور ان کی آنکھیں خشک نہیں ہوئیں اور جب سے ان کی بصارت گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں تھا۔ (۲)

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قبر کے پاس ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "(اے عورت!) اللہ تعالیٰ سے ڈر۔" اس عورت نے کہا، میرے جیسی مصیبت تم پر پڑی ہو تو (تمہیں میرے دل کا حال) معلوم ہو۔ اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہچانا نہیں تھا، تو جب لوگوں نے اس عورت کو بتلایا کہ یہ تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے، تو وہ عورت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یقیناً صبر وہی ہے جو آدمی ابتدائے مصیبت کے وقت

۱۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷، رقم الحدیث: ۱۱۸۸٤، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱٤۱۷ھ)
۲۔(زاد المسیر ج ٤، ص ۲۷۱)

کرے۔"[۱]

﴿ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ ﴾

اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کی تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو سہ بارہ مصر جانے کی ہدایت کی

حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اتنے عرصہ کے بعد صاحبزادوں کو یہ حکم دیا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اس کی رحمت سے سوائے کافروں اور ناشکروں کے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اس وقت جو حکم یعقوب نے دیا اس سے پہلے کبھی اس طرح کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ سب چیزیں تقدیر الٰہی کے تابع تھیں اور یعقوب (علیہ السلام) کی نبوی فراست بھی یقیناً اس بات کو معلوم کر چکی تھی کہ ضرور کوئی حکمت اس میں موجود ہے۔ اب چونکہ ملاقات کا وقت قریب آ چکا تھا اس لیے اس کے سامان ہونا بھی شروع ہو گئے۔ اس دفعہ یعقوب (علیہ السلام) کو بیٹوں نے یہ کیوں نہ

۱۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبر: ۱۲۸۳۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب فی الصبر علی المصیبۃ عند الصدمۃ الأولی: ۹۲۶]

کہا کہ یوسف کو جبکہ بھیڑیا کھا گیا تو تو اب اس کی تلاش کا کیا مطلب؟ اندازہ کیا کہ اس دفعہ بیٹوں نے کوئی بات بھی نہیں کی۔ مزید غور کرو کہ یعقوب (علیہ السلام) نے جب یوسف (علیہ السلام) کی تلاش کا رخ بھی مصر ہی کی طرف قرار دیا جب کہ بنیامین کے حق میں تو معلوم ہی تھا لیکن یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی ظاہر حال کے اعتبار سے کوئی وجہ نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے مناسب اسباب بھی جمع کرنے شروع فرما دیتا ہے گویا اس طرح یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کے ذہن میں اتنی بات ضرور ڈال دی کہ وہ اس دفعہ وہیں سے کہیں یوسف کی جستجو بھی جاری رکھیں ممکن ہے کہ کوئی سراغ مل جائے۔ یہ وہ فراست نبوی تھی۔ جو یعقوب (علیہ السلام) نے فرمائی کیونکہ آپ کے علم میں یہ بات تو یقینی تھی کہ یوسف مرا نہیں بلکہ زندہ ہے اور وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یوسف پر یقینا کوئی احسان کرنے والا ہے۔ جو خصوصاً نبوت کے انتخاب الٰہی کا ہے اور پھر وہ سب کچھ بھی عطا کرنے والا ہے جو لوازمات نبوت میں ہے اور آپ کے پورے خاندان پر اللہ تعالیٰ کرتا چلا آ رہا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر مومن کو اس سزا اور عذاب کا (کماحقہ) علم ہو جائے جو اللہ کے ہاں (نافرمانوں کے لیے) ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھے اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کا (صحیح) علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔" [۱]

سیدنا صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی عجیب

۱۔ [مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وانہا سبقت غضبہ: ۲۷۵۵]

ہے، اس کے ہر کام میں اس کے لیے خیر ہے اور یہ معاملہ صرف مومن کے لیے ہے، اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اس میں بھی اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔“[1]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب جنازہ (تیار کر کے) رکھا جاتا ہے اور مرد اس کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں، تو اگر اب وہ نیک (آدمی کا) جنازہ ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے، مجھے (جلدی) آگے لے چلو اور اگر وہ بدکار کا جنازہ ہوتا ہے تو کہتا ہے، ہائے ہلاکت! اسے کہاں لیے جا رہے ہو؟ اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو (اس کی تاب نہ لا سکے اور) بے ہوش ہو جائے۔“[2]

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝۸۹ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ٞ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ

۱۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر: ۲۹۹۹]

۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب حمل الرجال الجنازۃ دون النساء: ۱۳۱٤]

عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

جب وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو قحط سالی سے بڑی تکلیف پہنچی اور ہم تھوڑی سی پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں تو آپ ہمیں پورا غلہ دے دیجیے اور ہم کو خیرات (سمجھ کر) دے دیجیے، بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو بدلہ عطا فرماتا ہے۔(۸۸) یوسف (علیہ السلام) نے کہا کیا تمہیں معلوم ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا جب کہ تم جاہل تھے۔(۸۹) وہ کہنے لگے کیا بیشک تو واقعی یوسف ہے؟ اس نے کہا (ہاں) میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو بیشک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(۹۰)

بھائیوں کا تیسری مرتبہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس جانا

برادران یوسف نے کچھ تو باپ کے اصرار پر اور کچھ اس لیے کہ واقعی قحط کی شدت انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اور غلہ کا سوائے مصری حکومت کے کہیں دور دور تک نام ونشان بھی نہ تھا۔ تیسری بار پھر مصر کا

ارادہ کیا ظاہر ہے کہ اس بار وہ بھائی تھے جب دربارشاہی میں پہنچے تو کہنے لگے" اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط نے سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اس مرتبہ ہم پونجی بھی بہت تھوڑی لائے ہیں اور جو لائے ہیں وہ حاضر ہے اب معاملہ خرید و فروخت اور لین دین کا نہیں ہم سے قیمت ادا نہیں ہو سکتی اس لیے تیری خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ از راہ کرم ہم کو غلہ کی پوری تول دے اور ہمیں ضرورت مند سمجھ کر اپنی جانب سے احسان فرما اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات کرنے والوں کو نیک بدلہ دیتا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین اور بھائیوں کس اس پریشانی کا حال سنا اور خصوصاً ان کی عاجزانہ درخواست اور نیاز مندانہ طلب کے مجبور کن حالت پر غور کیا تو دل بھر آیا پھر صبر نہ ہوسکا اور حالات کا تقاضا یہی تھا کہ خود کو اب مزید نہ چھپائیں بلکہ ظاہر کر دیں تو ان کی اس درخواست اور اس لہجہ درخواست کے پیش نظر پردہ اٹھا دیں۔ عزیز مصر نے ان کی درخوات سن کر استفسار کیا کہ معلوم ہے یوسف سے تم نے کیا گیا تھا؟

یوسف (علیہ السلام) کے بھائی انتہا درجہ عاجز ہو کر ان کے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ یہاں سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے خواب کی عملی تعبیر کی ابتدا ہوتی ہے جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ یقیناً حضرت یوسف (علیہ السلام) ابھی سوچ ہی رہے ہوں گے کہ میں نے بچپن میں خواب میں گیارہ ستاروں کو اپنے سامنے جھکتے ہوئے دیکھا تھا ہوسکتا ہے کہ اس کی تعبیر یہی ہو تب اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے یہ اجازت عنایت فرمائی کہ اے یوسف! اب وقت آ گیا ہے کہ تم ان سے یہ سوال کرو اور پھر انہیں اپنا تعارف کرواؤ۔ چنانچہ حضرت یوسف (علیہ السلام) ان سے استفسار کرتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جب تم جاہل تھے؟ انہوں نے اس کے

جواب میں یہ عرض کی کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرے اور صبر کرتا رہے یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائی، یوسف (علیہ السلام) کا حسن و جمال، اعلیٰ اخلاق، اپنے ساتھ مروّت اور میزبانی کا انداز، حکومت چلانے کا طریقہ، رعایا پروری اور ملک مصر کے ملحقہ علاقوں کے ساتھ بے لوث تعاون دیکھ چکے تھے۔ یقیناً احسان شناس لوگوں کی طرح اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ مصر کا بادشاہ کوئی عام انسان نہیں ہے۔ یقیناً یہ کسی عظیم خاندان کا فرزند اور منفرد انسان ہے۔ تیسری دفعہ ملاقات کی وجہ سے انہیں یہ بھی ادراک ہو چلا ہوگا کہ بادشاہ ہمارے ساتھ اس طرح ملتا ہے جس طرح خونی رشتہ رکھنے والا ملا کرتا ہے۔ قرائن اور جمال و کمال نے انہیں یوسف (علیہ السلام) کو پہچاننے کے بالکل قریب کر دیا تھا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے سوال پر چونک اٹھے کیونکہ اب پہچاننے میں کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ جس بنا پر وہ عرض کرتے ہیں کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ لیکن سوالیہ انداز میں عرض کرتے ہیں جس کی وجہ بادشاہ کا دبدبہ، احترام اور اپنی غلطیوں کا احساس ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جھجکتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ سیدنا یوسف (علیہ السلام) فرماتے ہیں ہاں میں ہی یوسف ہوں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بنیامین کو بلا کر فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اس عروج و کمال میں ہمارا کوئی کمال اور دخل نہیں یہ محض اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر ضرور کرم فرماتا ہے جو اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرے اور اس کی فرماں برداری کرتے ہوئے پریشانیوں پر صبر کرے۔ یقیناً ایسے صاحب کردار لوگوں کا اللہ تعالیٰ کبھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل

غور ہے کہ یوسف (علیہ السلام) نے انہیں کسی قسم کا طعنہ اور جھڑک دینے کی بجائے صرف یہ فرمایا کہ کیا تمہیں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنا سلوک یاد ہے؟ جب تم جاہل تھے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہ لفظ بول کر ایک طرح ان کی شرمندگی کم کرنے کوشش کی کہ جو کچھ ہوا یہ جہالت کی وجہ سے ہوا جس میں یہ نقطہ سمجھایا کہ بھائیوں کے ساتھ زیادتی کرنا جہالت کا کام ہے جس سے بچنا چاہیے۔

ان کی معذرت و معافی اور شرمندگی و شرمساری سے پہلے ہی گویا انھیں معافی کی تسلی دے دی کہ یہ تم نے اس وقت کیا جب تم نادان تھے۔ یہ اصلاح اور تربیت کے انداز ہیں، جہاں قدم قدم نرمی اور لمحہ لمحہ محبت کی فراوانی ہونی چاہیے۔ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا غالب ہو کہ انتقام اور نفرت کے سارے جذبے اس کے سامنے کمزور اور بے بس ہو جائیں۔ معلوم ہوا نرم روی اور شستہ لہجہ دعوت کے میدان میں ایسا طریقہ ہے جو پتھر دل اور سخت طبیعت انسان کو بھی پگھلا کر مسحور کر دیتا ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے عائشہ! بیشک اللہ تعالیٰ مہربان و شفیق ہے اور وہ تمام معاملات میں مہربانی و شفقت ہی کو پسند کرتا ہے۔“ [۱]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے عائشہ! بیشک اللہ تعالیٰ مہربان و شفیق ہے اور مہربانی و شفقت ہی کو پسند کرتا ہے اور شفقت و نرمی (یعنی خوش خلقی) پر وہ چیزیں (دنیا و آخرت میں) دیتا ہے جو سختی کرنے پر نہیں دیتا اور نہ کسی دوسرے فعل پر عطا فرماتا ہے۔“ [۲]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بیشک نرمی جس چیز میں بھی

۱۔ [بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب إذا عرض الذمی۔۔ الخ: ٦٩٢٧]

۲

ہوتی ہے وہ اسے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اسے برا کر دیتی ہے۔“ (۱)

سیدنا ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ دوڑے کہ اسے تنبیہ کریں، مگر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو، کیونکہ تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی و تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔“ (۲)

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔“ (۳)

برادران یوسف نے اس موقع پر غیر متوقع گفتگو سنی تو چونکے اور لب ولہجہ پر غور کر کے ایک دم پکار اٹھے کہ ”کیا آپ واقعی یوسف ہیں؟“ وہ حیرانی کے عالم میں تھے کہ ہم تو ”عزیز مصر“ کے دربار میں کھڑے ہیں، اس سے باتیں کر رہے ہیں، اپنی عرضداشت پیش کر رہے ہیں یہ بے محل یوسف کا ذکر کیسا؟ صورت و شکل اور گفتگو کے طرز و انداز کو اب دوسری نیت سے دیکھا تو یوسف کی شکل نگاہ کے سامنے پھر گئی اور سمجھ گئے کہ بلا شبہ یہ یوسف ہے مگر حالت موجودہ کے پیش نظر قدرتی طور پر یہ جرأت نہیں ہوئی کہ یہ کہ اٹھیں کہ ”تو یوسف ہے۔“ بلکہ ایسے موقع کے مناسب لب ولہجہ سے کہنے لگے کیا آپ واقعی یوسف ہیں؟ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ عزیز کی زبان سے یہ بات ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کی طرح آ گئی اور وہ اپنے

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق:۲۵۹۴]

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):یسّروا ولا تعسّروا:۶۱۲۸]

۳۔[مسلم، کتاب الجهاد، باب فی الأمر بالتيسير وترك التنفير:۱۷۳۳]

رشک کے جذبات اور یوسف کے خواب اور کنوئیں میں گرانا اور اپنی ساری بدسلوکیاں ایک ایک کر کے ان کے سامنے آنے لگیں اور ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ یوسف کا خواب تو جھوٹا نہیں ہے ادھر اس طرح کے خیالات نے سکوت طاری کیا ہوا تھا اور ادھر یوسف فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا احسان کیا اور پھر جو شخص بھی برائیوں سے بچے اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کا اجر کبھی ضائع نہیں فرماتا بلکہ پورا پورا ادا کرتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔" (۱)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے (سوال کی مصیبت سے) بچا لیتا ہے اور جو بے نیازی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔" (۲)

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿٩١﴾ قَالَ
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم۔۔الخ: ۳۴/۲۵۶۴]

۲۔[بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الاستعفاف عن المسألۃ: ۱۴۶۹۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل التعفف والصبر۔۔الخ: ۱۰۵۳]

بَصِيۡرًا ۚ وَاۡتُوۡنِىۡ بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۹۳﴾

بولے اللہ کی قسم! بیشک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بیشک ہم خطاوار تھے۔(۹۱) (یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ آج کے دن تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔(۹۲) یہ میرا کرتہ لے جاؤ پھر اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، ان کی بینائی پلٹ آئے گی اور اپنے تمام گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔(۹۳)

حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کو پتہ چل گیا کہ عزیز مصر جو ہمیں غلہ دیتا رہا ہے یہ تو ہمارا بھائی یوسف ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈالا تھا' پہلے دوبار جو غلہ لینے کے لیے آئے تھے یوسف (علیہ السلام) کو نہ انہوں نے پہچانا تھا اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ یہ شخص ہمارا بھائی یوسف ہوسکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ کے چکر میں جب بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ یوسف ہے تو آنکھیں نیچی ہوگئیں اور حضرت یوسف (علیہ السلام) پر جو اللہ نے احسان فرمایا اس کے اقرار کے ساتھ اپنے جرم کے اعتراف کے بغیر چارہ نہ رہا لہٰذا ان کی زبان سے یہ نکلا (تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا لَخٰطِئِيۡنَ) (اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دے دی اور فضیلت اور برتری سے نواز دیا اور بلاشبہ ہم خطاکار رہیں) یہاں صرف اقرار جرم کا ذکر ہے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے لیکن بلند اخلاق کریم النفس لوگوں کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے ان

کے نزدیک جرم کا اقرار کرلینا ہی معافی مانگنے کے درجے میں ہوتا ہے' حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنی طرف سے تو معاف کیا ہی تھا اللہ تعالیٰ سے بھی ان کے لیے مغفرت کی یوں دعا کردی (يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ وَهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ) (اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے)

جب حقیقت کھل گئی تو بھائیوں نے حضرت یوسف کی بڑائی کو تسلیم کرتے ہوئے کھلے طور پر اپنی غلطی کا اقرار کرلیا۔ دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اس عالی ظرفی کا ثبوت دیا جو ایک سچے خدا پرست کو ایسے موقع پر دینا چاہیے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو کوئی ملامت نہیں کی۔ انہوں نے ماضی کے تلخ واقعات کو اچانک بھلادیا اور بھائیوں سے دوبارہ تعلقات استوار کرلیے۔

اس واقعہ میں انفرادی نصرت کے ساتھ اجتماعی نصرت کی مثال بھی موجود ہے۔ اسی کے ذریعہ وہ حالات پیدا ہوئے کہ بنی اسرائیل فلسطین سے نکل کر مصر پہنچیں اور وہاں عزت اور خوش حالی کا مقام حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان کا خاندان مصر منتقل ہوگیا اور تقریباً پانچ سو سال تک وہاں عزت کے ساتھ رہا۔ بائبل کے بیان کے مطابق سب افراد خاندان جو اس موقع پر مصر گئے۔ ان کی تعداد 72 تھی۔

علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

تثریب کا معنی ہے کسی شخص کو اس کا برا کام یاد دلا کر اس کو ملامت کرنا اور عار دلانا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ میں آج کے بعد تم کو تمہاری زیادتیوں پر کبھی ملامت نہیں کروں۔ ابن الانباری نے کہا: آ نے اس طرف اشارہ کیا کہ آج کے دن معاف کرنے والا پہلا وقت ہے اور آپ

جیسے شخص کا منصب یہ ہے کہ وہ دوبارہ انہیں ان کا قصور یاد نہ دلائے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو گھوڑوں پر سوار کرا کر روانہ کیا، (الی قولہ) پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ گیا اس کو امان ہے، اور جس نے ہتھیار ڈال دیے اس کو امان ہے، قریش کے سردار کعبہ میں داخل ہوئے اور ان سے جگہ تنگ ہوگئی، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کعبہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دروازہ کے دونوں چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہوگئے، اور لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے لگے، اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ پر آئے اور دروازہ کی چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہوئے اور آپ نے (مشرکین مکہ سے) فرمایا: تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ ہمارے برادر زادا اور عم زاد ہیں اور انہوں نے یہ تین مرتبہ کہا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں اس طرح کہتا ہوں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھوارحم الراحمین۔ آج تمہیں کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

پھر مشرکین مکہ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے جیسے ان کے پیروں کی بیڑیاں کھول دی گئی ہوں۔

حضرت یوسفؑ کی قمیص سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کا روشن ہونا

(۱)

جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کو پہچان لیا تو حضرت یوسف نے ان سے اپنے باپ کا حال پوچھا، بھائیوں نے بتایا کہ ان کی بینائی جاتی رہی ہے، تب حضرت یوسف نے ان کو اپنی قمیص دی اور کہا: یہ قمیص میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

امام عبدالرحمن بن محمد رازی المعروف بابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

مطلب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی قمیصوں میں سے ایک قمیص پہنائی تھی، حضرت ابراہیم نے یہ قمیص حضرت اسحاق کو پہنائی اور حضرت اسحاق نے وہ قمیص حضرت یعقوب کو پہنائی اور حضرت یعقوب نے وہ قمیص حضرت یوسف کو پہنائی، پھر انہوں نے اس قمیص کو لپیٹ کر ایک چاندی کی نلکی میں رکھا اور اس کو حضرت یوسف کے گلے میں ڈال دیا، جس وقت حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا گیا اور جب ان کو قید میں رکھا گیا اور جس وقت ان کے پاس ان کے بھائی آئے، ان تمام اوقات میں وہ نلکی ان کے گلے میں تھی اور اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے اس نلکی سے یہ قمیص نکال کر بھائیوں کے حوالے کی اور کہا: میری اس قمیص کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، ابھی وہ قمیص فلسطین کے علاقہ کنعان میں تھی کہ حضرت یعقوب نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہودا نے کہا: پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس میں خون آلود قمیص لے کر گیا تھا اور میں نے کہا تھا

۱۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ج۹، ص۱۱۸، مطبوعہ ملتان سبل الہدیٰ والرشاد، ج۵ ص۲۴۲، مطبوعہ بیروت)

کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا، اب اس قمیص کو بھی میں لے کر آؤں گا اور یہ بتاؤں گا کہ یوسف زندہ ہیں، جس طرح پہلے میں نے ان کو رنجیدہ کیا تھا اسی طرح اب میں جا کر ان کو خوشخبری دوں گا۔ (۱)

ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کپڑوں اور آپ کے بالوں سے بیماروں کا شفایاب ہونا اور دیگر برکتیں:

حضرت اسماء کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اسماء کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مطلقاً ریشم کو حرام کہتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا جبہ ہے، انہوں نے ایک طیالیسہ کسروانیہ جبکہ نکالا جس میں ریشم کے پیوند لگے ہوئے تھے اور اس کے سامنے اور پیچھے کے چاک پر یا آستینوں پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوتئے تھے۔ حضرت اسماء نے کہا: یہ جبہ حضرت عائشہ کے پاس تھا، جب وہ فوت ہوگئیں تو میں نے اس پر قبضہ کرلیا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو پہنا کرتے تھے، ہم بیماروں کے لیے اس کو دھوتے اور اس (کے غسالہ، دھوون) سے ان کے لیے شفا طلب کی جاتی ہے۔ (۲)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم آپ کے جبہ کو دھو کر اس کا دھوون بیماروں کو پلاتے تھے اور ان کے بدنوں پر ملتے تھے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفا عطا فرماتا تھا۔ (۳)

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۱۹۶، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱٤۱۷ھ)

۲۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۹، مسند احمد ج ٦ ص ۳٤۷، ۳٤۸، طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷٤۸۱، طبع عالم الکتب بیروت)

۳۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۳٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض بن موسیٰ متوفی ٥٤٤ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالقاسم بن میمون بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا، ہم بیماروں کے لیے اس میں پانی ڈالتے تھے اور وہ اس سے شفا حاصل کرتے تھے۔ (١)

علامہ خفاجی نے لکھا ہے: بیمار اس پیالہ میں پانی ڈال کر پیتے تھے اور شفا طلب کرتے تھے اور اس کو پینے سے آپ کے آثار کی برکت سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی۔ (٢)

عثمان بن عبداللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے ایک برتن میں پانی ڈال کر مجھے حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا، اسرائیل نے تین انگلیوں کو ملایا یعنی وہ چاندی سے ملمع کی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی تین انگل جتنی، اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک بالوں میں سے کچھ بال تھے، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اس کو اور کوئی بیماری ہوجاتی تو وہ آپ کے پاس ایک برتن بھیج دیتا۔ میں نے گھنٹی کی شکل کی ایک ڈبیا دیکھی اس میں سرخ رنگ کے بال تھے۔ (٣)

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ٨٥٢ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہوجاتا وہ حضرت ام سلمہ کے پاس ایک برتن بھیجتا وہ اس برتن میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ان مبارک بالوں کو رکھتیں پھر اس برتن میں پانی ڈالتیں اور ان کا دھوون اس بیمار کو پلاتیں، یا وہ آدمی شفا طلب کرنے کے لیے اس پانی سے غسل کرتا اور اس کو اس پانی کی

١۔ (الشفاء ج ١ ص ٢٤٦، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

٢۔ (نسیم الریاض ج ٣ ص ١٣٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

٣۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٨٩٦، مشکوۃ رقم الحدیث: ٤٥٦٨)

برکت حاصل ہوتی۔ (۱)

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

اور جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر تم مجھے یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی بو آرہی ہے۔ (۹۴) وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! آپ اپنی پرانی غلطی میں مبتلا ہیں۔ (۹۵) پھر جب خوش خبری سنانے والا آپہنچا اور اس نے وہ قمیص ان کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ فوراً بینا ہو گئے، یعقوب نے

۱۔(فتح الباری ج ۱۰، ص ۳۵۳، مطبوعہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۹۶) بیٹوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، بیشک ہم خطا کار تھے۔(۹۷) یعقوب نے کہا میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا، بیشک وہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔(۹۸)

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پالینا

ابن ابی الہذیل نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ابھی حضرت یوسف کا قافلہ حضرت یعقوبؑ سے آٹھ راتوں کی مسافت کے فاصلہ پر تھا کہ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسف کی خوشبو آ گئی۔ ابن ابی الہذیل نے دل میں کہا یہ اتنا فاصلہ ہے جتنا بصرہ سے کوفہ تک کا فاصلہ ہے۔[۱]

مصر سے بیت المقدس کے قریب یہ مقام تھا۔ایک قول ہے کہ وہ جزیرہ تھا۔

اور مصر سے کنعان آنے کا راستہ آٹھ دن کا تھا بروایت ابن عباسؓ۔اور حسن اور ابن جریج رحمہم اللہ فرماتے ہیں اسی فرسخ کا فاصلہ تھا۔اور بروایت حسنؒ دوسرا قول ہے کہ تیس دن کی مسافت پر تھا۔ایک قول ہے دس رات کی مسافت پر تھا۔تو اتنی بعد، مسافت پر حضرت یعقوب (علیہ السلام) کو وہ خوشبو پہنچ

۱۔(جامع البیان، رقم الحدیث:۰ ۱۵۰۱۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۱۹۶۱)

گئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت یوسفؑ، حضرت یعقوبؑ کے گھر کے قریب کنوئیں میں تھے تو آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو نہیں آئی تو پھر اتنے فاصلے سے آپ کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو کیسے آ گئی؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں حضرت یوسفؑ کا معاملہ حضرت یعقوبؑ سے مخفی رکھا تھا، تاکہ حضرت یوسف مکمل مصیبت میں گرفتار ہوں اور اس پر صبر کرنے سے حضرت یوسف کو اس مصیبت کا اور حضرت یعقوبؑ کو ان کی جدائی کا پورا پورا اجر ملے اور جب مصیبت اور جدائی کے ایام ختم ہو گئے اور کشادگی اور فرحت کا دور آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فاصلہ کے زیادہ ہونے کے باوجود ان کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو پہنچا دی۔

۲۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا وہ قمیص ایک چاندی کی نلکی میں تھی اور وہ نلکی حضرت یوسفؑ کے گلے میں تھی، جب اس قمیص کو اس نلکی سے نکالا تو جنت کی خوشبوئیں فضا میں پھیل گئیں اور جب وہ مانوس خوشبوئیں ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر حضرت یعقوبؑ تک پہنچیں تو انھوں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو ہے اور جب حضرت یوسفؑ کنوئیں میں تھے تو وہ قمیص نلکی میں بند تھی اور اس کی ہوائیں حضرت یعقوبؑ تک نہیں پہنچیں تھیں۔

۳۔ صبا (مشرق سے مغرب کی طرف چلنے والی ہوا) نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تھی کہ خوشخبری دینے والے سے پہلے وہ حضرت یوسفؑ کی خوشبو حضرت یعقوبؑ تک پہنچا دے، تو اللہ عزوجل نے اس کو اجازت دے دی، یہی وجہ ہے کہ ہر غم زدہ تک جب باد صبا کے جھونکے پہنچے ہیں تو اس کی روح کو تازگی

محسوس ہوتی ہے۔ (۱)

تفندون کے معانی

حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا: لولا ان تفندون، اس لفظ کے پانچ معنی بیان کیے گئے ہیں:

۱۔مقاتلؒ نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم مجھ کو جاہل قرار نہ دو۔

۲۔عبداللہ بن ابی ہذیلؒ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: اگر تم مجھے بیوقوف نہ قرار دو۔

۳۔سعید بن جبیر اور ضحاکؒ نے کہا: اگر تم مجھے جھوٹا نہ قرار دو۔

٤۔حسن اور مجاہدؒ نے کہا: اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے زائل العقل نہ قرار دو۔

٥۔ابن قتیبہؒ نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم مجھے ملامت نہ کرو۔ (۲)

ضلال کے معانی:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ اپنی ضلال قدیم میں مبتلا ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کے بیٹے تو حضرت یوسف کے پاس گئے ہوئے تھے، یہاں بیٹوں سے مراد ان کے پوتے، نواسے اور دیگر مجلس کے حاضرین ہیں۔ ضلال کے اس جگہ تین معانی مراد ہو سکتے ہیں:

ا۔ضلال کے معنی شقاء ہیں یعنی آپ اپنی اسی پرانی بدبختی اور سختی میں گرفتار ہیں جس کی وجہ سے آپ حضرت یوسف کا غم جھیل رہے ہیں۔ مقاتل نے اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

فقالوا ابشر منا واحدا نتبعہ انا اذا لفی ضلال وسعر۔ (القمر: ۲٤) (قوم ثمود نے) کہا کیا ہم اپنوں میں سے

۱۔(زاد المسیر ج ٤، ص ۲۸٤)

۲۔(زاد المسیر ج ٤ ص ۲۸٥)

ہی ایک بشر کی پیروی کریں گے پھر تو ہم ضرور بدبختی اور عذاب میں گرفتار ہونگے۔

۲۔قتادہؒ نے کہا: آپ اپنی پرانی محبت میں گرفتار ہیں آپ یوسف کو نہیں بھولتے اور وہ آپ کے دل سے نہیں نکلتا۔اس معنی پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

انا ابانا لفی ضلال مبین۔(یوسف:۸) بیشک ہمارا باپ ضرور محبت کی کھلی وارفتگی میں ہے۔

۳۔جنون: قتادہ نے کہا: یہ بہت سنگین کلمہ ہے اور ان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے نبی کی شان میں ایسا کلمہ استعمال کرتے۔حسن بصری نے کہا: انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ ان کے اعتقاد میں حضرت یوسف فوت ہو چکے تھے اور حضرت یعقوبؑ ان کی محبت میں صحیح فکر سے ہٹ چکے تھے اور درحقیقت کہنے والے خود ضلال میں مبتلا تھے۔

حضرت یعقوبؑ کی بینائی کا لوٹ آنا

یہودا (یا لاوی) جب حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچا تو اس نے وہ قمیص آپ کے چہرے پر ڈال دی اور آپ اسی وقت بینا ہوئے۔آپ بہت خوش ہوئے اور آپ کا سارا غم جاتا رہا اور آپ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جن کا تم کو علم نہیں ہے۔حضرت یعقوب کو معلوم تھا کہ حضرت یوسف کا خواب سچا ہے اور اس کی تعبیر ضرور پوری ہوگی۔حضرت یعقوب نے بیٹوں سے پوچھا: یوسف کس دین پر ہے؟ انہوں نے بتایا: وہ دین اسلام پر ہے، تب حضرت یعقوب نے کہا: اب نعمت پوری ہوگئی۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی بصارت جب درست ہوگئی تو یہودا سے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حال پوچھا۔یہودا نے کہا حضور وہ مصر کے بادشاہ ہیں۔حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا مجھے

بادشاہی کا کیا کرنا ہے یہ بتاؤ کہ وہ کس دین اور ملت پر ہیں۔ یہودا نے عرض کیا وہ دین اسلام پر ہیں۔ آپ نے فرمایا: الحمد اللہ اب اللہ کی نعمت پوری ہوگئی۔ پھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے پچھلی رات نماز پڑھ کر اللہ عزوجل کے دربار میں برادران یوسف کے لیے بخشش مانگی وہ قبول ہوگئی اور اس کی خبر بذریعہ وحی آئی کہ ان کی دعا قبول ہوگئی۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) نے یہودا کو کہہ دیا تھا کہ ابا جان اور تمام اہل وعیال اور کنبہ کے سب افراد کو مصر لے آؤ اور یہودا وغیرہ برادران یوسف کے ساتھ دو دو سواریاں کوتل گھوڑوں کی بھیج دی تھیں اور بہت کچھ سامان بھی بھیجا تھا۔ آپ نے یہ پیام بشارت نظام سن کر اپنے تمام اہل وعیال کو جمع فرمایا تو کل مردوزن کی تعداد بہتر (۷۲) تھی۔

انہیں مصر کے اندر پہنچ کر اس قدر برکت ہوئی کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو چھ لاکھ سے زائد تھے جس کی تفصیل ہم اول لکھ آئے ہیں۔ باآن کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کے چار سو برس بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ جب حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنا قافلہ لے کر قریب مصر ہوئے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) کے مصر کے ملک اعظم کو اطلاع دی اور چار ہزار لشکری اور کافی مصری سوار ہمراہ لے کر آپ (علیہ السلام) اپنے والد ماجد کے استقبال کے لیے صد ہا ریشمی پھریرے اڑاتے قطاریں باندھے روانہ ہوئے۔

حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے فرزند یہودا کے ہاتھ کے سہارے تشریف لا رہے تھے جب آپ (علیہ السلام) کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا جنگل میں منگل ہے۔ تمام صحرا ازرق برق سواروں سے بھرا ہوا ہے تو آپ نے یہودا سے فرمایا کیا یہ فرعون مصر کا لشکر ہے۔ جو اس شان وشکوہ سے آرہا ہے۔

یہودا نے عرض کیا حضور یہ فرعونی لشکر نہیں بلکہ آپ کے نور نظر لخت جگر حضرت یوسف (علیہ السلام) کا لشکر ہے۔

برادران یوسف کا اپنے والد سے گناہ بخشوانے کی درخواست

حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے کہا: اے ہمارے باپ! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں، انہوں نے مغفرت کا اس لیے سوال کیا کہ انہوں نے حضرت یوسف پر بہت ظلم کیے تھے اور اپنے باپ کو ان کی جدائی کے رنج وغم میں مبتلا کیا تھا۔

اور جو شخص کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے خواہ اس کی جان میں یا اس کے مال میں وہ ظالم ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مظالم کی تلافی کرے، اس کا جو مال چھینا ہے وہ اس کو واپس کرے اور جو اس کو رنج پہنچایا ہے اس کا ازالہ کرے اور دنیا میں اس سے اپنا قصور معاف کرا لے۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے کسی کی عزت یا اس کی کسی اور چیز پر ظلم کیا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کی اس دن آنے سے پہلے تلافی کرے جس دن اس کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوا تو اس کے ظلم کے برابر وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اس اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے۔ [۱]

بیٹوں کے استغفار کو موخر کرنے کی وجہ:

یعقوبؑ نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری بخشش طلب کروں گا۔ اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۴۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۰۵۸۰)

حضرت یعقوب نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے لیے دعا کیوں نہیں کی اور اس کو موخر کس وجہ سے کیا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

ا۔امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطا اور عکرمہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میرے بھائی یعقوب نے کہا تھا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا، ان کا مطلب یہ تھا کہ حتی کہ جمعہ کی رات آجائے۔ [۱]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ آئے اور انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں، میرے سینہ سے قرآن نکل جاتا ہے اور میں اس کو یاد رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے ابوالحسن! کیا میں تم کو ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم کو نفع پہنچائیں اور جن کو تم وہ کلمات سکھاؤ ان کو بھی وہ کلمات نفع پہنچائیں، اور جو کچھ بھی تم یاد کرو وہ تمہارے سینہ میں محفوظ رہے۔ میں نے کہا ہاں! یارسول اللہ، آپ سکھایئے۔ آپ نے فرمایا: جب جمعہ کی شب ہو اگر تم سے ہو سکے تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قیام کرو، کیونکہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔ (یوسف: ۹۸) ان کی مراد یہ تھی کہ حتی کہ جمعہ کی رات آجائے، اگر تم سے ہو سکے تو اس رات کے وسط میں قیام کرو اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو اس رات کے اول میں قیام کرو، اور چار

ا۔(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۵۱۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

رکعات نماز پڑھو، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ یسین پڑھو اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ حم الدخان پڑھو اور تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ الم السجدہ پڑھو اور چوتھی رکعات میں سورہ فاتحہ اور سورہ تبارک الذی پڑھو، اور جب ان رکعات سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا کرو اور مجھ پر اور باقی انبیاء پر اچھی طرح درود شریف پڑھو، اور تمام مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کرو اور اپنے فوت شدہ مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرو پھر آخر میں یہ دعا کرو: اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے ہمیشہ گناہوں سے بچا کر مجھ پر رحم فرما اور فضول کاموں کی مشقت سے بچا کر مجھ پر رحم فرما، تو میرے جن کاموں سے راضی ہو مجھے ان میں حسن نظر عطا فرما۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابتدا پیدا کرنے والے، اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک، اے اللہ! اے رحمن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے حفظ کرنے پر میرے دل کو لازم کر دے جیسا کہ تو نے مجھے اس کتاب کی تعلیم دی ہے اور مجھے اس طرح اس کی تلاوت کی توفیق دے جس طرح تو راضی ہو، اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو ابدا پیدا کرنے والے۔ اے جلال، اکرام اور غیر متصور غلبہ کے مالک! اے اللہ! اے رحمن! میں تیرے جلال اور تیری ذات کے نور سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی کتاب کے پڑھنے کے ساتھ میری آنکھوں کو منور کر دے اور اس کی تلاوت سے میری زبان کو رواں کر دے اور اس سے میرے دل میں کشادگی کر دے اور اس سے میرے سینے کو کھول دے اور اس سے میرے بدن کو صاف کر دے، کیونکہ تیرے سوا میری حق پر کوئی مدد نہیں کر سکتا، اور نہ تیرے سوا کوئی حق کو لا سکتا ہے اور گناہوں سے پھرنا اور نیکیوں کو کرنا اللہ بلند و برتر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے، اے ابوالحسن! تم تین یا پانچ یا سات جمعہ تک یہ عمل کرنا، اللہ کے اذن سے تمہاری دعا قبول ہوگی، اس

ذات جس کی قسم! جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے یہ دعا کسی مومن سے تجاوز نہیں کرے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! پانچ یا سات جمعہ گزرے تھے کہ حضرت علی ایسی ہی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! پہلے میں چار یا پانچ آیتیں بہ مشکل یاد کرتا تھا، جب میں ان کو یاد کرتا تو وہ میرے سینے سے نکل جاتی تھیں اور اب میں چالیس یا اس سے زیادہ آیتیں حفظ کر لیتا ہوں اور جب میں ان کو زبانی پڑھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے سامنے کتاب اللہ موجود ہے، اور پہلے میں حدیث سنتا تھا تو میرے سینہ سے نکل جاتی تھی اور اب میں احادیث سنتا ہوں اور پھر ان کو بیان کرتا ہوں تو ان سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! اے ابوالحسن! میں اس پر یقین کرتا ہوں۔ (۱)

۲۔ ان سے جلدی دعا کرنے کا وعدہ کر کے ان کو اٹھا دیا، عطا خراسانی نے کہا: بوڑھوں کی بہ نسبت جوانوں سے حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش طلب کروں گا۔

۳۔ شعبی نے کہا: حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کو اس لیے موخر کر دیا تھا کہ وہ حضرت یوسف سے پوچھ لیں، اگر انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو وہ ان کے لیے استغفار کریں گے۔ (۲)

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۰، مطبوعہ دار الجیل بیروت، ۱۹۹۸ء)

۲۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۲۷۷، ۲۷۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا
مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا
لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ
جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ
وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ
اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾ ﴾

پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو خاص اپنے پاس ٹھکانا دیا اور (اپنے سب کنبے والوں سے) کہا، آپ سب مصر میں داخل ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن و امان سے رہو گے۔(۹۹) اور حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب حضرت یوسف (علیہ السلام) کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا، اے میرے ابا جان! یہ میرے اس خواب کی

تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔ اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا، بیشک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر فرماتا ہے بیشک وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔ (۱۰۰)

اس طرح حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے سارے خاندان کو لے کر کنعان سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے اور تاریخ نے یہ مہر ثبت کر دی کہ آج بنی اسرائیل کنعان سے آ کر مصر میں آباد ہو گئے چنانچہ تورات میں بھی اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"اور یہی ذکر فرعون کے گھر بھی سنا گیا کہ یوسف کے بھائی آئے اور اس سے فرعون اور اس کے چاکر بہت خوش ہو گئے اور فرعون نے یوسف سے کہا کہ اپنے بھائیوں کو کہو تم یہ کام کرو اپنے جانور لاد کر ملک کنعان کی سرزمین میں جا پہنچو اور اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لاؤ میں تم کو مصرف کی سرزمین کی اچھی چیزیں دوں گا اور تم اس سرزمین کے تحائف کھاؤ گے، اب تجھے حکم ملا تو ان کو کہہ کہ تم یہ کرو کہ اپنے لڑکوں اور اپنی جوروؤں کے لیے مصر کی زمین سے گاڑیاں لے جاؤ اور اپنے باپ کو لے آؤ اور اپنے اسباب کا کچھ افسوس نہ کرو کیونکہ مصر کی ساری زمین کی خوشی تمہارے لیے ہے اور اسرائیل کے فرزندوں نے یہی کیا اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا وہ اپنے بیٹوں اور اپنے بیٹوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنے بیٹوں کی بیٹیوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی

بیٹیوں اور اپنے بیٹوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسلک وا اپنے ساتھ مصر میں لا یا سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے بہتر (72) جانیں تھیں۔ ①

جب یوسف (علیہ السلام) کو اطلاع ہوئی کہ ان کے والدین اپنے خاندان سمیت شہر کے قریب پہنچ گئے تو وہ فوراً استقبال کے لیے باہر نکلے۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے جب مدت دراز کے بچھڑے ہوئے لخت جگر کو دیکھا تو سینہ سے چمٹا لیا اور جب یہ مسرت افزاء اور رقت آمیز ملاقات ہو چکی تو یوسف (علیہ السلام) نے والد سے عرض کیا کہ آپ عزت و احترام اور امن و حفاظت کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

فرقد السبخی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کے چہرے پر قمیص ڈالی گئی تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور انہیں بتایا کہ حضرت یوسف نے ان سب کو بلایا ہے، پھر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے بھائی مصر کی طرف روانہ ہوئے، جب حضرت یوسف کو یہ خبر پہنچی کہ وہ مصر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور ان کے ساتھ مصر کے تمام سردار معزز لوگ تھے۔ جب یعقوب اور حضرت یوسف ایک دوسرے کے قریب پہنچے، اس وقت حضرت یعقوب اپنے بیٹے یہوذا کے سہارے چل رہے تھے، جب حضرت یعقوب نے حضور یوسف کے ساتھ گھوڑوں پر سوار سرداروں اور معززین کو دیکھا تو یہوذا سے پوچھا: کیا یہ مصر کا بادشاہ ہے؟ اس نے کہا: نہیں یہ آپ کا بیٹا ہے! جب دونوں ملنے کے قریب ہوئے تو حضرت یوسف نے سلام میں پہل کرنا چاہی تو ان کو منع کیا گیا اور ان سے

۱۔(پیدائش ۴۵ آیات ۱۶، ۲۰ و باب ۴۶ آیات ۷ تا ۲۷)

کہا گیا کہ یعقوب سلام کی ابتدا کرنے کے مستحق ہیں، تب حضرت یعقوب نے کہا: تم پر سلام ہو، اے مجھ سے رنج وغم کو دور کرنے والے۔ [1]

ربیع بن انس نے کہا: جب حضرت یعقوب مصر گئے تھے تو ان کے بیٹوں پوتوں اور پر پوتوں کی تعداد بہتر تھی پھر جب ان کی اولاد حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلی تو اس وقت کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ [2]

یاد رہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی اس ملک کا نام مصر تھا۔ اس کے سب سے بڑے شہر کا نام بھی مصر ہے جو اس ملک کا قدیم سے دارالخلافہ ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) دن رات اس انتظار میں تھے کہ والد گرامی کس دن تشریف لاتے ہیں۔ جونہی انہیں معلوم ہوا کہ والد گرامی کا قافلہ مصر شہر کی حدود میں داخل ہونے والا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) اپنے عملہ سمیت استقبال کے لیے پہلے سے وہاں موجود تھے۔ والد گرامی سے بغل گیر ہوتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی منظر کشی کرنے کے بجائے اسے فطری تصور کے حوالے کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی مدت کے بعد باپ بیٹے کی ملاقات زندگی کے ایسے موڑ پر ہو رہی ہے کہ بیٹا نہ صرف دنیا کی عظیم مملکت کا فرمانروا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تاج نبوت سے بھی نواز رکھا ہے۔ ایسے موقعہ پر جذباتی کیفیت سے وہی واقف ہو سکتے ہیں جن کو کسی نہ کسی انداز میں اولاد کی جدائی کا صدمہ پہنچا ہو۔ مصافحہ، معانقہ اور محبت وعقیدت کا اظہار کرنے کے بعد یوسف (علیہ السلام) اپنے والد گرامی سے عرض کرتے ہیں میرے عظیم باپ آئیں شہر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ انشاء اللہ ہر جانب سے امن وامان، عزت واقبال، سکون اور اطمینان پائیں گے۔ گویا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے خداداد صلاحیتوں سے مصر کو امن وامان اور خوشحالی کا گہوارا

۱۔(الجامع لاحکام القرآن، رقم الحدیث: ۱۵۱۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۰ھ)

۲۔(تفسیر امام بن ابی حاتم ج ۷، رقم الحدیث: ۱۱۹۸۸)

بنا دیا تھا۔ شاندار استقبال کے ساتھ حضرت یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی زوجہ مکرمہ جو حضرت یوسف (علیہ السلام) کی حقیقی والدہ ہیں مصر کے پایہ تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ برادران یوسف (علیہ السلام) سامنے براجمان ہوتے ہیں۔ جونہی حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے مسند اقتدار پر تشریف رکھتے ہیں تو ان کے والدین اور بھائی ان کے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ جب سب نے یوسف (علیہ السلام) کو سجدہ کیا تو حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے باپ سے عرض کرنے لگے۔ اے میرے عظیم باپ! بچپن میں جو میں نے خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے میرے رب نے اسے حرف بہ حرف حقیقت بنا دیا ہے اور مجھ پر احسان کر کے مجھے جیل سے نکال کر اس منصب تک پہنچایا ہے۔ اسی رب نے آپ کو صحرا سے لا کر مجھ سے ملایا ہے۔ حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دوری پیدا کر چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب نہایت ہی لطیف انداز میں اپنی مشیت پوری کرنے والا ہے۔ کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے اور اس کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے مقدس الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اب تک اپنے والد کے بغیر خواب کسی کے سامنے بیان نہیں کیا تھا۔ تبھی تو فرما رہے ہیں کہ والد محترم یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں آپ کے سامنے بیان کیا تھا۔ پھر اپنے جیل جانے کا واقعہ بیان کیا۔ لیکن بھائیوں کے کنویں میں پھینکنے کے واقعہ کو بیان کرنے کی بجائے صرف اشارہ کیا ہے شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان نزاع ڈال چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی سازش کو ناکام فرما کر ہمیں ملایا اور ہمارے دلوں میں محبت پیدا فرما دی ہے۔ سجدہ سے مراد جھکنا بھی ہو سکتا ہے لیکن قرآن مجید نے سجدہ کے ساتھ خَرُّوْا کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ جس کا صاف معنی ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے والدین اور بھائیوں نے ان

کے حضور سجدہ کیا تھا۔ یہ سجدہ تعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ اسی شاہی پروٹوکول کا خیال رکھتے ہوئے حضرت یوسف (علیہ السلام) کے والدین ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر یوسف (علیہ السلام) کے بھائی بھی سجدہ ریز ہو گئے۔ یاد رہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ ہمارے دین میں بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

تعظیمی سجدہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی نظر میں

"جب فرشتوں نے آدم (علیہ السلام) کی وسعت علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگار عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنٰی ہے "وضع الجبھۃ علی الأرض" پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنٰی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنٰی مراد ہے۔

یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت و احترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام

ہے۔"[1]

﴿ رَبِّ قَدۡ اٰتَيۡتَنِىۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَعَلَّمۡتَنِىۡ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ‌ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ أَنۡتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ۚ تَوَفَّنِىۡ مُسۡلِمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾

(پھر یوسف علیہ السلام نے دعا کی) اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت سے بہرہ مند کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھانا اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔

حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے پاس چوبیس سال رہے، پھر ان کی وفات ہوگئی، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کو شام میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت یوسف ان کی میت کو لے کر خود شام گئے، پھر مصر لوٹ آئے اور اس کے بعد تئیس سال تک زندہ رہے، پھر جب انہوں نے جان لیا کہ انہوں نے ہمیشہ نہیں رہنا اور بہر حال اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے تو انہوں نے یہ دعا کی۔[2]

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ ' حضرت یعقوبؑ سے کتنی مدت جدا رہے' علماء کے اس سلسلہ میں

۱۔[ضیاء القرآن، جلد اول، البقرہ:۳٤]

۲۔(غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ٤ ص ۱۲٦، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱٤۱٦ھ)

مختلف اقوال ہیں۔کلبیؒ نے کہا: ۲۲ سال جدا رہے۔بعض نے ۴۰ سال مدت جدائی بیان کی۔حسن بصری نے کہا: ۱۷ سال کی عمر میں کنویں میں ڈالے گئے اور باپ سے اسی برس غائب رہے اور حضرت یعقوب کی ملاقات کے بعد ۲۳ سال جیئے اور ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔تورات میں آپ کی عمر ۱۱۰ سال ذکر کی گئی ہے۔راجع قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام مدت جدائی ۴۰ سال تھی اور عمر مبارک ۱۱۰ سال تھی۔

بائبل کے بمطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی فوطفرع کی بیٹی آسِناتھ سے ہوا اس سے آپ کے دو بچے ہوئے: افرائیم اور منسی۔افرائیم کی نسل میں سے یوشع بن نون، خادم حضرت موسیٰؑ ہوئے۔۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف ساٹھ سال یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہے، بہرحال وفات کے وقت (برقول صحیح) آپ کی عمر ۱۱۰ برس تھی۔اہل مصر نے سنگ مرمر کے ایک تابوت میں بند کر کے نیل میں آپ کو دفن کر دیا۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کی وفات کے بعد ہر محلے والوں نے اپنے محلہ میں آپ کو دفن کرنا چاہا تا کہ اس محلے والوں کو برکت حاصل ہو۔اختلاف اتنا بڑھا کہ باہم جنگ ہونے اور لڑنے مرنے کا اندیشہ ہو گیا۔آخر سب نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو نیل کے اندر دفن کر دیا جائے۔نیل کا پانی پورے شہر میں پھیلتا تھا، اس طرح آپ کی برکت سے پورا شہر بہرہ اندوز ہو گا۔

عکرمہؒ نے کہا: نیل کے دائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ جانب بہت سرسبز اور غلہ آفریں ہو گیا اور دوسرا جانب خشک ہو گیا، پھر آپ کو دائیں جانب سے نیل کے بائیں جانب منتقل کیا گیا تو دایاں جانب سوکھ گیا اور بایاں جانب سرسبز ہو گیا۔آخر نیل کے وسط میں دفن کر دیا، اس طرح نیل

کے دونوں رخ سرسبز ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ تک آپ کی قبر نیل ہی میں رہی، پھر حضرت موسیٰ نے آپ کا تابوت نیل سے نکلوا کر ملک شام کو منتقل کیا اور باپ دادا کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم نے بحوالہ عروہ بن زبیر بیان کیا کہ اللہ نے جب حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر (شام کو) لے جاؤ تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا تھا کہ حضرت یوسف کی ہڈیاں بھی ساتھ لے جانا، مصر کی زمین میں نہ چھوڑنا بلکہ ارض مقدسہ میں لے جا کر دفن کر دینا۔ حضرت موسیٰ نے تلاش کی کہ کوئی حضرت یوسف کی قبر کا نشان جاننے والا مل جائے۔ تلاش کے بعد صرف ایک بڑھیا اسرائیلی ملی جس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! میں حضرت یوسف کی قبر کا مقام جانتی ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں اور سرزمین مصر میں چھوڑ کر نہ جائیں تو میں آپ کو قبر بتا دوں گی۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: میں تیری خواہش کے مطابق کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جس وقت چاند نکلے گا، اس وقت یہاں سے روانہ ہوں گے (چاند نکلنے کا وقت آ گیا اور حضرت یوسف کا تابوت اس وقت تک آپ برآمد نہ کر سکے، اسلئے) آپ نے اللہ سے دعا کی کہ چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو جائے (تاکہ وعدہ خلافی نہ ہو) دعا قبول ہو گئی اور چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو گئی، پھر بڑھیا آپ کو اپنے ساتھ لے گئی اور نیل کے پانی کے اندر ایک طرف کو حضرت یوسف کی قبر دکھا دی جس کے اندر سے ایک مرمر کا صندوق حضرت موسیٰ نے نکلوا لیا اور اس کو اٹھا کر لے گئے۔

حضرت یوسف کے بعد عمالقہ کے خاندان میں پے در پے مصر کے فرعون ہوتے رہے اور بنی اسرائیل ان کے زیر حکم رہے مگر حضرت یوسف کے مذہب پر قائم رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور آپ کے ہاتھ سے اللہ نے فرعون کو ہلاک کرایا۔

حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے سامنے بھائیوں کا جھکنا دیکھ کر اکڑتے اور اس بات پر اتراتے نہیں بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے کہتے ہیں میرے رب یہ تیرے کرم کا نتیجہ ہے کہ تو نے مجھے بڑی بڑی مصیبتوں سے نکال کر دنیا کی عظیم مملکت کا حکمران بنایا۔ تو نے ہی مجھے خوابوں کی تعبیر اور معاملات کی فہم عطا فرمائی۔ اے میرے رب میں جو کچھ بھی ہوں تیرے کرم سے ہوں۔ تو میری دنیا اور آخرت کے کاموں کا والی اور مختار ہے۔ جو کچھ مجھے عطا ہوا بغیر مانگے عطا ہوا۔ میری تیرے حضور یہ فریاد ہے کہ مجھے مسلمان رکھنا، اسی حالت میں فوت کرنا اور صالحین کے ساتھ اٹھانا۔ اس دعا پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کا واقعہ ختم ہوتا ہے۔ اسی عقیدہ اور عمل پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کا خاتمہ ہوا۔ اور یہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے اسی پر مسلمان کی موت آنی چاہیے۔ (الٰہی ! مجھے بھی ایسی موت نصیب فرما۔ آمین۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ ﴾

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب انہوں نے ایک متفقہ فیصلہ کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے۔

نبی کریم (علیہ السلام) کی نبوت کی دلیل

حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے خاندان کی یہ سرگزشت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہزاروں سال پہلے کی ہے۔ جب برادرانِ یوسف آپ (علیہ السلام) کیخلاف باہم مشورہ کررہے تھے اور کوئی قتل کا مشورہ دے رہا تھا اور کوئی کنویں میں پھینکنے کا۔ تو بالآخر وہ اپنی ایک رائے پر جمع ہو گئے کہ انھیں کنویں میں پھینک دیا جائے۔ اور یہ درحقیقت ایک سازش تھی کہ انھیں ختم کردیا جائے تاکہ باپ کی تمام توجہ ہماری طرف ہوجائے۔ جب یہ سب کچھ ہورہا تھا تو اے پیغمبر آپ تو ان کے پاس نہیں تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جان سکتے کہ انھوں نے کیا مشورے کیے اور کیا فیصلہ کیا۔ یہ تو بالکل ایک ایسی داستان ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احاطہ علم سے باہر کی چیز ہے۔ اگر جو اس کا ذکر بائبل میں کیا گیا ہے لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چونکہ امی محض ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسے پڑھ کر بھی معلوم نہیں کرسکتے تھے اور عرب کے رہنے والے بھی ان باتوں سے قطعاً ناواقف تھے کیونکہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے عربوں کو کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اس کے باوجود آپ نے ان کے سوال کرنے پر ایک ہی نشست میں ان کے سامنے جس طرح تاریخ کے کئی ابواب کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ کتنی باتیں ہیں جس میں آپ نے بائبل کی اصلاح کی ہے۔ اور کتنے حکمت کے موتی ہیں جن سے بائبل خاموش ہے۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خاص طور پر ان پر زور دیا ہے۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے کہ ادھر قریش نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا اور ادھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سوال کے جواب میں حیرت انگیز طور پر تاریخ کھول

کر ان کے سامنے رکھ دی جبکہ پورے جزیرہ عرب میں اس کا جاننے والا کوئی نہ تھا اور کتنی ہی باتیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسی بیان کیں جس سے بائبل خاموش تھی یا اس کا بیان غلط تھا۔

﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ ﴾

اور بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ کتنی ہی خواہش رکھیں ۔(۱۰۳) اور آپ اس (تبلیغ) پر ان سے معاوضہ تو طلب نہیں کر رہے ہو۔ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔(۱۰۴)

قریش اور یہود نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائیوں کا قصہ دریافت کیا کیونکہ قریش جانتے تھے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی عالم کی شاگردی اختیار کی ہے اس لیے وہ اس قصہ سے یقیناً ناواقف ہیں لیکن جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس واقعہ کی اتنی مفصل خبر دی کہ جتنی تورات میں بھی نہیں تھی تو اب انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ آپ پر ایمان لے آتے لیکن جب وہ ایمان نہ لائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی ان میں سے اکثر تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نے لائے والے نہیں ہیں، لہٰذا آپ ان کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔ [1]

۱۔(تفسیر زاد المسیر)

اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے سراسر غیب کی باتیں ہی تو ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی ایک ایک جزئیات پر تم اے پیغمبر اسلام! مطلع ہوتے اور پھر اس کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ آپ سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گزشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ بھی آپ کے لیے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا منکرین حق آپ کی سچائی کی یہ دلیل دیکھ کر ایمان لے آئیں؟ نہیں، تم کتنا ہی چاہو جو ماننے والے نہیں وہ کبھی بھی ماننے والے نہیں۔ گویا اس کے اندر دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کرکے تو دیکھے۔

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾ ﴾

اور آسمانوں اور زمین میں بہت سے نشانیاں ہیں جن پر وہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کئے ہوئے ہیں۔ (١٠٥)

مشرکین کے ایمان نہ لانے کا حقیقی سبب

گزشتہ رکوع کے اختتام پر حضرت یوسف (علیہ السلام) کے واقعات بھی اختتام کو پہنچ گئے۔ سوال بنی اسرائیل اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں تھا۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسی رکوع کے اختتام پر سورہ یوسف (علیہ السلام) ختم کر دی جاتی لیکن مزید ایک رکوع کا اضافہ ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ

قرآن کریم انبیائے کرام کے واقعات یا تاریخی قصص کو تاریخ کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے اور اس میں آنے والی ہر بات انسانوں کی ہدایت کے لیے ہوتی ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی سرگزشت از اول تا آخر عبرت و موعظت کا مرقع ہے۔ واقعات کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی ایک ایک سطر بولتی ہوئی نصیحت ہے۔ چنانچہ اسی تناظر میں واقعات کے اختتام کے بعد ایک رکوع کا اضافہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ جس مقصد کے لیے یہ واقعات بیان کیے گئے ہیں انھیں مزید اجاگر کیا جائے اور قرآن کریم کا جو اصل مقصد ہے اس کو ذہنوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے جب ہم سورہ یوسف (علیہ السلام) پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی سرگزشت اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت، اس کی مشیت اور اس کی حکمت کا مجموعہ ہے جس میں قدم قدم پر محسوس ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے توکل پر اور اس کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت کس طرح اس کو تھام لیتی ہے اور مصائب کے ہجوم میں کس طرح اس کی دستگیری کرتی ہے۔ اہل دنیا یہ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کو دنیا نے دھتکار دیا ہے لیکن اس وقت اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہی دھتکارا ہوا شخص کامرانیوں کی منازل طے کرتا ہوا تخت و تاج کا مالک ٹھہرتا ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی داستان اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایسی ہی نشانیوں سے بھرپور ہے جو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی بےکراں قدرت اور اس کی الوہیت پر ایسے دلائل سے مرصع ہے جس کے بعد پیغمبر کی دعوت کو تسلیم نہ کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن جب تاریخ کا طالب علم یہ دیکھتا ہے کہ اہل مکہ نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، اپنے کانوں سے سنا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ اپنے کفر

اور شرک میں جس طرح پہلے گڑے ہوئے تھے اس میں کہیں دراڑ واقع نہ ہوئی تو سوچنے والا دماغ سُن ہو کر رہ جاتا ہے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ یہ اتنی عظیم نشانیاں ان پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتیں۔ پیش نظر آیت کریمہ میں اسی بات کا جواب دیا گیا ہے کہ تم جن لوگوں کو بظاہر دیکھتے ہو کہ وہ آنکھیں کھول کھول کر نشانیوں کو دیکھتے ہیں۔ نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر انھیں اپنے کانوں سے سنتے ہیں لیکن ان کی روش میں کوئی تغیر نہیں آتا تو اس کا سبب اصل میں یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو نشانی کو دیکھتے ہیں لیکن اس کی حقیقت پر غور کرنے کی زحمت کبھی نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو ایک چیز سمجھتے ہیں اور چیز کے سراپا میں ڈوب جاتے ہیں۔ وہ ہر چیز کو ایک نشانی نہیں سمجھتے کہ وہ حقیقت کی طرف سفر کرنے کی کوشش کرتے۔ دیکھنے کو تو جانور بھی دیکھتا ہے اور وہ ہر چیز کے مصرف کو بھی جانتا ہے۔ ایک گائے چارے کو دیکھتی ہے تو یہ جانتی ہے کہ چارہ پیٹ بھرنے کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اسے کھا کر فارغ ہو جاتی ہے لیکن انسان اور حیوان کے دیکھنے میں فرق ہونا چاہیے۔ حیوان صرف اپنے حواس سے کام لیتا ہے اور حواس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ہر چیز کا مصرف واضح کر دے۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس کے ساتھ ساتھ سوچنے والا دماغ اور گہرائی میں اترنے والی عقل بھی عطا کی ہے۔ اگر یہ عقل خواہشات نفس کی اسیر ہو کر نہ رہ جائے اور اس پر مفادات کی چادر نہ تان دی جائے تو یہ ہر چیز کی حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ گلاب کا پھول دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ہاتھوں کا لمس اس کی نزاکت اور ملائمت کو محسوس کر کے جھوم اٹھتا ہے۔ نگاہ اس کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اور قوت شامہ اس کی خوشبو کی داد دیتی ہے لیکن اس پھول کے پیچھے کوئی حقیقت بھی کارفرما ہے یا نہیں، حواس اس کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کرتے اور جس نے اپنی عقل

کو نارسائی کی زنجیریں پہنا رکھی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے گل قند تیار کی جا سکتی ہے تاکہ قوت ہضم میں معاون ہو۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس بنایا ہے وہ صرف اس کی نزاکت، اس کے رنگ اور اس کی خوشبو ہی میں محدود نہیں رہتا وہ سوچتا ہے کہ جس چیز کی نزاکت، رنگ اور خوشبو مجھے حیران کیے دے رہی ہے اس کا پیدا کرنے کا والا کس شان کا مالک ہوگا۔ وہ پھول سے آگے بڑھ کر پھول کو پیدا کرنے والے کے بارے میں سوچتا ہے۔ اہل مکہ کا بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ حقیقت شناسی کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے۔ وہ ہر چیز کو نشانی کے طور پر نہیں، چیز کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی نشانی پر سے گزرتے ہیں لیکن اس کی حقیقت پر غور کرنے کی زحمت کبھی نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جس کا شکار افراد بھی ہوتے ہیں اور اقوام بھی۔ اگر اس کی فکر نہ کی جائے تو افراد ہی نہیں اقوام بھی اپنی منزل سے دور ہٹتی چلی جاتی ہیں۔

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ ﴾

اور ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس طرح کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔

ایمان لانے کے باوجود اکثر لوگ مشرک

حسنؒ، مجاہدؒ، عامر اور شعبیؒ نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا اور تمام کائنات کا خالق ہے، اس کے باوجود وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ عکرمہؒ نے کہا: انہی لوگوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ فانی یوفکون۔ (الزخرف: ٨٧) اگر آپ ان سے یہ سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔

ولئن سالتھم من خلق السموات والارض وسخر الشّمس والقمر لیقولن اللہ فانی یوفکون۔ (العنکبوت: ٦١) اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔

حسن بصریؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں، وہ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا تو کہتے ہیں اور یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ شرک ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو زبان سے ایمان لاتے تھے اور ان کے دل میں کفر تھا۔

حسن بصریؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور انہیں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب اللہ ان کو اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں:

قل من ینجیکم من ظلمت البر والبحر تدعونہ تضرعا وخفیہ لئن انجانا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ قل اللہ ینجیکم منھا ومن کل کرب ثم انتم تشرکون۔ (الانعام: ٦٣، ٦٤) آپ پوچھیے کہ تمہیں سمندروں اور خشکی کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے؟ جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو، اگر وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے، آپ کہیے کہ تمہیں اس

مصیبت سے اور ہر سختی سے اللہ ہی نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین (احرام باندھ کر لبیک پکارتے ہوئے) کہتے: "لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ" (اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے: "ہلاکت ہو تمہارے لیے! بس یہیں رک جاؤ (آگے کچھ نہ کہو)۔" لیکن وہ کہتے: "اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ" (سوائے ان شریکوں کے جن کا مالک بھی تو ہے، وہ کسی چیز کے مالک نہیں)۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے جواب دیا: "تیرا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔" [2]

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز و بے پروا ہوں، جو شخص اپنے کسی کام میں میرا کوئی شریک ٹھہرائے تو میں اسے اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔" [3]

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔" [4]

---

[1] ۔[مسلم، کتاب الحج، باب التلبیة وصفتها ووقتها: ١١٨٥]

[2] ۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (فلا تجعلوا للہ أندادا): ٤٤٧٧ ۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب: ٨٦]

[3] ۔[مسلم، کتاب الزهد، باب تحریم الریاء: ٢٩٨٥]

[4] ۔[ترمذی، کتاب النذور والأیمان، باب ما جاء فی أن من حلف بغیر اللہ فقد أشرک: ١٥٣٥]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔" تین بار فرمایا اور ہم میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی وہم ہو ہی جاتا ہے، مگر اللہ عزوجل اسے توکل کی برکت سے زائل کر دیتا ہے۔ (۱)

سیدنا محمود بن لبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے تم پر سب سے زیادہ ڈر شرک اصغر کا ہے۔" لوگوں نے کہا، وہ کیا ہے؟ فرمایا: "ریا کاری، قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا، (اے ریا کارو!) تم جاؤ ان کے پاس جن کے دکھانے سنانے کے لیے تم نے عمل کیے تھے، اور دیکھو کہ وہ تمہیں کوئی جزا دیتے ہیں (یا نہیں)۔" (۲)

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی، مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جسے میں صبح و شام پڑھا کروں، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ دعا پڑھا کرو: (اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ)" اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے غیب اور حاضر کو جاننے والے! ہر چیز کے پروردگار اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے۔" (۳)

۱۔[أبوداؤد، کتاب الکهانة والتطیر، باب: فی الطیرة: ۳۹۱۰۔ ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الطیرة: ۱۶۱۴]

۲۔[مسند أحمد: ۵/ ۴۲۸، ۴۲۹، ح: ۲۳۶۹۴، ۲۳۶۹۹۔ ابن خزیمة: ۲/ ۶۷، ح: ۹۳۷]

۳۔[أبوداؤد، کتاب الأدب، باب مایقول إذا أصبح: ۵۰۶۷۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب منه: ۳۳۹۲]

﴿ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۱۰۷ ﴾

تو کیا یہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور وہ اس سے بے خبر ہوں۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین کے لیے بہت بڑی دھمکی ہے کہ کوئی بعید نہیں اللہ کا ایسا عذاب آجائے جو انھیں ہر طرف سے اپنی گرفت میں لے لے، یا قیامت ہی اچانک آجائے اور وہ اپنے شرک کی وجہ سے جہنم کے سپرد کر دیے جائیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝45 اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝46 اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ) [النحل: ۴۵ تا ۴۷] ”تو کیا وہ لوگ جنھوں نے بری تدبیریں کی ہیں، اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب آجائے جہاں سے وہ سوچتے نہ ہوں۔ یا وہ انھیں ان کے چلنے پھرنے کے دوران پکڑ لے۔ سو وہ کسی طرح عاجز کرنے والے نہیں۔ یا وہ انھیں خوفزدہ ہونے پر پکڑ لے۔ پس بیشک تمھارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ اور فرمایا: (اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝97 اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝98 اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ) [الاعراف: ۹۷ تا ۹۹] ”تو کیا بستیوں والے بے خوف ہو گئے

کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں اور کیا بستیوں والے بے خوف ہوگئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آجائے اور وہ کھیل رہے ہوں۔ پھر کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہوگئے ہیں، تو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔"

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت (اچانک) قائم ہوجائے گی۔ (اتنی اچانک کہ) ایک آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا اور ابھی اس کے منہ تک اس کے دودھ کا برتن نہ پہنچا ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور دو آدمی کپڑے کی خرید وفروخت کر رہے ہونگے، ان کی بیع پوری نہ ہونے پائے گی کہ قیامت قائم ہوجائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض درست کر رہا ہوگا اور ابھی (وہاں سے) ہٹا نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔" [1]

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ١٠٨ ﴾

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ سمجھ بوجھ کر، میں بھی اور جو میرے ساتھ ہیں (وہ بھی)۔ اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

۱۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ: ۲۹۵۴]

آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ وضاحت فرمائیں کہ میرا راستہ اور میری دعوت لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ نہایت دانائی اور خداداد بصیرت کے ساتھ یہی میرے متبعین کا راستہ اور دعوت ہے۔ ان کو بتادیں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے حوالے سے ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے اور ہم کسی طرح بھی مشرکین سے نہیں ہیں۔ اس آیت میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان اطہر سے کہلوایا گیا ہے کہ آپ خود یہ اعلان فرمائیں کہ میرا راستہ اور میری دعوت یہ ہے کہ میں لوگوں کو نہایت دانائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں۔ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ عقیدہ کے متعلق جتنی اہم باتیں ہیں۔ ان کے اظہار کے لیے پہلے قل کا لفظ لایا جاتا ہے۔ حالانکہ سارا قرآن اور شریعت نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہی بیان کی ہے۔ آپ کی بیان کردہ ہر بات اہم اور واجب الاتباع ہے لیکن اس کے باوجود بنیادی اور مرکزی باتوں کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی! آپ اعلان فرمائیں کہ میری زندگی کا مشن یہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں میں خداداد بصیرت کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہوں۔ اللہ کی طرف بلانے کا معنی اس کی توحید اور احکام کی طرف دعوت دینا ہے۔ جو میرا سچا فرماں بردار ہے اس کا بھی یہی راستہ ہے اور ہونا چاہیے۔ ہمارا مشرکوں کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے۔ مشرک کے ساتھ رشتہ نہ رکھنے کا صرف یہ مطلب نہیں ایک سچے امتی کا مشرکوں جیسا عقیدہ اور عمل نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے مشرکوں سے نکاح حرام قرار دیا اور ان سے قلبی محبت سے منع کیا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۱)۔

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع کے موقع پر منی

میں مقام خیف پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے آگے پہنچا دیا، کیونکہ کئی لوگوں کے پاس فقہ کی بات ہوتی ہے اور وہ خود فقیہ نہیں ہوتے اور کئی لوگ فقہ کی بات اپنے سے زیادہ سمجھدار و فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، وہ یہ کہ عمل کو اللہ کے لیے خلوص کے ساتھ ادا کرنا مسلمانوں کے سربراہوں سے خیر خواہی کرنا اور ان کی جماعت میں بہرحال شامل رہنا، کیونکہ ان کی دعوت ان سب کو محیط ہوتی ہے (جیسے ایک دیوار ان کا احاطہ کرتی ہے اسی طرح ان کی دعوت، جو دعوت اسلام ہے وہ بھی ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور انہیں فرقہ بندی سے محفوظ رکھتی ہے، اس لیے ان کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا اشد ضروری ہے)۔ [۱]

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى‌ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے مرد ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے پھر کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر و سیاحت نہیں

۱۔ (ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر: 3056)

کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟ اور متقیوں کے لیے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟۔

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ سب انسان ہی تھے

مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے کٹ حجتی کی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے' یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی' یعنی زبان سے بھی بتا سکتا ہے اور فعلاً عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعے حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہٰذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بھی انسان ہی تھے' ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے تکے سوال کئے تھے جو آپ کے مخاطبین اٹھا رہے ہیں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ (کما فی سورۃ الرعد قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا) (الی اخر الآیتین)

(اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ) اس میں مخاطبین کو تذکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے' کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں تو ان کے مکانوں کے کھنڈر اینٹ اور پتھر بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے' اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔(وَلَدَارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا) یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں فرائض واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لیے ان دنیاوی نفع کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں کہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ ہو گے۔

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے مقتولین کو تین دن یوں ہی پڑا رہنے دیا، پھر آپ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو آواز دیتے ہوئے فرمایا: "اے ابوجہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا پا لیا؟" [1]

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا: یعنی جس طرح ہم نے دنیا کی زندگی میں اپنے مومن بندوں کو

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ۔۔الخ:۲۸۷٤]

نجات عطا فرمائی، اسی طرح آخرت میں بھی ہم نے ان کے لیے نجات لکھ دی ہے، جو دنیا کی نجات سے بھی بدرجہا بہتر ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ 51○ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ)[المؤمن:۵۱،۵۲] ”بیشک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہونگے۔ جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا اور انھی کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے بدترین گھر ہے۔“

﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰ ﴾

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔ پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب اتر کر مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔

اس کی جو تفسیر کی گئی وہ یہ ہے کہ ”یہاں تک کہ“ مدت دراز تک ان پر عذاب نہ آنے سے ”پیغمبر“ یہ خیال کر کے ”مایوس ہو گئے“ کہ اللہ تعالیٰ کے اجمالی وعدہ عذاب کا جو وقت ہم نے اپنے انداز سے اپنے ذہنوں پر مقرر کر رکھا تھا اس وقت میں کفار پر عذاب نہ آئے گا اور حق کا غلبہ ظاہر نہ ہوگا اور ان پیغمبروں کو ”گمان

غالب ہوگیا" کہ وعدہ الہیہ کا اپنے انداز سے وقت مقرر کرنے میں "ہماری فہم نے غلطی کی ہے" کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی معین وقت بنایا نہیں تھا ہم نے مخصوص قرائن سے ایک مدت معین کرلی تھی اس مایوسی کی حالت میں "ان کو ہماری مدد پہنچی" وہ یہ کہ وعدے کے مطابق کفار پر عذاب آیا" پھر اس عذاب سے ہم نے جس کو چاہا اس کو بچالیا گیا۔" مراد اس سے یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کے ماننے والے مومنین کو بچالیا گیا اور کفار ہلاک ہوئے کیونکہ "ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹتا۔" بلکہ ضرور آکر رہتا ہے۔

غور کرو کہ "مایوس کون ہوا؟" رسل۔ کس سے مایوس ہوئے؟ اللہ سے۔ کیوں مایوس ہوئے؟ عذاب میں تاخیر ہوگئی۔

رسل، اللہ سے مایوس ہوئے اس لیے کہ عذاب الٰہی میں تاخیر ہوگئی۔ رسل اور اللہ سے مایوسی؟ ذرا سوچ لو، غور کرلو، سمجھ لو۔

انہ لا ییاس من روح اللہ الا القوم الکفرین (یوسف ۱۲:۸۷) ولا تیئسوا من روح اللہ (یوسف ۱۲:۸۷) رسولوں کا اللہ سے مایوس ہونا کسی حال میں بھی کسی وقت بھی خواہ وہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو ممکن نہیں۔ جیسا کہ نبی و رسول کا مشرک ہونا ممکن نہیں، کافر ہونا، جھوٹ بولنا ممکن نہیں۔ فریب دینا ممکن نہیں۔ نبی و رسول کا کسی پر بہتان باندھنا ممکن نہیں۔ پھر آیت کے معنی کیا ہوئے؟ اور مفہوم کیا؟

سمجھ لینا چاہیے کہ رسولوں کے مایوس ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ظنوا کا فاعل کون ہے؟ انھم کا مرجع کون ہے اور اس طرح قد کذبوا کا نائب فاعل کون ہے؟ یاد رکھیں کہ انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ سے کبھی مایوس نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ کے بندوں کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ حالات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں کبھی اللہ سے مایوس نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء و رسول نے اپنی اپنی امتوں اور قوموں کو توحید کی دعوت دی اور اس کی

صداقت پر دلائل و براہین پیش کئے اور کتنے نشانات بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو دکھائے اور دعوت و ارشاد کا یہ سلسلہ سال دو سال نہیں سالہا سال تک چلتا رہا تب بھی ان قوموں اور امتوں کے دلوں میں ایمان کی شمع فروزاں نہ ہوئی تو انبیاء و رسل ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔

"ظنوا" کا فاعل لوگوں سے انبیاء کرام اور رسل عظام کو بتایا ہے اور اس کا ترجمہ و مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء کرام نے یہ ظن کیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت اور کفار پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہ کیا گیا (خاکم بدہن کہ ایسا کبھی ہم خیال بھی کریں) لیکن اس طرح کا ظن انبیائے کرام کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں اسلئے بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ ظنوا کا فاعل وہی قوموں اور امتوں کے لوگ ہیں۔ اس طرح انھم کا مرجع اور کذبوا کا نائب بھی وہی قوم ہے۔

گویا ہر رسول اپنی قوم سے مایوس ہوا کہ اتنا عرصہ عرصہ درس و وعظ کیا لیکن یہ لوگ ہیں کہ ٹس سے مس بھی نہ ہوئے تو اب اتنی مدت جو گزر گئی کیا وہ خاک مسلمان ہوں گے اور دوسری طرف اس رسول کی امت و قوم کے لوگوں نے بھی اپنے اپنے رسول کے متعلق یہی گمان کیا کہ یہ رسول اثنائے تبلیغ بار بار وعدہ الٰہی سناتا رہا کہ عذاب آئے گا لہٰذا ان کفار نے بھی یہی سمجھا کہ ان سے غلط بیانی کی گئی ہے اگر عذاب آنا ہوتا تو ہم نے تو مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اب تک کب کا عذاب آ گیا ہوتا حالانکہ نہ ہم ایمان لائے اور نہ ہم عذاب آیا اس لیے کذبوا کا فاعل بھی کفار ہی ہوئے۔ پھر ایسا ہوا کہ اچانک ہمارے عذاب نے ان لوگوں کو آ گھیرا اور ان کا یہ سارا بیان، ظن اور گمان دھرے کا دھرا رہ گیا اور یہ بات تو پہلے طے ہے کہ جب ہمارا عذاب آ جائے اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کسی کے ٹالے ٹلتا ہے۔ [1]

---

[1] 11858 ۔تفسیر عروۃ الوثقی

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا : " كُذِبُوْا " میں دو قراءتیں ہیں، ایک تخفیف کے ساتھ "قَدْ كُذِبُوْا " اور دوسری تشدید کے ساتھ "قَدْ كُذِّبُوْا " ہے، اسے سیدہ عائشہؓ اسی طرح پڑھا کرتی تھیں، جیسا کہ عروہ بن زبیرؒ سے روایت ہے کہ اس نے سیدہ عائشہؓ سے اس آیت (حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ) سے متعلق پوچھا کہ اس میں یہ لفظ "كُذِبُوْا " (بغیر تشدید) ہے یا "كُذِّبُوْا " (تشدید کے ساتھ)؟ تو سیدہ عائشہؓ نے فرمایا "كُذِّبُوْا " (تشدید کے ساتھ) ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ انبیاء (علیہ السلام) تو یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ ان کی قوم انھیں جھٹلا رہی ہے، پھر "ظَنُّوْٓا " سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا، اپنی زندگی کی قسم! بیشک پیغمبروں کو اس کا یقین تھا۔ میں نے کہا "كُذِبُوْا " (بغیر تشدید) پڑھیں تو کیا قباحت ہے؟ انھوں نے کہا، معاذ اللہ! کیا پیغمبر اپنے پروردگار کی نسبت ایسا گمان کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا، پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا، مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کو جن لوگوں نے مانا، ان کی تصدیق کی، جب ان پر ایک مدت دراز تک آفت و مصیبت آتی رہی اور اللہ کی مدد آنے میں دیر ہوئی اور پیغمبران کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے جنھوں نے ان کو جھٹلایا تھا اور یہ گمان کرنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اب وہ بھی ہم کو جھوٹا سمجھنے لگیں گے، تو اس وقت اللہ کی مدد آن پہنچی۔ (1)

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ١١١﴾

1۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (حتی إذا استیئس الرسل): ٤٦٩٥]

بیشک ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے، یہ قرآن ایسی بات نہیں جو گھڑلی گئی ہو بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہے۔ (۱۱۱)

حضرت یوسف (علیہ السلام) اوران کے بھائیوں کے واقعہ میں سمجھدار لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے، یہ قرآن کریم کوئی خود سے بنائی ہوئی بات تو نہیں بلکہ یہ توریت انجیل اور تمام آسمانی کتب کی بیان توحید اور بعض دوسرے احکام اور واقعہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تصدیق کرنیوالی ہے اور یہ قرآن کریم حلال وحرام میں سے ہر ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنے والا ہے اور ان حضرات کے لیے جو کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس قرآن کریم پر جو کہ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ایمان رکھتے ہیں، گمراہی سے ہدایت اور عذاب سے رحمت ہے۔

اور سورہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (آیت) ”ان کے واقعات میں عبرتیں ہیں۔“ یہ فوائد ان فوائد کے علاوہ ہیں جو (سورہ کی تفسیر کے دوران) گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

(۱) یہ قصہ نبوت محمدی (آیت) کی صحت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی قوم کے سامنے یہ طویل قصہ بیان کیا درآنحالیکہ آپ نے گزشتہ انبیاء کی کتابیں پڑھی تھیں نہ کسی سے درس لیا تھا۔ آپ کی قوم نے آپ کا خوب اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کے شب وروز آپ کی قوم کے سامنے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ امی ہیں، آپ لکھ سکتے ہیں نہ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ قصہ

کتب سابقہ میں مذکورہ قصہ سے مطابقت رکھتا ہے حالانکہ آپ وہاں موجود نہ تھے جب یوسف (علیہ السلام) کے بھائی ان کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے اور سازش کر رہے تھے۔

(۲) شر کے اسباب سے دور رہنا مناسب ہے۔ اسی طرح ایسے امور کو چھپانا مناسب ہے جن سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو جیسا کہ یعقوب (علیہ السلام) نے یوسف (علیہ السلام) سے فرمایا تھا: (آیت) ”اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔“

(۳) کسی کے سامنے خیر خواہی کے طور پر ناپسندیدہ امور کا ذکر کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے (آیت) ”وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔“

(۴) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت اس کے تمام متعلقین، مثلاً اس کے گھر والوں، عزیز واقارب اور دوست احباب سے سب کے لیے نعمت ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ اس نعمت میں سب کو شامل کر لیتا ہے اور ان کو بھی اس کے باعث وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ یعقوب (علیہ السلام) نے یوسف (علیہ السلام) کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: (آیت) ”اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور باتوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کا اتمام کرے گا۔“ جب یوسف (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہوا تو آل یعقوب کو بھی عزت و وقار اور ملک میں اقتدار حاصل ہوا اور یوسف (علیہ السلام) کے سبب سے انہیں بھی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی۔

(۵) گناہوں کی نحوست سے بچنا چاہیے کیونکہ ایک گناہ اپنے ساتھ متعدد گناہ لاتا ہے اور بہت سے جرائم کے بعد اس گناہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے یوسف (علیہ

السلام) اوران کے باپ کے مابین جدائی ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت سے حیلے استعمال کئے، متعدد بار جھوٹ بولا، انہوں نے یوسف (علیہ السلام) کی قمیص اور خون کے سلسلے میں باپ کے سامنے باطل افسانہ گھڑا۔ ان کے اس افسانے اور عشاء کے وقت روتے ہوئے آنے میں نرا جھوٹ تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اس مدت کے دوران اس بارے میں بہت بحث و تمحیص ہوئی ہو بلکہ شاید یہ بحث اس وقت تک ہوتی رہی ہو جب تک کہ وہ یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور جب کبھی بحث ہوتی ہے تو جھوٹی خبریں اور افترا پردازی ضرور ہوتی ہے۔ یہ گناہ کی نحوست اور اس کے آثار ہیں۔

(٦) اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوسف (علیہ السلام) کو علم، حلم، مکارم اخلاق اور اللہ اور اس کے دین کی طرف دعوت سے نوازا۔ نیز یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عنایت ہی تھی کہ انہوں نے اپنے خطا کار بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا اور اس معافی کی تکمیل یہ کہہ کر کر دی کہ اب وہ ان کا کوئی مواخذہ کریں گے نہ اس پر انہیں کوئی عار دلائیں گے۔ پھر حضرت یوسف (علیہ السلام) کا اپنے ماں باپ کے ساتھ تعظیم کرنا اور اپنے بھائیوں بلکہ تمام مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

(٧) کچھ برائیاں دوسری برائیوں سے خفیف تر اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ (اگر دو برائیوں میں سے ایک برائی کا ارتکاب ناگزیر ہو تو) اس برائی کا ارتکاب کرنا جس کا ضرر کم تر ہو، اس برائی کے ارتکاب سے اولیٰ وافضل ہے جس کا ضرر بڑا ہے۔

(٨) جب کوئی چیز کاروبار میں دست و بدست متداول ہو جائے اور وہ مال شمار ہونے لگے اور کاروبار کرنے والے کو اس کے غیر شرعی ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے والے، اس

میں خدمت کرنے والے، اس سے مفاد اٹھانے والے اور اس کو استعمال میں لانے والے کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے انہیں بیع حرام کی صورت میں فروخت کیا تھا، یہ بیع قطعاً جائز نہ تھی۔ پھر حضرت یوسف کو خریدنے والا قافلہ انہیں لے کر مصر چلا گیا اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا اور وہ اپنے آقا کے پاس غلام کے طور پر رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو" آقا" کے نام سے موسوم کیا ہے اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس ایک مکرم غلام کے طور پر رہتے رہے۔

(۹) ان عورتوں کے ساتھ خلوت سے بچنا چاہیے جن سے فتنے کا خوف ہو۔ اسی طرح ایسی محبت سے بھی بچنا چاہیے جس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اس کی شدید محبت کے سبب سے ہوا، محبت نے اس عورت کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو پھسلانے کے لیے ڈورے نہیں ڈالے، پھر ان پر بہتان لگایا اور یوسف (علیہ السلام) نے اس عورت کے بہتان کے سبب سے طویل مدت تک قید میں رہے۔

(۱۰) یوسف (علیہ السلام) نے اس عورت کے ساتھ ارادہ کیا پھر اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک کر دیا۔ اس ترک ارادہ نے حضرت یوسف، کو اللہ تعالیٰ کے اور قریب کر دیا۔ کیونکہ اس قسم کا ارادہ نفس امارہ کے اسباب میں شمار ہوتا ہے جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اکثر لوگوں کی یہی فطرت ہے۔ پس جب انہوں نے اس ارادے کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت کے ساتھ تقابل کیا تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت نفس امارہ کے داعیے اور اس کی خواہش پر غالب آ گئی۔ گویا آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) ” جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے

نفس کو خواہشات سے روکتا رہا۔" اور آپ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق، ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہیں جنہیں قیامت کے روز عرش کے سائے میں جگہ ملے گی، جس روز اس کے سائے کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا اور ان سات قسم کے لوگوں میں ایک وہ شخص ہوگا جسے حسن و جمال رکھنے والی اور منصب وحیثیت کی حامل کوئی عورت بدکاری کی دعوت دیتی ہے اور وہ جواب میں کہتا ہے "میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔" اور وہ ارادہ جس پر بندہ قابل ملامت ہے، وہ ارادہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو کر عزم بن جائے جس کے ساتھ بسا اوقات فعل مل جاتا ہے۔

(۱۱) بندہ مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مقام دیکھے جہاں فتنہ اور معصیت کے اسباب موجود ہوں، تو مقدور بھر وہاں سے نکلنے اور بھاگنے کی کوشش کرے تاکہ وہ گناہ سے بچ سکے، کیونکہ جب یوسف (علیہ السلام) پر اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ رہ رہے تھے، ڈورے ڈالنے شروع کئے تو وہ اس جگہ سے فرار ہو کر دروازے کی طرف بھاگے، تاکہ وہ اس عورت کے شر سے بچ جائیں۔

(۱۲) اشتباہ کے موقع پر قرائن سے کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر خاوند اور بیوی گھر کے ساز وسامان کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ پڑیں اور دونوں کے پاس اپنی ملکیت کا واضح ثبوت نہ ہو تو جو چیز مرد کے حال کے مطابق ہے وہ مرد کی ملکیت ہے اور جو عورت کے حال کے مطابق ہے وہ اس کی مالک ہے۔ اسی طرح اگر بڑھئی اور لوہار کسی اوزار کی ملکیت پر جھگڑ پڑیں اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ثبوت نہ ہو تو قرائن پر عمل کیا جائے گا۔ ملتی جلتی چیزوں اور نشان قدم میں قیافہ پر عمل کرنا بھی اسی باب میں شامل ہے۔ یوسف (علیہ السلام) کے گواہ نے قرینے کی گواہی دی تھی۔ اس نے قمیص کی پھٹن کو دیکھ کر قرینے

کی گواہی دی اور قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھ کر حضرت یوسف (علیہ السلام) کی صداقت اور اس عورت کے جھوٹے ہونے پر استدلال کیا۔

(۱۳) حضرت یوسف (علیہ السلام) ظاہری اور باطنی حسن و جمال کے حامل تھے ان کا ظاہری حسن و جمال اس عورت کے لئے، جس کے گھر میں حضرت یوسف (علیہ السلام) تھے، اس امر کا موجب بنا جس کی تفصیل گزری اور اسی طرح ان کا حسن و جمال ان عورتوں کے لیے بھی، جن کو عزیز مصر کی بیوی نے ان کے ملامت کرنے پر اکٹھا کیا تھا، اس امر کا موجب بنا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھیں: (آیت) "یہ شخص انسان نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔"

رہا ان کا باطنی حسن و جمال تو وہ ان کی عظیم عفت تھی۔ گناہ میں پڑنے کے بہت سے اسباب کے باوجود گناہ سے بچے رہے۔ اس کے خود عزیز مصر کی بیوی اور ان عورتوں نے آپ کی عفت اور پاک دامنی کی شہادت دی۔ اس لیے عزیز مصر کی بیوی نے کہا: (آیت) "میں نے اسے پھسلانے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر وہ بچ نکلا" اس کے بعد اس نے کہا: (آیت) "اب حق واضح ہو گیا ہے، میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بیشک وہ سچا ہے" عورتوں نے کہا: (آیت) "حاشا للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔"

(۱۴) یوسف (علیہ السلام) نے معصیت کے مقابلے میں قید کو ترجیح دی۔ بندہ مومن کے یہی شایان شان ہے کہ اگر وہ دو امور کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ ایک طرف کسی معصیت کا ارتکاب ہو اور دوسری طرف دنیاوی عقوبت، تو وہ گناہ کی بجائے، جو دنیا و آخرت میں سخت عقوبت کا موجب ہے، دنیاوی عقوبت کو ترجیح دے۔ ایمان کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بندہ کفر کی

طرف لوٹنے کو، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچا لیا ہے، اسی طرح ناپسند کرے، جس طرح وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

(۱۵) بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اسباب گناہ کے موجود ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ کر اسی کی پناہ میں رہے اور اپنی قوت واختیار سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا تھا: (آیت) "اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں نے ان کی چالوں میں آ کر جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔"

(۱۶) جس طرح فراخی میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا التزام واجب ہے، اسی طرح تنگی میں بھی اس پر یہ التزام واجب ہے۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے جب وہ قید میں ڈال دیئے گئے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت پر قائم رہے اور ان دونوں جوان قیدیوں کو (جوان کے ساتھ قید میں ڈالے گئے تھے) توحید کی دعوت دی اور ان کو شرک سے روکا۔

(۱۷) معاملات میں، اہم ترین معاملے سے ابتدا کرنی چاہیے۔ جب مفتی سے کوئی سوال کیا جائے اور سائل اس سوال سے زیادہ کسی اور چیز کا ضرورت مند ہو تو مفتی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اسے اس چیز کی تعلیم دے جس کا وہ زیادہ حاجت مند ہے۔ یہ معلم کی خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کے حسن تعلیم وارشاد کی علامت ہے۔ جب نوجوان قیدیوں نے حضرت یوسف (علیہ السلام) سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے ان کو خواب کی تعبیر بتانے سے قبل اللہ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دی۔

(۱۸) اگر کوئی شخص کسی ناخوشگوار صورت حال اور کسی سختی میں گرفتار ہو جائے تو کسی ایسے شخص سے مدد لینا

جو اس صورت حال سے نجات میں مددگار ثابت ہو سکتا ہو، یا اسے اپنے حال سے آگاہ کرے تو یہ مخلوق کے پاس شکوے کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس کا تعلق امور عادیہ سے ہے۔ جو عرف عام میں لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے سے سرانجام پاتے ہیں۔ بنابریں یوسف (علیہ السلام) نے ان نوجوان قیدیوں میں سے جس کے رہا ہونے کی امید تھی، اس سے کہا: (آیت) ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا“

(۱۹) معلم کے لیے تاکید ہے کہ وہ تعلیم دینے میں کامل اخلاص سے کام لے اور اپنی تعلیم کو کسی معاوضہ میں مال وجاہ یا کوئی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ تعلیم دینے میں خیر خواہی سے کام لے جب تک سائل کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے معلم کو تکلیف پہنچے، تعلیم دینے سے یا اس کی خیر خواہی کرنے سے انکار نہ کرے۔ یوسف (علیہ السلام) نے ان دو نوجوان قیدیوں میں سے جس کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنے آقا کے پاس ان کا ذکر کرے مگر اسے اپنے آقا کے سامنے حضرت یوسف (علیہ السلام) کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ جب انہیں حضرت یوسف (علیہ السلام) کے پاس سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اسی نوجوان کو بھیجا وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھنے کے لیے حضرت یوسف (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے محض اس بنا پر کہ اس نے ان کا ذکر اپنے آقا کے پاس نہیں کیا، اس پر ناراضی کا اظہار کیا نہ اس پر زجر و توبیخ کی، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اسے ہر لحاظ سے اس کے سوال کا مکمل جواب دیا۔

(۲۰) مسؤل کو چاہیے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت سائل کی ایسے معاملے کی طرف رہنمائی کرے جو اس کے سوال سے متعلق اور اس کے لیے فائدہ مند ہو۔ اسے وہ راستہ دکھائے جس پر گامزن ہو کر وہ

دین و دنیا میں فائدہ اٹھائے۔ یہ اس کی طرف سے کامل خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کا حسن ارشاد ہے۔ کیونکہ یوسف (علیہ السلام) نے بادشاہ مصر کو صرف اس کے خواب کی تعبیر بتانے پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی رہنمائی فرمائی کہ وہ شادابی کے سالوں میں بکثرت پیدا ہونے والے اناج اور محاصل کو ذخیرہ کرنے کے لیے کیا انتظامات کریں۔

(۲۱) اگر کوئی شخص اپنے ذمے کسی تہمت کو دور کرنے اور اپنی برأت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو ملامت کی جا سکتی ہے، بلکہ اس کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔ جیسے جناب یوسف (علیہ السلام) نے اس وقت تک قید سے رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ ان عورتوں کے احوال کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے آپ کی برأت نہ ہو جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔

(۲۲) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت یوسف کو زمین کے خزانوں کا منتظم مقرر کیا گیا تو انہوں نے حسن انتظام سے کام لیا یہاں تک کہ ان کے ہاں بکثرت اناج جمع ہو گیا اور دوسرے ملکوں سے لوگ غلہ اور خوراک حاصل کرنے کے لیے مصر کا قصد کرنے لگے، کیونکہ انہیں علم تھا کہ مصر میں غلہ بکثرت موجود ہے اور حضرت یوسف ہر آنے والے کو بقدر حاجت غلہ دیتے ہیں، وہ غلہ زیادہ دیتے تھے نہ کم، چنانچہ ہر آنے والے کو ایک بار شتر سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے۔

(۲۳) مہمان نوازی شروع ہے اور یہ انبیاء و مرسلین کی سنت ہے مہمان کی عزت و تکریم یوسف کے اس قول سے مستفاد ہے (آیت) "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں اناج پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمانی کرتا ہوں۔"

(۲۴) مہمان نوازی مشروع ہے اور یہ انبیاء و مرسلین کی سنت ہے مہمان کی عزت و تکریم یوسف کے اس

قول سے مستفاد ہے (آیت) ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں اناج پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمانی کرتا ہوں۔“

(۲۵) انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے علم تحقیق، مشاہدہ اور قابل اعتماد خبر جس پر اطمینان نفس ہو۔۔ کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق گواہی دے۔ یوسف کے بھائیوں نے کہا تھا: (وما شھدنا الا بما علینا) ”ہم تو صرف اسی کے متعلق گواہی دے سکتے ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔“

(۲۶) اگر انسان اپنے موجودہ احوال یعنی کسی مرض اور فقر وغیرہ کے بارے میں ناراضی کا اظہار کیئے بغیر کسی کو آگاہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ یوسف کے بھائیوں نے یوسف سے کہا: (یایھا العزیز مسنا واھلنا الضر) ”اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت اور بدحالی نے آگھیرا ہے۔“ اور ان کے اس قول پر حضرت یوسف نے نکیر نہیں فرمائی۔

(۲۷) اس پورے قصے میں تقویٰ کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی تقویٰ اور صبر کے آثار کی وجہ سے ہے۔ اہل تقوی اور اہل صبر کا انجام بہترین انجام ہے۔ چنانچہ فرمایا: (قد من اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین) ”اللہ نے ہم پر احسان فرمایا بیشک اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

(۲۸) جس کسی کو شدید محتاجی اور بدحالی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہو، اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرے اور اپنی پہلی بدحالی اور محتاجی کو یاد رکھے تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف نے فرمایا تھا: (آیت) ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم لوگوں کو صحرا سے یہاں لایا۔“

(۲۹) یوسف پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا عظیم لطف وکرم تھا کہ اس نے آپ کو ان احوال سے منتقل کر کے سختویں اور مصائب میں مبتلا کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آپ کو اعلیٰ ترین منازل اور بلند ترین درجات پر فائز کرے۔

(۳۰) بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدمی کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا رہے اور ایسے اسباب روبہ عمل لاتا رہے جو ایمان پر ثابت قدمی کے موجب ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اتمامِ نعمت اور خاتمہ بالخیر کا سوال کرتا رہے۔ جیسا کہ یوسف نے عرض کیا: (آیت) ”اے میرے رب! تو نے مجھے اقتدار عطا کیا اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں تو ہی میرا سرپرست ہے۔ اسلام پر مجھے موت دے اور مآل کار مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر۔“

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا